سلسلۂ ندوۃ المصنفین دہلی
(۱۱۶)

مآثر و معارف

یعنے

پچیس ۲۵ مقالات کا مجموعہ

جن میں تدوین حدیث و علوم حدیث کی تاریخ۔ کتب حدیث و فقہ کا تعارف۔ اسلامی علوم کا تعلیمی ارتقاء۔ مسلمانوں کی علمی سرگرمی۔ یورپ میں اسلامی علوم و فنون کی ترویج اور کئی اسلامی شخصیات اور علمی کتابوں کا حال وغیرہ مستند طریقے پر درج ہے

از
مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

Marfat.com

سلسلہ ندوۃ المصنفین دہلی ۶

(۱۱۶)

مآثر و معارف

(یعنی پچیس ۲۵ مقالات کا مجموعہ)

جن میں تدوینِ حدیث و علومِ حدیث کی تاریخ، کتبِ حدیث و فقہ کا تعارف، اسلامی علوم کا تعلیمی ارتقاء، مسلمانوں کی علمی سرگرمی، یورپ میں اسلامی علوم و فنون کی ترویج اور کئی اسلامی شخصیات اور علمی کتابوں کا حال وغیرہ مستند طریقے پر درج ہے

از

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

مؤلف کا شجرہ نسب = (دیکھو ص ۳۶۱ کتاب ہذا)

ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

Marfat.com

(حقوقِ طبع محفوظ)

محرم الحرام ۱۳۹۱ھ
مطابق
مارچ ۱۹۷۱ء

قیمت مجلد ________ نو روپے
قیمت غیر مجلد ________ دس روپے
15/-

کتابت ________ وجیہہ کتابت بورڈ رامپور
مطبوعہ ________ یونین پریس دہلی

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

مآثر و معارف

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیش لفظ۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ناظم ندوۃ المصنفین	۱۳	سعید بن جبیر کی کتابیں	۲۱
مقدمۂ مؤلف	۱۵	مجموعۂ ابوبردہ اشعریؓ	۲۱
تدوین حدیث کے چار ادوار	۱۷	الصادقۃ	۲۱
پہلا دور، صحابہؓ اور اکابر تابعین کا عہد	۱۷	دیگر صحائف	۲۲
عہدِ رسالت کے چند تحریری سرمائے	۱۸	کبار تابعین کے عہد میں تدوینِ حدیث	۲۲
الصادقۃ	۱۹	روایات میں شدتِ احتیاط اور حفظ و مذاکرہ	۲۳
کتاب عمرو بن حزمؓ	۱۹	صحابہ کرامؓ کی تحدیث میں شدتِ احتیاط	۲۴
کتاب الصدقۃ	۲۰	تابعین عظامؒ کی تحدیث میں شدتِ احتیاط	۲۵
صحیفہ حضرت علیؓ	۲۰	عہدِ صحابہ و تابعین میں حفظ حدیث	۲۵
خطبۂ فتح مکہ	۲۰	صحابہ و تابعین کی قوتِ حافظہ	۲۶
عہدِ صحابہؓ میں احادیث کا تحریری سرمایہ	۲۰	دوسرا دور	۲۷
صحیفۂ حضرت ابوبکرؓ	۲۱	تدوین حدیث کی ابتداء	۲۷
صحفِ عبداللہ بن عباسؓ	۲۱	اس دور کی خصوصیت اور مشہور کتابیں	۲۹

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تیسرا دور	۳۰	کتب حدیث کے چار طبقات	۲
حدیث کی مستقل تدوین	۳۰	۲۔چند اہم اور مشہور کتب احادیث	۵
اس دور کی تدوینی خصوصیت	۳۰	موطا امام مالکؒ	۷
صحاح اور غیر صحاح کی تدوین	۳۰	احادیث کی تعداد	۸
احادیث کی تدوین فقہی ابواب پر	۳۱	روایات اور نسخے	۸
مسانید کی تدوین	۳۱	مقبولیت واہمیت	۹
اقسام پر تدوین و ترتیب	۳۲	شروح ومختصرات اور مستخرجات	۹
حروف معجم پر ترتیب	۳۲	موطا پر دوسری کتابیں۔	۰
اطراف پر تدوین و ترتیب	۳۳	مسند امام احمد بن حنبل	۱
معلل مسانید	۳۳	احادیث کی تعداد	۱
ایک باب، یا شیخ، یا ترجمہ پر مستقل تصنیف	۳۳	شروح ومختصرات	۲
تیسری صدی کی مشہور کتب احادیث	۳۴	صحیح بخاری	۲
چوتھا دور	۳۵	تعداد احادیث	۳
علم حدیث کی تنقیح و تہذیب	۳۵	شروح صحیح بخاری	۴
چوتھی صدی کی مشہور کتب احادیث	۳۶	مختصرات	۴
دور تہذیب کی جامع کتب احادیث	۳۷	رجال بخاری پر کتابیں	۴
اس دور کی عام جوامع	۳۸	صحیح مسلم	۵
احادیث کے احکام کی جامع کتابیں۔	۳۹	شروح صحیح مسلم	۵
صحیح حدیث کی سات قسمیں	۴۱	مختصرات صحیح مسلم	۶
صحت کے اعتبار سے کتب حدیث کی ترتیب	۴۱	صحیحین پر مستخرجات	۶

Marfat.com

مضمون	صفحہ
مستخرجات بر صحیح بخاری	۵۷
مستخرجات بر صحیح مسلم	۵۷
مستدرک حاکم بر صحیحین	۵۷
جامع صحیح ترمذی	۵۸
مشہور شرحیں	۵۸
مختصرات ترمذی	۵۹
سنن ابوداؤد	۵۹
شروح سنن ابی داؤد	۶۰
مختصرات سنن ابی داؤد	۶۱
سنن ابن ماجہ	۶۱
شروح سنن ابن ماجہ	۶۲
سنن نسائی	۶۲
شروح سنن نسائی	۶۳
صحاح ستہ کے علاوہ کتب احادیث	۶۳
صحاح ستہ وغیرہ پر کتب اطراف	۶۴
۲۔ علوم حدیث	۶۶
علم غریب الحدیث	۶۶
عہد رسالت	۶۶
عہد صحابہ	۶۶
عہد تابعین	۶۷
دوسری صدی	۶۷
تیسری صدی	۶۸
چوتھی صدی	۶۹
بعد کی کتابیں	۶۹
علم اسماء الرجال	۷۱
اسماء الصحابہ	۷۱
علم جرح و تعدیل	۷۳
پہلی صدی	۷۳
دوسری صدی	۷۴
تیسری صدی	۷۵
چوتھی صدی	۷۶
پانچویں صدی	۷۶
چھٹی صدی	۷۷
اس کے بعد	۷۷
جرح وتعدیل اور رجال پر جامع کتابیں	۷۸
کتب ثقات	۷۹
کتب ضعفاء	۷۹
کتب مدلسین	۸۰
کتب مخصوصہ کے رجال پر کتابیں	۸۰
کتب وفیات محدثین	۸۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
کتب اسماء و کنیٰ و القاب	۸۲
موتلف مختلف، متفق متفرق، اور مشتبہ اسماء و انساب پر کتابیں	۸۳
علم ناسخ و منسوخ	۸۴
علمِ تلفیق حدیث	۸۵
علمِ علل حدیث	۸۵
علم مصطلح حدیث	۸۶
تخریج احادیث	۸۸
۴۔ اسلامی تعلیم کا مکی مرکز دار ارقم	۹۰
حضرت ارقمؓ اور دار ارقم	۹۰
۶ نبوی میں دار ارقم میں داخلہ اور دعوتِ اسلام	۹۲
کفار قریش کی فتنہ پروری	۹۵
مدرسۂ دارِ ارقم	۹۷
حضرت عمرؓ کا قبول اسلام اور دار ارقم سے نکلنا	۹۹
دارِ ارقم مختلف ادوار میں	۱۰۰
دارِ ارقم وقف علی الاولاد اور عباسی خلفاء کی ملکیت	۱۰۱
دارِ ارقم بعد کے ادوار میں	۱۰۳
دار ارقم مکہ کے مشاہد متبرکہ میں	۱۰۴

مضمون	صفحہ
دار ارقم موجودہ صدی تک	۱۰۴
۵۔ مدارس اسلامیہ کے ارتقائی ادوار	۱۰۷
مکہ مکرمہ کی اسلامی درسگاہیں	۱۰۹
مدرسۂ مسجد ابوبکرؓ	۱۰۹
مدرسۂ بیت فاطمہ بنت خطابؓ	۱۱۰
مدرسۂ دارِ ارقم بن ابی ارقمؓ	۱۱۱
مدرسۂ شعب ابی طالب	۱۱۱
مدرسۂ ارض حبشہ	۱۱۲
مکہ مکرمہ کے باہر کے مدارس	۱۱۲
ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں دار مدرسہ دار سعد بن ضرارہؓ	۱۱۳
مدرسۂ دارِ سعد بن خیثمہؓ	۱۱۳
مدرسۂ مسجد بنی زُریق	۱۱۴
مدرسۂ مسجد بنی بیاضہ	۱۱۴
مدرسۂ مسجد قُبا	۱۱۴
اس دور کے دیگر مدارس	۱۱۵
ہجرت کے بعد جامعہ صفہ کا قیام	۱۱۷
دیگر درسگاہیں،	۱۱۸
مختلف قبائل اور مقامات کے مدارس	۱۱۸
خلافتِ راشدہ کے مکاتب و مدارس	۱۲۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
معلموں کی اجرت	۱۲۲	صابون سازوں اور صابون فروشوں میں علم اور علماء	۱۴۱
چند مشہور معلمین	۱۲۳		
خلفاء و امراء کے خصوصی معلمین و مؤدبین	۱۲۳	صیقل گروں میں علم اور علماء	۱۴۲
ائمہ دین اور دیگر علمائے علم وفن کی درسگاہیں	۱۲۴	شیشہ گروں میں علم اور علماء	۱۴۲
خالص علمی اور تحقیقی مجالس	۱۲۶	لوہاروں میں علم اور علماء	۱۴۳
موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء	۱۲۸	بڑھیوں میں علم اور علماء	۱۴۴
۶۔ ہر طبقہ اور ہر پیشہ میں علم اور علماء	۱۳۰	لکڑ ہاروں میں علم اور علماء	۱۴۵
چرواہوں میں علم اور علماء	۱۳۱	شکاریوں میں علم اور علماء	۱۴۶
کسانوں میں علم اور علماء	۱۳۲	مزدوروں میں علم اور علماء	۱۴۷
دست کاروں میں علم اور علماء	۱۳۳	۷۔ علمائے اسلام کے القاب	۱۴۹
پارچہ بافوں میں علم اور علماء	۱۳۴	عالم	۱۴۹
پارچہ فروشوں میں علم اور علماء	۱۳۵	علّامہ	۱۵۰
درزیوں میں علم اور علماء	۱۳۶	معلّم	۱۵۱
دھوبیوں میں علم اور علماء	۱۳۷	مُقری	۱۵۳
موچیوں میں علم اور علماء	۱۳۷	قاری	۱۵۴
روغن سازوں اور روغن فروشوں میں علم اور علماء	۱۳۸	کامل	۱۵۷
		کاتب	۱۵۷
قصائیوں میں علم اور علماء	۱۳۹	مُکتِب	۱۵۹
حلوائیوں میں علم اور علماء	۱۴۰	مؤدّب	۱۶۰
آٹا پیسنے والوں میں علم اور علماء	۱۴۰	مُستملی	۱۶۱

Marfat.com

مضمون	صفحہ
خطیب	۱۶۱
مذکّر	۱۶۲
واعظ	۱۶۴
محتسب	۱۶۴
مزکّی	۱۶۵
مُعدّل	۱۶۶
مولانا	۱۶۷
مولوی	۱۶۸
ملا - منلا، اور مولی	۱۷۰
استاذ	۱۷۰
شیخ الاسلام وغیرہ	۱۷۲
قطب الدین، شمس الدین وغیرہ	۱۷۴
صاحب	۱۷۷
جناب	۱۷۹
حضرت اور حضور	۱۷۹
خاص خاص القاب	۱۸۰
۸- امام محمدؒ کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ	۱۸۱
امہاتِ کتب سے احناف کی غفلت	۱۸۱
کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ	۱۸۲
قلمی نسخے اور ان کی تحقیق وتعلیق	۱۸۳

مضمون	صفحہ
امام محمدؒ کا اسلوب بیان	۱۸۴
احادیث کے بارے میں فقہ حنفی کا موقف	۱۸۴
حنفیہ کے یہاں قرآن وحدیث اور اجماع کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حجت ہیں	۱۸۵
اہلِ مدینہ کا جواب ان ہی کے اصولوں سے	۱۸۸
احادیث وآثار کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔	۱۸۹
مشہور احادیث وآثار کے ہوتے ہوئے ایک صحابی کی روایت حجت نہیں ہے	۱۹۱
احادیث وآثار کے مقابلہ میں قول تابعی حجت نہیں ہے	۱۹۳
امام محمدؒ کی مجتہدانہ انصاف پسندی	۱۹۵
۹- امام محمدؒ کی کتاب الآثار	۱۹۸
کتاب الآثار کی حیثیت	۱۹۸
مطبوعہ اور قلمی نسخے	۱۹۹
امام محمدؒ کا اسلوبِ بیان	۲۰۰
تحقیق وتعلیق کا معیار	۲۰۱
۱۰- امام ابوبکر حمیدی کی مسند حمیدی	۲۰۲
مسانید کی تاریخ	۲۰۲

Marfat.com

مضمون	صفحہ
امام حمیدی	۲۰۳
مسند حمیدی کی اہمیت و افادیت	۲۰۵
تعلیق و تصحیح	۲۰۷
۱۱- امام سعید بن منصور خراسانی کی کتاب السنن	۲۰۹
سعید بن منصورؒ	۲۱۰
اساتذہ و تلامذہ	۲۱۲
حافظہ، ثقاہت اور تبحر	۲۱۴
وفات اور عمر	۲۱۷
کتاب السنن	۲۱۸
سنن سعید بن منصور کا موجودہ نسخہ	۲۲۰
۱۲- فضل اللہ الصمد توضیح الادب المفرد	۲۲۲
الادب المفرد کی اہمیت	۲۲۳
طباعت و اشاعت	۲۲۴
اس شرح کی خصوصیات	۲۲۵
۱۳- مصحف عثمانی کا ایک مطبوعہ ٹکڑا (سورۂ یٰسین)	۲۲۷
ناشر کا تعارفی بیان	۲۲۸
سورۂ یٰسین کا ابتدائی نمونہ	۲۲۹
توضیح	۲۳۱
مختلف استدراکات	۲۳۲
۱۴- قاضی رشید بن زبیر غسانی کی کتاب الذخائر والتحف	۲۳۵
مکتوب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس)	۲۳۵
قاضی رشید بن زبیر غسانی اسوانی مصری متوفی محرم ۵۶۳ھ	۲۳۷
الذخائر والتحف کس کی تصنیف ہے؟	۲۴۴
۱۵- ابن الانباری کی کتاب الاضداد فی اللغۃ	۲۵۲
امام ابوبکر محمد بن قاسم انباری	۲۵۲
کتاب الاضداد فی اللغۃ	۲۵۶
چند مفید اقتباسات	۲۵۸
۱۶- ابو احمد عسکری کی کتاب المصون فی الادب	۲۶۲
ادبی اور شعری تنقید کا ابتدائی سرمایہ	۲۶۲
تیسری اور چوتھی صدی میں فنِ تنقید پر مستقل کتابیں	۲۶۳
ابو احمد عسکری	۲۶۴
کتاب المصون فی الادب	۲۶۷
چند تنقیدی اصول اور مباحث	۲۶۸
۱۷- امام ابوبکر مراغی کی کتاب تحقیق النصرۃ الخ	۲۷۳
مدینہ منورہ کی قدیم تاریخیں	۲۷۳

Marfat.com

مضمون	صفحہ
امام ابوبکر مراغی	۲۷۴
تحقیق النصرۃ کی خصوصیات	۲۷۶
۱۸- المنجد پر ایک تنقیدی نظر	۲۷۹
المنجد فی الآداب والعلوم	۲۷۹
اسلام اور عیسائیت	۲۸۱
چند فاش غلطیاں اور افترا پردازیاں	۲۸۲
ایک مصری فاضل کی تنقید	۲۸۸
اسلام کے بارے میں غلط بیانیاں	۲۸۸
علمی وتاریخی غلط بیانیاں	۲۹۱
۱۹- استشراق اور مستشرقین	۲۹۳
یورپ میں اسلامی علوم وفنون کی ابتدا	۲۹۴
یورپ میں عقلی اور فکری دور کی ابتدا	۳۹۴
یورپ کے اسلامی اندلس سے استفادہ کا عہد شباب	۲۹۵
استشراق میں مذہبی اور سیاسی رجحان	۳۹۶
عربی کتابوں کی طباعت واشاعت	۳۹۷
جدید طبقہ کے خوش آئند رجحانات	۲۹۸
عربی طباعت اور عربی ٹائپ کے مطابع	۲۹۹
۲۰- ہنگری کے مستشرقین اور ان کے علمی کارنامے	۳۰۲
ہنگری کے باشندوں کا مشرقی ممالک ور	۳۰۲

مضمون	صفحہ
مشرقی علوم سے قدیم تعلق	
درسگاہیں اور مجلات	۳۰۵
ہنگری کے قدیم وجدید مستشرقین	۳۰۶
۲۱- اسپین میں امام ابن حزم کی نو سو سالہ یادگار تقریب	۳۱۷
اسپین میں عربی واسلامی علوم سے دلچسپی	۳۱۷
یادگاری جشن کی کیفیت	۳۱۹
مختصر حالات	۳۱۹
شرکائے جشن	۳۲۱
۲۲- فرقہ یزیدیہ	۳۲۳
اس فرقہ کی تاریخ	۳۲۳
فرقہ یزیدیہ کے امام وامیر یزید بن خالد اسمٰعیل بک کا بیان	۳۲۵
زمزم، کوثر، اور عرفات وغیرہ	۳۲۶
طاؤس الملائکہ	۳۲۷
فرقہ یزیدیہ کی مذہبی کتابیں	۳۲۷
فرقہ یزیدیہ کے طبقات	۳۲۸
اس کے نزدیک نماز اور روزہ	۳۲۹
اخروی بھائی بندی اور تناسخ	۳۳۰
فرقہ یزیدیہ کے محرمات	۳۳۰

Marfat.com

مضمون	صفحہ
لکھنا پڑھنا حرام	۳۳۱
نکاح، طلاق اور میراث	۳۳۱
ختنہ اور کریف الدم	۳۳۲
استدراک (مزید معلومات)	۳۳۲
آخری اور صحیح معلومات	۳۳۴
فرقۂ یزیدیہ کے مقامات اور ان کی تعداد	۳۳۴
یزیدیہ کی وجہ تسمیہ	۳۳۵
ان کا نبی یا شیخ عادی یا شیخ عدی	۳۳۶
عادات و تقالید	۳۳۶
عقائد اور مذہبی کتابیں	۳۳۸
۲۳۔ فرقۂ صابئہ کی ایک شاخ	۳۳۹
ماندی فرقہ کی تاریخ	۳۳۹
مذہبی کتاب سدرہ ریا	۳۴۱
اس فرقہ کا عقیدہ	۳۴۲
۲۴۔ خانوادۂ نائبین قضاۃ مبارکپور	۳۴۳
اس خانوادہ کی تاریخ	۳۴۴
حضرت شیخ علی شہیدؒ	۳۴۵

مضمون	صفحہ
شہادت کی کیفیت	۳۴۷
شیخ امام بخش بن شیخ علی	۳۴۹
چند سندیں	۳۴۹
ایک حادثہ	۳۵۴
شیخ محمد رضا بن شیخ امام بخشؒ اور ان کی سندیں	۳۵۵
شیخ حسام الدین شاہ بن امام بخش	۳۵۹
شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضا	۳۶۰
اولاد و احفاد	۳۶۱
۲۵۔ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ	۳۶۲
۱۳۴۸ھ میں تاسیس	۳۶۲
اس کا منشور و منشا	۳۶۴
اس کی مطبوعات کا مختصر تعارف	۳۶۵
اپنوں کی ناقدری اور غیروں کی قدردانی	۳۷۱

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

"ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" "عرب و ہند عہدِ رسالت میں" اور "اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" کے بعد قاضی صاحب کی یہ چوتھی تالیف ہے جو "ندوۃ المصنفین" سے شائع ہو رہی ہے، عام رواج کے مطابق کسی مؤلف کے متفرق مضامین کی یک جا اشاعت کا اہتمام اُس وقت کیا جاتا ہے جب وہ تصنیف و تالیف کے دشوار گزار مرحلوں سے گزر کر بحیثیت مصنف شہرتِ عام کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے دیگر خصوصیات کے علاوہ جنابِ مؤلف کی یہ خصوصیت بھی غیر معمولی بلکہ لائقِ رشک ہے کہ ان کے مقالات کا مجموعہ جن کی تحریر کی ابتدا شاید ۱۹۴۹ء سے ہوئی ہے، "ندوۃ المصنفین" جیسے بلند پایہ علمی ادارے سے شائع ہو رہا ہے۔ غالباً یہ ان کے قلم کی برکت اور خلوص کا نتیجہ ہے۔ اس مجموعے کا نام "مآثر و معارف" بھی نہایت ہی موزوں اور دل پذیر ہے، اس میں محترم مؤلف کے پچیس ۲۵ علمی اور دینی مقالات ہیں جو محتاط اور مکمل نظرِ ثانی کے بعد کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر سامنے آ رہے ہیں۔

مقالوں میں ہر مقالہ اپنی خاص نوعیت کے اعتبار سے قیمتی معلومات کا خزانہ ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مواد فراہم ہو جائے۔

میں نے معمول کے مطابق ان مقالات پر سرسری اور اُچٹتی ہوئی نظر ڈالی ہے، زندگی کے روزانہ کے معمولات اور مشاغل کچھ ایسے ہو گئے ہیں کہ نہ تو جم کر کچھ لکھنے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ اطمینان سے کچھ پڑھنے کی، رواروی میں جو کام ہو جائے مغتنم معلوم ہوتا ہے، چنانچہ یہ چند سطور بھی قاضی صاحب کی تعمیلِ حکم اور وضعِ قدیم کو باقی رکھنے کے لیے لکھی گئی ہیں، کہ یہ کتاب بھی میرے مختصر تعارف سے کیوں خالی رہے۔

Marfat.com

ان مضامین کے جستہ جستہ حصّوں کے مطالعے کے بعد قلب نے جو بات محسوس کی وہ یہ ہے کہ ان شاء اللہ اس علمی اور دینی ذخیرے سے اہلِ علم بھی بھرپور نفع اُٹھائیں گے اور عام اصحابِ ذوق بھی، اسی احساس کا اثر ہے کہ یہ مجموعہ اس مشکل وقت میں اس قدر جلد شائع ہو رہا ہے۔

مقالات میں "تدوینِ حدیث کے چار ادوار" "اسلامی تعلیم کا مکی مرکز دارِ ارقم" اور "ہر طبقے اور ہر پیشے میں علم اور علماء" خاص طور پر لائقِ مطالعہ ہیں۔ "تدوینِ حدیث" کے موضوع پر بے شمار مضامین اور ضخیم ضخیم کتابیں شائع ہوئی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں جن کے مقابلہ میں اس چھوٹے سے مقالے کی (نسبت) وہی ہے جو قطرے اور سمندر میں ہوتی ہے لیکن مقالہ نگار نے دریا کو جس کاوش اور سلیقے سے کوزے میں بند کرنے کی سعی کی ہے اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں، جنھوں نے اس مسئلے کی تلاش و جستجو میں بڑی بڑی کتابوں کی خاک چھانی ہے۔

"اسلامی تعلیم کا مکی مرکز دارِ ارقم" مختلف حیثیتوں سے ایک معلوماتی اور دلچسپ تاریخی مقالہ ہے جس کو پڑھ کر اس مقام کی دینی اور تاریخی عظمت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

"ہر طبقے اور ہر پیشے میں علم اور علماء" تو ایسا بصیرت افروز مقالہ ہے کہ مولانا عبد الماجد دریابادی کے فرمانے کے مطابق "اس کو پڑھ کر اچھے اچھے پڑھے لکھوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں"

یہ مقالہ اس لائق ہے کہ صنعت و حرفت کی انقلاب انگیز توسیع و ترقی کے اس دور میں مختلف جدید اور ترقی یافتہ زبانوں میں اس کی زیادہ سے زیادہ اِشاعت ہو۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے علماء کو بھی اس کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے جو علمی مشیخت میں گم ہو کر زندگی کے اس عملی میدان سے بے تعلق ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

ندوۃ المصنفین، اردو بازار دہلی ۶

۳ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۳۱ جنوری ۱۹۷۱ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ونبیّنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین!۔

مقدّمہ

پچیس مقالات کا یہ مجموعہ جو "مآثر ومعارف" کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، اُن دینی، علمی، تاریخی اور تحقیقی مقالات و مضامین کا انتخاب ہے جو بیس سال کی مدت میں ۱۳۶۸ھ سے ۱۳۸۹ھ (۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۹ء) تک لکھے گئے اور ان میں سے اکثر مجلات و رسائل میں شایع ہو کر اربابِ علم و تحقیق اور اہلِ نقد و نظر کی بارگاہ میں مقبول ہوئے۔

یہ مجموعہ زیادہ تر دینی اور علمی مقالات پر مشتمل ہے، ان میں اکثر مضامین پر نظرِ ثانی کر کے ان کو جدید اضافات و معلومات سے مفید تر بنانے کی کوشش کی گئی ہے، ابتداء کے تین مقالے علم حدیث کی تدوین اور علومِ حدیث کی تاریخ سے متعلق ہیں جو علّامہ عبدالعزیز خولی مصریؒ کی تاریخ علوم حدیث کو ماخذ قرار دے کر مرتب کیے گئے ہیں اور بہت سی باتیں حذف کر کے ضروری اضافے کیے گئے ہیں اس طرح یہ مقالات سعیٔ مشترک کا نتیجہ ہیں، اسی طرح استشراق اور مستشرقین اور بعض دیگر مضامین سعیٔ مشترک کا ثمرہ ہیں۔

بعض مقالات پر بعد میں استدراک اور تعاقب شائع ہوئے تھے جن کو بلا کسی تردد اور بغیر کسی تعرض کے مضمون کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے، تاکہ ناقدین و مستدرکین کا نقطۂ نظر بھی معلوم ہو اور تحقیق کا یہ پہلو بھی سامنے رہے، علم و تحقیق میں یہ بات بہت اچھی ہے، اس مجموعہ میں احادیث

رسولِ اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے علوم و فنون کے بارے میں کافی معلومات ہیں جو انشاء اللہ مفید ثابت ہوں گی۔ دوسرے مقالات و مضامین بھی علم و فن ہی سے متعلق ہیں، شاید دو ایک ایسے مضامین ہوں جو اس دائرہ سے باہر ہوں۔

میرے ان ہی مضامین و مقالات میں سے اسلامی ہند سے متعلق آٹھ مقالات کا ایک مجموعہ" اسلامی ہند کی عظمتِ رفتہ" کے نام سے گزشتہ سال ندوۃ المصنفین دہلی سے شایع ہو چکا ہے۔ پیش نظر مجموعۂ مقالات کے بارے میں جب میں نے حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو لکھا تو آپ نے بڑے انشراح و انبساط سے اس کی اشاعت کا فوری انتظام فرمایا، اور ساتھ ہی ہمت افزائی اور قدردانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا: " اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں برکت عطا فرمائی ہے اور خلوص بھی"۔ مولانا کی اس ہمت افزائی اور قدردانی کا نتیجہ ہے کہ میری یہ چوتھی کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے اعلیٰ معیار پر شایع ہو رہی ہے۔

وَاللّٰهُ یُوَفِّقُنَا لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔

قاضی اطہر مبارکپوری

بمبئی ۱۰ر محرم ۱۳۹۰ھ

۱۹ر مارچ ۱۹۷۰ء

Marfat.com

(۱)

تدوین حدیث کے چار ادوار

پہلا دور

صحابہؓ اور اکابر تابعینؒ کا عہد

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دورِ حیات خیر القرون تھا اور آپ جب تک دنیا میں رہے، اسلام کے چلتے پھرتے مدرسہ رہے، پھر بھی آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے مختلف حلقے بنا دیئے تھے جو عموماً محلوں کی مسجدوں میں قائم ہوتے تھے، اور ان میں کتاب وسنّت کی تعلیم ہوتی تھی، اس زمانے میں احادیثِ رسولؐ کی خدمت اس نوعیت سے ہوتی تھی کہ ایک صحابی دوسرے صحابی سے قرآنِ حکیم کے ساتھ آپ کے اقوال و احوال کو بھی معلوم کرتے تھے، اور ان کو سینوں میں محفوظ کر لیتے تھے، آپؐ کے مقدس دور کے بعد صحابہ اور تابعین کا دور آیا، اور اس میں بھی عام طور سے یہی طریقہ رائج رہا کہ احادیث کو سینوں میں اور قرآن کو صحیفوں میں محفوظ کیا جاتا تھا، مگر عہدِ رسالت اور اس کے بعد کچھ نہ کچھ احادیث کا سرمایہ جمع ہو گیا تھا۔ عہدِ رسالت میں احادیث کے جمع وتدوین کے بارے میں صحابہ کے دو گروہ تھے، ایک وہ حضرات جو صرف قرآن کو لکھنا ضروری سمجھتے تھے، ان کی رائے میں احادیث کو لکھنا قرآن وحدیث میں اشتباہ کا سبب بن سکتا تھا، نیز یہ خطرہ تھا کہ احادیث کے مقابلے میں قرآن سے بے اعتنائی ہو جائے گی، کیونکہ ان کے سامنے یہود و نصاریٰ کے دو گروہ موجود تھے، جنہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال و ملفوظات اور ان کی داستانوں میں پڑ کر تورات اور انجیل کو پسِ پشت ڈال دیا تھا اور فروعی باتوں کو اصولِ

آثار و معارف

Marfat.com

دین قرار دے چکے تھے، نیز ابتدا میں اسی خطرے کے پیش نظر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ قرآن کے علاوہ میری کسی بات کو نہ لکھا جائے، مگر بعد میں جب لوگ قرآن وحدیث کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے لگے تو آپؐ نے صحابہؓ کی خواہش پر احادیث لکھنے کی اجازت دیدی اور جن صحابہ کو اس بارے میں اپنے اوپر اعتماد ہوتا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح احادیث کی کتابت کا معاملہ انفرادی رہا اور عام صحابہ اس کے مکلف نہیں تھے، بلکہ عام طور سے لوگ قرآن وحدیث میں بعد میں اشتباہ کے خیال سے احادیث نہیں لکھتے تھے۔

عہدِ رسالت کے چند تحریری سرمائے

اس طرح عہدِ رسالت میں انفرادی طور پر احادیث کی کتابت کا رواج ہوگیا تھا اور صحابہ اپنے طور پر ان کو جمع کرنے لگے تھے، بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے علاوہ کسی کے پاس مجھ سے زیادہ نہیں تھیں، وجہ یہ تھی کہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے، اور میں زبانی یاد کرلیا کرتا تھا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتابتِ حدیث کی اجازت لے لی تھی، خود عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ میں جس قدر احادیث سن لیتا تھا ان کو لکھ لیا کرتا تھا، ایک مرتبہ اہلِ قریش نے مجھے یہ کہکر روکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں، بہت سی باتیں غصے میں کہہ دیتے ہوں گے، اس لیے تم حدیثیں نہ لکھو، میں ان کے اس کہنے پر رک گیا، مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا تم ان کو لکھ لیا کرو۔ اِس زبان سے کسی حالت میں ناحق بات نہیں نکل سکتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تیار ہوگیا جس کا نام انھوں نے "الصادقہ" رکھا تھا۔ دیگر صحابہ بھی احادیث کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ نحن حول رسول اللہ نکتب یعنی ہم لوگ

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ متعدد صحابہ آپ سے حدیثیں لکھا کرتے تھے، حضرت رافع بن خدیج رضؓ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر اجازت ہو تو ہم آپ کی حدیث لکھ لیا کریں، آپ نے فرمایا، کوئی مضائقہ نہیں ہے، ایک انصاری صحابی نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مجھ کو حدیث یاد نہیں رہتی، آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو۔ عہدِ رسالت میں احادیث کے یہ انفرادی مجموعے اور دربارِ نبوی کے احکام و فرامین جو باہر روانہ کیے جاتے تھے، تدوین حدیث کے نقشِ اوّل تھے، اور ان کی بنیادوں پر بعد کے ادوار میں کام ہوا۔

الصادقہ یہاں ہم عہدِ رسالت کے چند تحریری مدونات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کو تدوین حدیث کی بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ الصادقہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جنہیں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر جمع کیا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے صرف امثال ایک ہزار کی تعداد میں سُنے ہیں، اس قول سے الصادقہ کے حجم و ضخامت کا اندازہ ہو سکتا ہے، عبداللہ بن عمرو رضؓ اس مجموعۂ احادیث کو اپنی زندگی کی متاعِ عزیز سمجھتے تھے، ان کا قول ہے کہ ما یرغبنی فی الحیاۃ الا الصادقۃ یعنی یہی کتاب الصادقہ مجھے زندگی کا لطف دے رہی ہے۔ ان کو کسی حال میں اس کی مفارقت گوارا نہ تھی، اور اس پر بہت ناز تھا، فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ فاما الصادقۃ فصحیفۃ کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی صادقہ کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر لکھا ہے، کتبِ احادیث میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے جو حدیث آتی ہے وہ اسی مجموعہ الصادقہ کی ہوتی ہے۔

کتاب عمرو بن حزم رسول اللہ علیہ وسلم نے فرائض و سنن اور دیت کے مسائل پر مشتمل ایک تحریر لکھوا کر عمرو بن حزم صحابی رضؓ کے ساتھ اہل یمن کے پاس بھیجی تھی، اس نوشتہ کے جستہ جستہ ٹکڑے احادیث و سیر کی کتابوں میں ملتے ہیں، مستدرک حاکم میں اس

کتاب کی ۶۳ حدیثیں منقول ہیں، اس کے علاوہ ایک نوشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن کے نام روانہ فرمایا تھا جس کی حدیثیں مصنف ابن ابی شیبہؒ میں امام شعبیؒ سے مروی ہیں۔

کتاب الصدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاتِ طیبہ کے آخر میں باہر کے عاملوں کے لیے ایک مجموعہ کتاب الصدقہ کے عنوان سے مرتب کرایا تھا، جس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احادیث درج تھیں، لیکن اس کی روانگی سے پہلے ہی آپ کا وصال ہوگیا اور حضرت ابوبکرؓ کے دورِ خلافت میں اس پر عمل درآمد ہوا۔

صحیفۂ علیؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں دیت و قصاص اور قیدیوں کی رہائی کے مسائل درج تھے، نیز اس میں مختلف احکام کی احادیث تھیں جو کتبِ احادیث میں مناسب مقام پر موجود ہیں۔

خطبۂ فتح مکہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا تھا، جب آپ خطبہ سے فارغ ہوئے تو ایک صحابی ابوشاہ یمنی نے اُٹھ کر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھے لکھ کر عنایت ہو، چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اکتبوا لابی شاہ یعنی یہ خطبہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔ یہ خطبہ بھی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔

احادیث کے ان تحریری سرمایوں کے علاوہ احادیث وسیر اور تاریخ کی کتابوں میں بہت سے ایسے تحریری احکام و فرامین کا تذکرہ پایا جاتا ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل اور عمال کے پاس روانہ فرمایا تھا، یہ تحریریں اُن کے پاس محفوظ رہیں، اور بعد میں جب احادیث کی باقاعدہ تدوین کا دور آیا تو ان کی حدیثیں مدونات میں داخل کرلی گئیں۔

عہدِ صحابہ میں احادیث کا تحریری سرمایہ صحابہ کرام میں سے جو حضرات عہدِ رسالت میں احادیث کو قلمبند کیا کرتے تھے ان کے پاس ان کی احادیث کا تحریری مجموعہ اور صحیفہ موجود تھا اور ان کے تلامذہ ان صحائف سے روایت کرتے تھے، ہر صحابی کا مجموعہ روایات الگ ہوتا تھا اور ان کے شاگرد بھی اس کو الگ ہی لکھتے تھے، اور ایسے صحیفوں کو بڑی حفاظت

Marfat.com

سے رکھتے تھے۔

صحیفۂ ابوبکرؓ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پانچ سو احادیث کا ایک مجموعہ تھا مگر اسے یہ کہکر ضایع کر دیا کہ اس کی تمام حدیثیں میں نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی ہیں، بلکہ اس میں دوسروں کی روایت کردہ احادیث بھی ہیں، ممکن ہے کہ راوی نے بیان کرنے میں غلطی کی ہو، اور میں نے اسے صحیح سمجھ کر اس صحیفہ میں رکھدیا ہو۔

صحف عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (م ۶۸ھ) کے پاس احادیث کے چند صحیفے تھے، جس زمانہ میں آپ کی بینائی کمزور ہو گئی تھی طائف سے کچھ لوگ آئے اور ان صحیفوں کو آپ کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آپ ہمیں ان کی احادیث کو سنا دیں، آپ نے فرمایا، کہ تم لوگ خود ہی ان کو پڑھ کر مجھے سنا دو، تمہارا سنانا اور میرا پڑھنا دونوں ہی روایت میں برابر ہیں۔

سعید بن جبیرؒ کی کتابیں

مشہور تابعی حضرت سعید بن جُبیرؒ کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ) سے احادیث سنتا تھا اور ان کو لکھ لیا کرتا تھا نیز سعید بن جبیرؒ حضرت عبداللہ بن عباس سے حدیثیں لکھا کرتے تھے، جب کاغذ بھر جاتا تھا تو کسی تو کسی دوسری چیز پر لکھ لیا کرتے تھے۔

مجموعۂ ابو بُردہ اشعریؒ

حضرت ابو بُردہ اشعریؒ کے پاس ایک مجموعۂ احادیث تھا جسے انھوں نے اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے سن کر مرتب کیا تھا، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس مجموعہ کو منگا کر پڑھوایا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے، پھر بھی ممکن ہے کہ اس میں کچھ کمی بیشی ہو گئی ہو۔

الصادقہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا مجموعۂ احادیث الصادقہ عہدِ رسالت میں مرتب کیا گیا تھا مگر یہ دوسری صدی تک ان کے خاندان میں موجود رہا اور بعد میں اس کی احادیث کو خاندان والوں نے روایت کیا، عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

Marfat.com

سند والی احادیث اسی الصادقہ کی ہیں۔

دیگر صحائف

اسی طرح دوسرے کئی صحابہ کے پاس ان کے مجموعے تھے جن سے ان کے تلامذہ روا[یت] کرتے تھے، یا ان کی روایات کو تلامذہ مدوّن کر لیتے تھے، چنانچہ مشہور تابعی ابان [کا] قاعدہ تھا کہ حضرت انس رضؓ کے پاس بیٹھ کر سا گوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے، عبداللہ بن [محمد] بن عقیلؒ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت جابر رضؓ (م ۷۸ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی [اللہ] علیہ وسلم کی احادیث حاصل کرتے اور ان کو لکھ لیا کرتے تھے، عبداللہ بن حنشؒ کا بیان ہے کہ م[یں نے] حضرت براء رضؓ (م ۷۲ھ) کی مجلس میں لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی اپنی ہتھیلیوں پر احادیث لکھتے

کبار تابعین کے عہد میں تدوین حدیث

عہدِ صحابہ رضؓ کے بعد جس قدر ضرورت بڑھتی گئی احا[دیث] نبویہ کی تدوین و کتابت میں اضافہ ہوتا گیا، ہر تا[بعی] عالم کے پاس اپنے صحابی استاد کی روایات و مرویات کا مجموعہ موجود رہتا تھا بلکہ بعض تابعین کے پاس متعدد مجموعے تھے، ان کے یہ مجموعے وفات نبوی کے سو سال کے اندر اندر کے ہیں اور کچھ اس کے بعد کے بھی ہیں۔ سالم بن ابی جعد (م ۱۰۱ھ) حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ امام زہریؒ (م ۱۲۴ھ) اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لیے رہتے تھے اور اپنے اساتذہ و شیوخ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیا کر[تے] تھے، عطاء بن ابی رباح (م ۱۱۴ھ) سے لوگ علمی سوالات کرتے اور ان کے جوابات ان کے سام[نے] ہی لکھ لیتے تھے۔ نافع مولی ابن عمر (م ۱۱۷ھ) احادیث بولتے جاتے اور لوگ لکھتے جاتے تھے، اما[م] حسن بصری (م ۱۱۰ھ) کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ آپ کی روایت کردہ احادیث لکھی ہوئی ہیں، کیا آپ مجھے ان کی روایت کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ نے کہا ہاں اجازت ہے، ہشا[م] بن عروہؒ (م ۱۴۶ھ) کی خدمت میں ابن جریجؒ ایک کتاب لے کر پہنچے اور کہا کہ یہ آپ کی مرویا[ت] ہیں، کیا میں ان کو دوسروں سے بیان کروں؟ ہشام نے کہا کہ ہاں اجازت ہے، ابو قلاب[ہ] (م ۱۰۴ھ) نے انتقال کے وقت اپنی کتابوں کے بارے میں ایوب سختیانیؒ کو وصیت کی چنانچہ ابو قلابہ کی کتابیں ملک شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں اور بارہ چودہ درہم ان کا کرا[یہ]

Marfat.com

کیا گیا، الغرض کبار تابعین کے دور میں احادیث کی بہت سی کتابیں مرتب ہو چکی تھیں نگران کی حیثیت ذاتی یادداشت کی تھی، امام زہری کی حدیثوں کے دفاتر اونٹوں پر لادے جاتے تھے، امام حسن بصری، ہشام بن عروہ، رجاء بن حیوۃ وغیرہ کی احادیث کے مدونات موجود تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کا ایک مجموعہ ان کے تلمیذ ہمام بن منبہ نے ۵۸ھ میں مرتب کیا تھا جو چند سال ہوئے صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے شایع ہو چکا ہے، اس صحیفہ کی اکثر احادیث صحیح مسلم میں موجود ہیں، عمرہ بنت عبدالرحمن انصاریہؒ (م ۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ (م ۱۲۰ھ) کے پاس بھی احادیث کے تحریری ذخیرے موجود تھے، جن کو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے قاضی مدینہ ابوبکر بن محمد بن حزمؒ نے حاصل کر لیا تھا۔

روایات میں شدتِ احتیاط اور حفظ و مذاکرہ حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہ کو عقل سلیم اور طبع مستقیم کے ساتھ حفظِ قویم عطا فرمایا تھا اور ان صفاتِ عالیہ کی وجہ سے انھوں نے احادیثِ رسولؐ کے حفظ و روایت اور کتابت و تدوین میں شدت احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس امانت کو من و عن ہم تک پہنچایا، جس کی بدولت ہم دنیا کی تمام اگلی پچھلی امتوں میں اپنے دینی آثار و روایات میں بے مثل و بے نظیر ہیں، اور کوئی قوم ہماری ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی،

صحابہ اور تابعین کتاب و سنت کے مخاطب اول تھے،، ان دونوں کے حامل و عالم تھے۔ ان کے اوامر و نواہی پر پورے طور سے کاربند تھے۔ ساتھ ہی ان کو یہ بھی خیال تھا علم دین کا چھپانا بہت بڑا گناہ ہے، اور ان کے شاہد کو تاکید ہے کہ غائب تک اسے پہنچا دے، ان کو جہاں کسی سے حدیث ملی فوراً اسے حاصل کر کے محفوظ کیا، اس پر عامل ہوئے، اور دوسروں تک پہنچایا اس صورتِ حال کی وجہ سے عوام میں احادیث کا چرچا تھا، اور اس وقت کا ہر عالم تقریباً ہر حدیث سے واقف رہتا تھا، اگر ایک بھول جاتا تھا تو دوسرا یاد کرا دیتا تھا، ذیل کے بیان سے معلوم ہوگا کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام احادیث کی روایت و تحقیق میں کس قدر شدت اور احتیاط سے کام لیتے تھے۔

Marfat.com

صحابہ کرام کی تحدیث میں شدتِ احتیاط

حضرت ابوبکرؓ کی حدیث میں شدتِ احتیاط کے متعلق یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ جدّہ کی میراث کے بارے میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جدہ کو سُدُس حصہ دیا کرتے تھے، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اس حدیث پر کوئی دوسرا شخص تمہارا ہمنوا ہے؟ جب حضرت محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی شہادت دی تو آپ نے جدّہ کو سُدُس میراث دینے کا حکم فرمایا، حضرت عمر بن خطاب نے حدیث کی روایت میں تثبیت و تحقیق کو بڑی سختی سے رواج دیا، ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کو دروازے کے باہر سے تین بار سلام کیا مگر جب اندر آنے کی اجازت نہیں ملی تو ابو موسیٰؓ واپس چلے گئے، جب حضرت عمرؓ کو اس کی خبر لگی تو ان کو واپس بلایا اور کہا کہ آپ کیوں واپس چلے گئے؟ ابو موسیٰؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم اپنے بھائی کو تین مرتبہ سلام کرو، اور وہ جواب نہ دے سکے تو واپس چلے آؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس حدیث پر گواہ لاؤ ورنہ میں تمہارے ساتھ سختی سے پیش آؤں گا، راوی کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ابو موسیٰ ڈرتے کانپتے ہمارے پاس آئے اور واقعہ بیان کر کے پوچھا کہ یہ حدیث آپ لوگوں میں سے کوئی جانتا ہے، ہم نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہم سب جانتے ہیں اور ایک شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیجکر اس کی تصدیق کرادی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ اگر ہم لوگ حضرت عمرؓ کے زمانے میں یوں بے دھڑک احادیث بیان کرتے تو وہ ہم پر دُرّے اٹھاتے حضرت علیؓ کا اصول تھا کہ جب کوئی شخص ان کے سامنے حدیث بیان کرتا تو اس سے قسم لے کر تصدیق کراتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حدیث کی روایت کے بارے میں بڑا تشدد تھا، اور اس معاملہ میں وہ بے حد محتاط تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے شاگردوں کو تاکید کیا کرتے تھے کہ تم لوگ حدیث بیان کرنے سے پہلے خود تین مرتبہ دُہرا لیا کرو، حضرت زید بن ارقمؓ بڑھاپے میں حدیث بیان نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہم لوگ بوڑھے ہو گئے ہیں اور احادیث بیان کرنا بڑا مشکل اور ذمہ داری کا کام ہے حضرات صحابہ کی حدیث میں شدت حزم و احتیاط کے سیکڑوں واقعات طبقات و رجال کی کتابوں میں بھرے پڑے ہیں،

Marfat.com

تابعینِ عظام کی تحدیث میں شدّتِ احتیاط

تابعینِ عظام میں شدتِ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ حدیث کے الفاظ میں زیر وزبر اور نقطے شوشے کا بھی فرق جائز نہیں سمجھتے تھے، جو حدیث جس طرح اپنے اساتذہ و مشائخ سے سنتے تھے، بعینہ اسی طرح روایت کرتے تھے محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوۃ کا یہی مسلک تھا، ایسے لوگوں سے حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے جو خود حدیث کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، کیونکہ اس صورت میں فتنہ کا احتمال تھا، ابوقلابہ کا قول ہے کہ تم ایسے شخص سے حدیث نہ بیان کرو۔ جسے تم نہیں جانتے ہو اور وہ تمہارے نزدیک مجہول الحال ہے۔ عبیدہ بن عمر سلمانی بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، سعید بن مسیب ایک ایک حدیث کی تحقیق و جستجو میں کئی کئی دن کا سفر کیا کرتے تھے،

الغرض تدوینِ حدیث سے پہلے کا دور جو پہلی صدی کے خاتمہ تک ہے، اس میں احادیث کے باب میں نہایت احتیاط اور بہت ہی تحقیق و تلاش سے کام لیا جاتا تھا اگر اس دور میں شدت اور حزم و احتیاط کا طریقہ اختیار نہ کیا گیا ہوتا تو آج ہم مسلمانوں کے پاس علمِ حدیث کا وہ صاف ستھرا عظیم الشان ذخیرہ نہ ہوتا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور مرضیات اس طرح موجود ہیں جیسے آپ ہمارے سامنے ہیں۔

عہدِ صحابہ و تابعین میں حفظِ حدیث

صحابہ کرام میں احادیث رسول ؐ کے زبانی یاد کرنے کا عام رواج تھا، اور وہ اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے، اور اپنے تلامذہ کو اس کی تاکید کرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ فرمایا کرتے تھے کہ حدیثوں کا آپس میں زبانی دور کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارے قابو سے باہر ہو جائیں، نیز فرماتے تھے کہ حدیث کو دہرایا کرو اور اسے یاد کیا کرو، ورنہ جاتی رہیں گی، حضرت ابو سعید خدری رضؓ بھی مذاکرہ حدیث کی تاکید فرمایا کرتے تھے بلکہ اگر تلامذہ احادیث لکھوانے کی تمنا کرتے تو یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر زبانی یاد کیا ہے، تم لوگ بھی زبانی یاد کرو، حضرت علی رضؓ اپنے تلامذہ سے فرماتے تھے کہ تم لوگ حدیثوں کا باہم مذاکرہ کیا کرو، اس سے غفلت کرو گے تو احادیث

Marfat.com

مٹ جائیں گی، احادیث کے حاصل کرنے والے تلامذہ اپنے اساتذہ کی ان باتوں کا پورا پورا خیال رکھتے چنانچہ عطار بن ابی رباح کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت جابرؓ سے حدیثوں کو سن کر آتے تو آپس میں ان کا مذاکرہ کیا کرتے تھے ہماری جماعت میں ابوزبیر کا حافظہ بہت اچھا تھا، ان کو سب سے زیادہ احادیث بہت جلد یاد ہوجاتی تھیں، ابن بریدہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ کر حدیث کا زبانی دور کیا کرتے تھے، ابن شہاب زہری عشار کے بعد سے صبح تک احادیث کا مذاکرہ کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ میں درس دیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں سے دریافت کرتے تھے کہ تم لوگ کسی جگہ باہم مل کر حدیث کا مذاکرہ کرتے ہو یا نہیں؟ تو تلامذہ جواب دیتے تھے کہ ہماری جماعت کا کوئی فرد مذاکرہ سے غیر حاضر نہیں ہوتا اور کوفہ کے تمام طلبہ خواہ وہ کسی حصۂ شہر میں رہتے ہوں سب ایک مقام پر جمع ہوجاتے ہیں صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ کا دور آیا تو انھوں نے صحابہ کے نقش قدم پر چل کر حفظِ حدیث اور مذاکرہ کا پورا اہتمام کیا، چنانچہ حارث بن یزید عکلی قعقاع بن یزید اور فضیل عشا کی نماز پڑھ کر مذاکرۂ حدیث کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور صبح کو اٹھتے تھے، یونس کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حسن بصری کے یہاں سے سبق پڑھ کر آتے تھے تو مذاکرہ کے لیے بیٹھ جاتے تھے اسمعیل بن ــ کا دستور تھا کہ جب کوئی ہم جماعت نہیں ملتا تھا تو مکتب کے طلبہ کو جمع کرکے حدیثیں بیان کرتے تاکہ مشق و مذاکرہ میں ناغہ نہ ہو۔

صحابہ اور تابعین کی قوت حافظہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ایک حرف بھی نہیں بھولا تھا حضرت قتادہ کی نسبت امام احمد کا قول ہے کہ قتادہ جو کچھ سن لیتے ہیں ان کو یاد ہوجاتا ہے، ایک دفعہ ان کے سامنے حضرت جابرؓ کی مرویات واحادیث کا مجموعہ پڑھا گیا اور ان کو بالکل یاد ہوگیا خود حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ میں نے کبھی اپنے استاد سے حدیث دہرانے کی تمنا نہ کی، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں آئی ہو اور دل میں نہ بیٹھ گئی ہو، امام شعبیؒ کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ میں غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

Marfat.com

ہمراہ رہتا تھا مگر شعبی کو غزوات کے واقعات مجھ سے زیادہ ازبر ہیں، خود شعبی کا بیان ہے کہ میں نے اپنے حافظہ پر اعتماد کی وجہ سے کوئی چیز نہیں لکھی اور نہ ہی استاد سے حدیث دُہرانے کی خواہش کی باوجودیکہ مجھے اشعار بہت کم یاد ہیں لیکن ان کو سُنانا شروع کردوں تو ایک مہینہ تک زبانی سنا سکتا ہوں، امام مکحول شامیؒ کا بیان ہے میں نے جو بات اپنے سینے میں رکھ لی، جب چاہا اسے موجود پایا، امام زہریؒ کا بیان ہے کہ میں نے جو علم اپنے سینے میں رکھ لیا اسے فراموش نہیں کیا۔ ایک مرتبہ امام زہری نے ایک شخص کو چار سو حدیثیں لکھوائیں، ایک ماہ کے بعد اس نے آکر کہا کہ چار سو احادیث کا وہ مجموعہ گم ہو گیا، امام زہری نے پھر اُسے زبانی لکھوا دیا، اور دونوں مجموعوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں تھا۔ امام زہری نے صرف اسّی راتوں میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا، اور اسی طرح ابو وائل شقیق بن سلمہؒ نے صرف دو ماہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔

یہی حضرات احادیثِ رسولؐ کے حاملینِ اولین ہیں جنہوں نے اپنی اپنی احادیث کو اپنے تلامذہ تک پہنچایا اور انھوں نے ان کو قلم بند کر لیا قوتِ حافظہ کا یہ حال، روایت میں شدتِ احتیاط اور پھر اللہ و رسولؐ کے دین کے لیے نصیحت و خیر خواہی کا جذبہ، ان سب چیزوں کی وجہ سے احادیث کی تدوین و تالیف میں بڑی ذمّہ داری برتی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک قول و عمل پورے ثبوت کے ساتھ ہم تک پہنچا۔

دُوسرا دَور

تدوینِ حدیث کی ابتداء

ایک طرف آفتابِ اسلام کی کرنیں حدودِ عرب سے نکل کر کائنات کے در و دیوار سے ٹکرائیں اور اسلامی علوم و معارف اور ان کے رجال مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام، اور مصر وغیرہ سے باہر نکل کر ایشیا، افریقہ اور حدود یورپ میں داخل ہوئے اور دوسری طرف صحابہ کرام جو

Marfat.com

درحقیقت اسلام کے چلتے پھرتے مدرسے، اور اسلامی تعلیمات کی جیتی جاگتی تصویر تھے، دنیا سے اٹھنے لگے اور شمعِ رسالت سے براہ راست کسبِ نور کرنے والے پروانوں کی کمی ہونے لگی تو ضرورت محسوس کی گئی کہ اسلام کے اصول و فروع اور اس کے تشریعی احکام اور تشریحی تعلیمات یعنی احادیث وسنن کو باقاعدہ مدون و منضبط کیا جائے، اور ان کی جگہ سینوں کے بجائے سفینوں میں بنائی جائے۔ یوں تو بعض بعض صحابہ اور تابعین نے انفرادی طور پر احادیث وسنن کے جمع و ترتیب کا کام پہلے سے جاری کر رکھا تھا اور جیسا کہ معلوم ہوا عہدِ صحابہ اور عہدِ رسالت میں احادیث کے متعدد صحیفے اور مجموعے موجود تھے مگر خلافت کی طرف سے احادیث وسنن کے باقاعدہ مدوّن و مرتب کرنے کا احساس سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (م ۱۰۱ھ) کو ہوا۔

آپ نے پہلی صدی کے خاتمے پر مدینہ منورہ کے عامل و قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ کے نام یہ خط تحریر فرمایا کہ حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم اور علماء کا زمانہ ختم ہونیوالا ہے، مجھے ڈر ہے کہ رفتہ رفتہ علمِ دین ختم نہ ہو جائے، لہٰذا تم پتہ لگاؤ جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ملیں انھیں لکھ لو، نیز آپ نے ابوبکر بن حزم کو وصیت کی کہ عمرۃ بنت عبدالرحمٰن انصاریہؒ (۹۸ھ) اور قاسم بن محمد بن ابوبکرؒ (۱۲۰ھ) کے پاس جو ذخیرۂ حدیث ہے اسے بھی لکھ لو۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلافتِ اسلامیہ کے تمام عمال و قضاۃ کو جمع احادیث کے سلسلے میں تاکیدی خطوط لکھے، اور حجاز و شام کے امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن شہاب زہری مدنی (۱۲۴ھ) کے نام بھی اسی مضمون کا خط لکھا اس کے نتیجہ میں ہر ملک کے امیروں اور قاضیوں نے اپنے اپنے حلقہ سے تلاش و جستجو کے بعد احادیث کے مجموعے تیار کیے اور ان کو دربارِ خلافت میں پیش کیا، باقاعدہ تدوینِ حدیث کی یہ تحریک خلافت کی طرف سے پہلی صدی کی آخری دہائی کے آخر میں ہوئی اور دوسری صدی کے ربع اوّل میں اس کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا حتیٰ کہ ۱۲۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان میں عالم اسلام کے درمیان تمام مرکزی شہروں میں احادیث کے مجموعے مدوّن و مرتب

Marfat.com

ہو گئے اور یہ کام علمائے امت کے اس طبقہ میں شروع ہوا تھا جو امام زہریؒ وغیرہ کے بعد تھا دوسری صدی کے وسط تک ان مقامات پر ان ائمہ نے تدوین حدیث کی ابتدا کی۔

(۱) مکہ مکرمہ میں ابن جریجؒ ۱۵۰ھ (۲) مدینہ منورہ میں ابن اسحٰق ۱۵۱ھ یا امام مالکؒ ۱۷۹ھ (۳) بصرہ میں ربیع بن صبیح بصریؒ ۱۶۰ھ (آپ ہندوستان میں فوت ہوئے) یا سعید بن ابی عروبہ ۱۵۶ھ یا حماد بن سلمہ ۱۶۷ھ (۴) کوفہ میں سفیان ثوری ۱۶۱ھ (۵) شام میں امام اوزاعی ۱۵۶ھ (۶) واسط میں ہشیم ۱۸۸ھ (۷) یمن میں معمر ۱۵۳ھ (۸) رے میں جریر بن عبدالحمید ۱۸۸ھ (۹) خراسان میں عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ۔

اس دور کی خصوصیت اور مشہور کتابیں

یہ تمام حضرات دوسری صدی کے وسط میں موجود تھے، جیسا کہ ان کے سنینِ وفیات سے معلوم ہوتا ہے اور اسی دور میں انھوں نے اپنی اپنی کتابیں لکھیں، اس دور کی تصنیفات کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں صرف احادیثِ رسول ہی پر اکتفار نہیں کیا گیا بلکہ ان کے ساتھ صحابہ کرام کے اقوال اور تابعینِ عظام کے فتاویٰ بھی درج کیے گئے اس طرح گویا ہر امام کی کتاب اس کے فقہی مسلک کی آئینہ دار تھی، دوسری صدی کی مدوّنات میں مشہور کتابیں یہ ہیں (۱) موطا امام مالک ۱۷۹ھ (۲) مصنّف شعبہ بن حجاج ۱۶۰ھ (۳) مصنف لیث بن سعد مصری ۱۷۵ھ (۴) مصنف سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ (۵) مسند امام شافعی ۲۰۴ھ (۶) مختلف الحدیث امام شافعی، (۷) مصنّف عبدالرزاق بن ہشام صنعانی ۲۱۱ھ (۸) کتاب الآثار امام محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ (۹) کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ امام محمد (۱۰) کتاب الآثار امام ابو یوسف ۱۸۲ھ، ان کتابوں کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہیں جو اس دور کے ائمہ سنن اور حفّاظِ احادیث نے تحریر فرمائیں۔

Marfat.com

تیسرا دور

حدیث کی مستقل تدوین

تیسری صدی جملہ اسلامی علوم کے شباب کا دور ہے، اندلس سے حدودِ ہند تک ہر شہر و قریہ علماء و فقہاء، محدثین، مفسرین اور ارباب دین و دیانت سے آباد تھا اور اسلامی علوم و فنون کے جمع و تدوین اور اشاعت کا سلسلہ جاری تھا، بڑے بڑے نقاد حدیث، ائمہ فن اور مقتدر مصنفین بکثرت موجود تھے، حقیقت یہ ہے کہ تیسری صدی کے خاتمہ تک علمائے اسلام نے جس موضوع پر جو کچھ لکھدیا وہی بعد میں آنے والے علماء و مصنفین کا سرمایۂ علم و فن ٹھہرا یہ ضرور ہوا کہ بعد میں تہذیب و تنقیح اور تحقیق کے الگ الگ شعبے قائم ہوئے اور اجمال کی تفصیل کی گئی مگر ان سرگرمیوں کا محور تیسری صدی کی یہی تصنیفات تھیں۔

اس دور کی تدوینی خصوصیت

تیسری صدی کی ابتدا میں رواۃ حدیث و محدثین نے احادیث کی تدوین کے سلسلے میں ایک نئی راہ اختیار کی، اس سے پہلے احادیثِ رسول کے ساتھ اقوالِ صحابہ اور فتاوی تابعین بھی مدون ہوا کرتے تھے، اور ہر کتاب گویا مصنف کے مختار مسلک کی ترجمانی کرتی تھی، لیکن تیسری صدی میں حدیث میں تہذیب و تنقیح سے کام لیتے ہوئے صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتاوے کتبِ احادیث سے علیحدہ کردیئے گئے اور صرف احادیثِ رسول کی تدوین کا رواج ہوا۔

صحاح اور غیر صحاح کی تدوین

تدوین حدیث میں اس نقطۂ نظر کے بعد پھر محدثین و مؤلفین کے مختلف گروہ ہوگئے، بعض ائمہ نے اپنے مصنف میں ہر قسم کی احادیث جمع کیں، اور اس سے بالکل تعرض نہیں کیا وہ صحیح و سقیم ہیں، بعضوں نے یہ التزام کیا کہ صرف صحیح احادیث کو جمع کیا جائے اس دوسرے گروہ کے سرخیل امام المحدثین، امیر المومنین

Marfat.com

فی الحدیث محمد بن اسمٰعیل بخاری (۲۵۶ھ) ہیں، آپ نے اپنی مشہور کتاب میں وہی حدیثیں لکھی ہیں جو آپ کی تحقیق میں صحیح ہیں۔

امام بخاری سے پہلے اگرچہ احادیث رسول کو اقوال صحابہ اور فتاوے تابعین سے جدا کرنے کا رواج ہوگیا تھا لیکن صحیح وسقیم احادیث کے جمع کرنے میں تمیز نہیں تھی اور اس دور میں ہر قسم کی حدیثوں کو محدثین نے جمع کردیا تھا، اس لیے یہ بہت مشکل تھا کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کا قطعی فیصلہ کسی کتاب سے کیا جاسکے، بلکہ بحث وتمحیص اور کدوکاوش کے بعد کوئی رائے قائم کی جاسکتی تھی، ان کتابوں کا پڑھنے والا حدیث کے ذوق سے خالی ہوتا تو احادیث اس کے نزدیک مجہول رہتی تھیں اور وہ اپنی مرویات کے بارے میں خود کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا تھا، مگر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب لکھ کر بڑی حدتک اس کمی کو پورا کردیا اور ان کی کتاب کے ہر پڑھنے والے کے لیے آسان ہوگیا کہ صحیح حدیث کے متعلق قطعی رائے قائم کرے، امام بخاری کے بعد ان کے شاگرد امام مسلم بن حجاج قشیری (۲۶۱ھ) نے بھی وہی طریقہ اختیار فرمایا اور صحیح مسلم لکھی، ان دونوں حضرات کے بعد بہت سے علمائے حدیث نے ان کا اتباع کیا اور اپنی اپنی "صحیح" لکھی۔

احادیث کی تدوین فقہی ابواب پر حدیث کی اس انفرادی تدوین کے سلسلے میں علماء نے عموماً دو طریقے اختیار کیے ہیں، ایک احادیث کی تدوین ابواب پر، اس کا مطلب یہ ہے کہ احادیث کی ترتیب فقہی ابواب وفصول پر رکھی جائے، اور ہر باب میں وہی حدیثیں لائی جائیں جو اس سے متعلق ہیں، مثلاً نماز سے متعلق حدیثیں کتاب الصلوٰۃ کے تحت بیان کی جائیں، اور روزہ سے متعلق جو احادیث ہیں ان کو کتاب الصوم میں رکھا جائے پھر اس میں بعض حضرات نے صرف صحاح کا التزام کیا جیسے امام بخاری اور امام مسلم ہیں، اور بعض ائمہ نے صحیح احادیث ہی پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ان کے علاوہ دوسری احادیث کو درج کیا جیسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ نے کیا ہے۔

مسانید کی تدوین دوسرا طریقہ مسانید کی تدوین تھا، یعنی مصنف ہر صحابی کے ذکر میں اس

Marfat.com

کی ساری مرویات کو جمع کردے، خواہ وہ حدیثیں صحیح ہوں خواہ غیر صحیح، ان سب کو ایک مستقل عنوان سے جمع کردے، اس صورت میں مختلف احکام وابواب کی احادیث جو ایک صحابی سے مروی ہیں یکجا کردی جاتی ہیں، پھر اس طریقہ کے بعض مصنفین نے صحابہ کے نام حروف معجم کی ترتیب پر جمع کیے جیسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ میں اسی طریقے سے کام لیا ہے یہ طریقہ دیگر طرق سے آسان ہے۔ اور بعض نے صحابہ کے ناموں کی ترتیب میں ان کے اسلام لانے کے تقدم وتاخر کو معیار بنایا ہے، چنانچہ پہلے عشرۂ مبشرہ کو بیان کیا پھر اہلِ بدر کو، پھر اہلِ حدیبیہ کو، پھر ان صحابہ کو جنہوں نے اسلام قبول کرکے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت کی پھر ان حضرات کو جو فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے، پھر صغیر السن صحابہ کو، پھر عورتوں کے ذکر پر اپنی مسند ختم کی۔

اقسام پر تدوین وترتیب

ان دو طریقوں کے علاوہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا ہے، یعنی انھوں نے اپنی کتاب کو پانچ قسموں پر تقسیم کیا ہے۔ (۱) اوامر (۲) نواہی (۳) اخبار، (۴) اباحات (۵) افعالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر ان پانچوں میں بہت سی انواع بیان کی ہیں، اس طرزِ تدوین کی وجہ سے صحیح ابن حبان میں حدیث کی تلاش میں بہت مشکل تھی اس لیے بعض متاخرین نے اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا اور حافظ ابوالفضل عراقی نے اسے اطراف پر جمع کیا، نیز حافظ ابوالحسن ہیثمی نے صحیح ابن حبان کی ان تمام احادیث کو جو صحیحین (بخاری ومسلم) سے زائد تھیں دو جلدوں میں الگ جمع کیا۔

حروف معجم پر ترتیب

ان طرقِ تدوین وتالیف کے علاوہ محدثین نے کتب حدیث میں چند اور طریقے بھی استعمال کیے ہیں چنانچہ بعض نے حروف معجم پر احادیث کو مرتّب کیا مثلاً اِنما الاعمالُ بالنّیات والی حدیث کو حرف الالف میں ذکر کیا۔ ابومنصور دیلمی نے مسند الفردوس میں ابن طاہر نے ابن عدی کی کتاب الکامل کی احادیث میں اور سیوطی نے جامع صغیر میں اختیار کیا ہے، حسن بن محمد صغانی لاہوری نے مشارق الانوار کو حروف معجم کی ترتیب پر مرتب

Marfat.com

کیا ہے، مگر عجیب جدت کے ساتھ بارہ الواب قائم کیے ہیں (۱) پہلا باب ان احادیث میں جو مَن موصولہ یا مَن استفہامیہ سے شروع ہوتی ہیں (۲) جو اِنَّ سے شروع ہوتی ہیں (۳) لا (۴) اذ، ا ور اذا (۵) ما مع الانواع و یا مع الانواع (۶) قد، لو، بلین وغیرہ (۷) ابتدا و معرف وغیرہ (۸) — (۹) عدد وغیرہ (۱۰) فعل ماضی (۱۱) لام ابتدار (۱۲) احادیث قدسیہ۔

اطراف پر تدوین و ترتیب بعض مصنفین نے احادیث کو اطراف پر جمع کیا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی حدیث کا ٹکڑا ذکر کرکے اس کی تمام سندوں کو جمع کر دیا جائے کسی خاص کتاب کی پابندی ہو یا نہ ہو، یہ طریقہ ابوالعباس احمد بن ثابت عراقی نے اطراف الکتب الخمسۃ میں اختیار کیا ہے، بعد میں مزی نے تحفۃ الاشراف لکھی جس میں یہی طریقہ اختیار کیا۔

معلل مسانید حدیث کے طرقِ تصنیف میں سب سے اعلیٰ طریقہ احادیث معلل کا جمع کرنا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ ہر حدیث کو اس کے طُرق اور اختلاف رُواۃ کے ساتھ بیان کیا جائے۔ احادیث کے علل کا علم حدیث کے بہترین اور اہم علوم میں سے ہے، اس سے احادیث کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے، بعض محدثین نے علل کے ساتھ اپنی کتاب فقہی ابواب پر مرتب کی ہے، جیسے امام ابن ابی حاتم نے کیا۔ یہ طریقہ بہت آسان اور سہل الحصول ہے، بعض لوگوں نے علل کے ساتھ مسانید کا طریقہ پسند کیا، جیسے حافظ یعقوب بن شیبہ (۲۶۲ھ) نے ایک مسند معلل لکھی، لیکن افسوس کہ یہ مسند مکمل نہ ہو سکی، صرف عشرہ مبشرہ، عباس، عبداللہ بن مسعود، عتبہ بن غزوان، عمار اور بعض موالی کی مسانید تک ہے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی صرف مسند علی رضی پانچ جلدوں میں تھی، ان کے مکان میں چالیس لحاف رکھے رہتے تھے، تاکہ اس کے وراقوں اور کاتبوں کے کام آئیں، جتنی لکھی جا سکی اس پر دس ہزار دینار خرچ ہوئے، اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو تقریباً دو سو جلدوں میں ہوتی۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ کوئی مسند معلل مکمل نہ ہو سکی۔

ایک باب یا شیخ، یا ترجمہ پر مستقل تصنیف اس دور کے محدثین کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ کسی ایک باب یا طُرق و شیوخ اور تراجم میں سے ایک

Marfat.com

پر حدیثوں کو یکجا کر دیا جائے۔ ایک باب پر مستقل کتاب کا رواج پرانا ہے، چنانچہ امام بخاری (۲۵۱ھ) نے کتاب "رفع یدین فی الصلوٰۃ" اور امام دارقطنی (۳۸۵ھ) نے "باب القضاء بالیمین مع الشاہد" کے نام سے مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ اسی طرح بہت سے محدثین نے کسی ایک شیخ کی احادیث جمع کیں، مثلاً اسماعیلی نے امام اعمش کی احادیث کو اور امام فضیل بن عیاض کی احادیث کو جمع کیا۔ نیز جو احادیث ایک ترجمہ سے آئیں ان کو علیحدہ جمع کیا گیا، جیسے مالک عن نافع عن ابن عمرؓ" اور "سہیل بن ابی صالح عن ابیہ، عن ابی ہریرہؓ" اور "عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ" بعض احادیث کے طُرق ہی کو مستقل کتاب میں جمع کر دیا گیا، جیسے حدیث قبض العلم کے طُرق کو طوسی نے اور حدیث مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا کے طُرق کو امام طبرانی نے جمع کیا ہے۔

تیسری صدی کی مشہور کتبِ احادیث

اس دور میں احادیث کی بے شمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں سے چند اہم کتابوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے:-

صحیح بخاری (۲۵۶ھ) صحیح مسلم (۲۶۱ھ) سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) سنن نسائی (۳۰۳ھ) جامع ترمذی (۲۷۹ھ) سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) مسند امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) المنتقی فی الاحکام ابن الجارود (۳۰۷ھ) مصنف ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) کتاب محمد بن نصر مروزی (۲۹۴ھ) مصنف سعید بن منصور (۲۲۷ھ) تہذیب الآثار محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) یہ امام طبری کی بہترین تصنیف ہے، اس میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی مرویات کو ذکر کیا ہے اور ہر حدیث کے ضمن میں اس کی علّت، طُرق، فقہ، اختلافِ علماء حُجَجْ اور لغت پر کلام کیا ہے، اسی طرح عشرۂ مبشرہ، اہلِ بیت اور موالی کے مسانید اور مسند ابن عباس کا کچھ حصہ بیان کیا ہے، مسند کبیر بقی بن مخلد (۲۷۶ھ) امام بقی بن مخلد نے اس مسند کو صحابہ کے نام پر ترتیب دیا ہے، اور تقریباً تیرہ سو صحابہ سے روایت کی ہے ساتھ ہی ہر صحابی کی مسند کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، یہ کتاب بہت اہم ہے، مسند عبید اللہ بن موسیٰ (۲۱۳ھ) مسند اسحاق بن راہویہ (۲۳۷ھ) مسند عبد بن حمید (۲۴۹ھ) مسند دارمی (۲۵۵ھ) مسند ابی یعلی موصلی (۳۰۷ھ) مسند ابن ابی اسامہ حارث بن محمد تمیمی (۲۸۲ھ) مسند ابن ابی عاصم احمد بن عمر شیبانی (۲۸۷ھ) اس میں تقریباً ۵۰ ہزار احادیث موجود

مسند ابن ابی عمر و محمد بن یحییٰ عدنی (۲۴۳ھ) مسند ابی ہریرہ لابراہیم بن عسکری (۲۸۲ھ) مسند امام علی بن احمد بن شعیب نسائی (۳۰۳ھ) مسند العنبری لابراہیم بن اسمٰعیل طوسی (۲۸۰ھ) مسند کبیر امام بخاری، مسند مسدد بن مسرہد (۲۲۸ھ) مسند محمد بن مہدی (۲۷۲ھ) مسند حمیدی (۲۱۹ھ) مسند ابراہیم بن معقل نسفی (۲۹۵ھ) مسند ابراہیم بن یوسف ہنجانی (۳۰۱ھ) مسند مالک لاحمد بن شعیب نسائی (۳۰۳ھ) مسند کبیر حسن بن سفیان (۳۰۳ھ) مسند معلل ابوبکر بزار (۲۹۲ھ) مسند ابن سنجر (۲۵۸ھ) مسند کبیر یعقوب بن شیبہ (۲۶۲ھ) مسند علی بن مدینی (۲۳۴ھ) مسند ابن ابی عزرہ احمد بن حازم (۲۷۶ھ) مسند عثمان بن ابی شیبہ (۲۳۹ھ) وغیرہ وغیرہ)

مسانید کا درجہ سنن سے کم ہے، کیونکہ مسانید میں صحیح وسقیم ہر قسم کی حدیثیں جو ایک صحابی سے مروی ہوتی ہیں درج کی جاتی ہیں اس لیے تمام مسانید سے احتجاج صحیح نہیں ہے، البتہ بعض ائمہ نے مسند امام احمد کو سنن کے درجے میں مان کر اس کی احادیث سے احتجاج کیا ہے، یعنی ان کو حجت مانا ہے، اس میں کل چالیس ہزار احادیث ہیں جن میں مکررات دس ہزار ہیں اور تین سو سے زائد احادیث ثلاثیۃ الاسناد ہیں یعنی ان کے راوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین راوی ہیں، ابن جوزی نے موضوعات میں مسند امام احمد کی پندرہ احادیث میں وضع کا خیال ظاہر کیا ہے، اور حافظ عراقی نے ان کی تعداد صرف نو بتائی ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے "القول المسدد فی الذب عن المسند" میں صرف تین یا چار احادیث کو بے اصل قرار دیا ہے۔

چوتھا دور

علمِ حدیث کی تنقیح و تہذیب

جیسا کہ معلوم ہوا تیسری صدی کا زمانہ علوم اسلامیہ کی تدوین و تالیف کے حق میں دورِ شباب تھا، یہی زمانہ محدثین و رواۃِ حدیث کے طبقۂ متقدمین اور طبقۂ متاخرین میں حد فاصل ہے اور اس کے بعد جو حضرات آئے انھوں نے اپنے پیش روؤں کی خوشہ چینی کی اور ایسے ائمہ و محدثین بہت کم

Marfat.com

پیدا ہوئے جنھوں نے من حیث الفن فنِ حدیث میں کوئی اضافہ کیا ہو، متقدمین نے جو کچھ کیا تھا دوسروں کی تقلید میں نہیں کیا بلکہ خود اپنی تحقیق کی بنا پر کیا اور متاخرین نے بھی بہت کچھ کیا مگر ان کے نقش قدم پر چل کر یہ کام کیا، انھوں نے دوسری اور تیسری صدی کی کتابوں کی طرف مراجعت کر کے کتبِ احادیث کی تدوین و ترتیب اور جمع و تالیف میں اور احادیث و رجال کی تحقیق میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا اس دور میں ہر حدیث پر مفصل کلام کیا گیا، ہر بات کی تنقیح کی گئی، اور ہر مسئلے کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تصنیفات مفصل ہونے کے ساتھ منقح و مہذب ہیں۔

چوتھی صدی کی مشہور کتب احادیث

چوتھی صدی میں حدیث کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں یہ قابلِ ذکر ہیں، المعجم الکبیر، المعجم الاوسط، اور المعجم الصغیر امام سلیمان بن احمد طبرانی (۳۶۰ھ) معجم کبیر کو طبرانی نے حروف کے اعتبار سے صحابہ کے نام پر مرتب کیا اس میں تقریباً ساڑھے بیس ہزار احادیث ہیں اور معجم اوسط اور معجم صغیر کو حروف کے اعتبار سے اپنے شیوخ پر ترتیب دیا۔ اور بعد میں معجم کبیر کو علاء الدین علی بن بلبان فارسی (۷۳۹ھ) نے بہتر طریقے پر مرتب کیا، کتاب السنن دار قطنی (۳۸۵ھ) صحیح ابی حاتم محمد بن حبان بستی (۳۵۴ھ) صحیح ابی عوانہ یعقوب بن اسحاق (۳۱۶ھ) صحیح ابن خزیمہ محمد بن اسحاق (۳۱۱ھ) صحیح المنتقیٰ السکن سعید بن عثمان بغدادی (۳۵۲ھ) المنتقیٰ لقاسم بن اصبغ اندلسی (۳۴۰ھ) معانی الآثار لابی جعفر طحاوی (۳۲۱ھ)، مسند ابن جمیع محمد بن احمد (۴۰۲ھ)، مسند محمد ابن اسحاق (۳۱۳ھ) مسند الخوارزمی (۳۵۰ھ) مسند ابی اسحاق بن نصر رازی (۳۸۵ھ) وغیرہ وغیرہ۔

سنن و احادیث کی جمع و ترتیب، رُواۃِ حدیث کی جرح و تعدیل، اور عللِ حدیث کی تصریح و توضیح کا کام چوتھی صدی تک قریب قریب مکمل ہوگیا۔ دینی معاملات و مسائل میں اس وقت اجتہاد کی ضرورت ختم ہوگئی اور امتِ مسلمہ میں تقلید و اتباع کا مسلک رائج ہوگیا اور اسی کے ساتھ ساتھ کتبِ احادیث کے لکھنے کا رنگ بھی بدل گیا، اس دور میں عموماً کتب احادیث و سنن تہذیب و تنقیح، شرح و توضیح۔ اور حل الفاظ و لغات کے شعبوں میں منقسم ہوگئیں، کسی مصنف نے طرز بیان بدل دیا

کسی نے جداگانہ ترتیب قائم کی، کسی نے ایجاز واختصار سے کام لیا، اور کسی نے حدیث وفقہ میں ہم آہنگی پیدا کی، البتہ مسانید میں قدما رہی کی پیروی کی گئی، اور ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔

دورِ تہذیب کی جامع کتبِ احادیث

اس دور میں بہت سے علما رنے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو یکجا کیا اور اس سلسلہ میں یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں، محمد بن عبداللہ جوزقی (۳۸۸ھ) اسمعیل بن احمد المعروف با بن الفرات ۴۱۴ھ، محمد بن ابی نصر حمیدی اندلسی (۴۸۸ھ)، انھوں نے اپنی کتاب میں کچھ ایسی احادیث کا اضافہ بھی کیا جو صحیح ہیں مگر صحیحین میں نہیں ہیں، حسین مسعود بغوی (۵۱۶ھ) محمد بن عبدالحق اشبیلی ۵۸۲ھ احمد بن محمد قرطبی المعروف با بن ابی حجۃ ۶۴۲ھ۔

صحاح ستہ کی صحیح احادیث کے جامعین میں یہ مصنفین مشہور ہیں، عبدالحق بن عبدالرحمن اشبیلی المعروف با بن الخراط ۵۸۲ھ، قطب الدین محمد بن علاء الدین مکی ۹۹۰ھ ان کی کتاب بہت مہذب ومرتب ہے۔

ابوالحسن احمد بن رزین بن معاویہ عبدری قرطبی ۵۳۵ھ نے تجرید الصحاح کے نام سے صحاح کی حدیثوں کو جمع کیا، مگر یہ کتاب ترتیب وتہذیب کے اعتبار سے قابل توجہ تھی، نیز انھوں نے صحاح ستہ کی بعض صحیح احادیث کو چھوڑ دیا تھا، اس لیے ابوالسعادات مبارک بن محمد المعروف با بن الاثیر جزری شافعی ۶۰۶ھ نے اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا، اور جو صحیح حدیثیں رہ گئی تھیں ان کو داخل کیا، غریب الفاظ اور مشکل اعراب کی شرح وتوضیح کی۔ سندوں کو حذف کر کے حدیث کے رُواۃ میں صرف تابعی یا صحابی کا نام رکھا، تابعین اور ائمہ کے اقوال کو بہت کم ذکر کیا۔ ابواب کی ترتیب حروف معجم پر دی، اور اس کا نام "جامع الاصول لاحادیث الرسول" رکھا، چنانچہ یہ کتاب جامعیت ترتیب اور شرح کے اعتبار سے حدیث کی منفرد کتاب ثابت ہوئی۔ بعد میں بہت سے محدثین نے اس جامع الاصول کا اختصار کیا جن میں یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں، محمد مرزنی (۶۶۹ھ) [illegible] بن عبدالرحیم حموی (۸۱۹ھ)، عبدالرحمن بن علی المعروف بابن الدیبع شیبانی زبیدی ۹۴۴ھ [illegible]

کتاب جامع الاصول کے مختصرات میں سب سے اچھی ہے، مصر میں تین جلدوں میں چھپ چکی ہے، ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی ۸۱۷ھ نے "تسہیل الوصول الی الاحادیث الزائدة علی جامع الاصول" لکھی، جس میں ان صحیح احادیث کو درج کیا جو جامع الاصول میں نہیں ہیں۔

اس دور کی عام جوامع

(۱) جامع المسانید والالقاب، امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی ۵۹۷ھ نے اس کتاب میں صحیحین، مسند امام احمد، اور جامع ترمذی کی حدیثوں کو جمع کیا ہے، اور احمد بن عبداللہ مکی ۹۶۴ھ نے اسے باقاعدہ ترتیب دیا ہے۔

(۲) جامع المسانید والسنن، الہادی لاقوم سنن، حافظ اسمٰعیل بن عمر قرشی دمشقی المعروف بابن کثیر ۷۷۴ھ نے اس کتاب میں صحیحین، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مسند ابی یعلیٰ اور معجم کبیر طبرانی کی حدیثوں کو جمع کیا ہے۔

(۳) مجمع الزوائد و منبع الفوائد، حافظ ابوالحسن علی بن ابی بکر شافعی ہیثمی ۸۰۷ھ نے اس کتاب میں مسند احمد، مسند ابویعلیٰ، مسند بزار اور طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط اور معجم صغیر سے زائد صحیح[1] حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔

(۴) مصابیح السنة، امام حسین بن مسعود بغوی ۵۱۶ھ نے اس میں ۴۴۸۴ صحاح و حسان احادیث کو جمع کیا ہے، بغوی کی مراد صحاح سے وہ حدیثیں ہیں جو بخاری و مسلم میں ہیں، اور حسان سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہیں، اگر اس میں ضعیف یا غریب حدیث آگئی تو امام بغوی نے اسے ظاہر کر دیا ہے اور منکر یا موضوع حدیث کو نہیں ذکر کیا ہے، علما نے مصابیح السنة کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں، امام محمد بن خطیب ۷۳۷ھ نے مصابیح السنة کی تکمیل کی ہے اور ابواب[2] کا عنوان قائم کیا ہے۔ ہر حدیث کے صحابی راوی کا نام اور اس کتاب کا حوالہ دیا ہے جس میں یہ حدیث موجود ہے، مصابیح السنة کے ابواب میں صحاح اور حسان کے علاوہ ایک تیسرا باب قائم کر کے اپنی طرف سے سنن و جوامع کی حدیثوں کا اضافہ کیا، اور مہذب و مرتب کر کے اس مجموعہ کا نام مشکوٰة المصابیح رکھا، جو مشکوٰة کے نام سے مشہور ہے۔

[1] اس میں صرف صحیح احادیث کو جمع نہیں کیا بلکہ ضعاف بھی موجود ہیں۔
[2] ابواب نہیں بلکہ تیسری فصل کا اس میں اضافہ کیا ہے

مشکاة

اس کتاب کو بھی طبقۂ علماء میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔

(۵) جمع الجوامع فی الحدیث، امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابوبکر سیوطی ۹۱۱ھ نے اس کتاب میں صحاح ستہ وغیرہ کی احادیث کو جمع کیا ہے، امام سیوطی کا ارادہ تھا کہ اس کتاب میں تمام احادیث نبویہ جمع کردی جائیں۔ مگر بقول مناوی اس کی تکمیل سے پہلے ہی سیوطی کا وصال ہوگیا۔ اس میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک آگئی ہیں، بعد میں امام علاء الدین علی بن حسام الہندی المعروف بعلی متقی جونپوری برہان پوری مکی ۹۷۵ھ نے اس کی ترتیب دی اور تنقیح و تہذیب کے بعد اس کا نام "کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال" رکھا۔ سیوطی نے اپنی کتاب جمع الجوامع کا اختصار الجامع الصغیر کے نام سے کیا ہے۔

(۶) اتحاف الخیرۃ بزوائد المسانید العشرہ، احمد بن ابوبکر بوصیری ۸۴۰ھ نے اس میں ان تمام احادیث کو جو صحاح ستہ سے زائد ہیں کتب ذیل سے جمع کیا ہے، مسند ابو داؤد طیالسی، مسند حمیدی مسند مسدد بن مسرہد، مسند ابن ابی عمر، مسند اسحاق بن راہویہ، مسند ابن ابی شیبہ، مسند احمد بن منیع، مسند عبد بن حمید، مسند حارث بن محمد بن ابی اسامہ، اور مسند ابویعلی، یہ کتاب ایک سو جلدوں پر مرتب ہوئی ہے۔

(۶) بحر الاسانید حافظ حسن بن احمد سمرقندی ۴۹۱ھ نے اس کتاب میں ایک لاکھ احادیث کو مہذب و مرتب طریقے پر جمع کیا ہے کہا جاتا ہے کہ اسلام میں اس کے مانند کوئی دوسری کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

احادیث کے احکام کی جامع کتابیں

(۱) اِلمام فی احادیث الاحکام، ابن دقیق العید ۷۰۲ھ نے اس کتاب میں پہلے احکام کے متون کو جمع کیا، پھر اس کی خود ہی شرح لکھی جس کا نام الامام ہے، افسوس کہ یہ شرح مکمل نہ ہو سکی، کہا جاتا ہے کہ اس باب میں اس سے بڑی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔

(۲) دلائل الاحکام من احادیث النبی علیہ السلام، ابن شداد حلبی نے یہ کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے۔ اس میں ان احادیث پر کلام کیا گیا ہے، جن سے فقہ کے فروعی احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(۳) منتقی الاخبار فی الاحکام، حافظ مجد الدین ابو البرکات عبد السلام بن عبد اللہ بن ابو القاسم حرانی المعروف بابن تیمیہ حنبلی ۶۵۲ھ نے یہ کتاب صحیحین، مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی ابوداؤد، ابن ماجہ سے منتخب کر کے مرتب کی ہے، ماخذ کے ظاہر کر دینے کے بعد اسانید کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی اس لیے اسانید کو حذف کر دیا ہے، صاحب البدر المنیر نے لکھا ہے کہ یہ نہایت بہتر کتاب ہے البتہ امام ابن تیمیہ نے بہت سی احادیث کو ائمہ حدیث کی طرف منسوب کر کے چھوڑ دیا ہے اور ان کی تحسین تضعیف نہیں کی ہے، مثلاً صرف رواہ احمد، رواہ دار قطنی، رواہ ابوداؤد لکھ دیتے ہیں، حالانکہ وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے، بلکہ مزید براں یہ ہے کہ امام ترمذی نے جس حدیث کی صاف تضعیف کی ہے اسے امام ابن تیمیہ صرف رواہ الترمذی لکھ دیتے ہیں اور اس کے ضعف کو بیان نہیں کرتے ہیں حالانکہ ان کو یہ بھی بیان کرنا چاہیے، اور ان باتوں کو کتاب کے حاشیہ پر لکھا یا کسی دوسری کتاب میں بیان کیا جو مکمل نہ ہو سکی، مشہور یمنی عالم و محدث علامہ محمد بن شوکانی ۱۲۵۰ھ نے نیل الاوطار کے نام سے منتقی الاخبار کی مفصل شرح آٹھ جلدوں میں لکھی ہے۔

(۴) بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ کی یہ کتاب چودہ سو احادیث احکام پر مشتمل ہے، اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی جا چکی ہیں،

(۵) السنن الکبریٰ، امام احمد بن حسین بیہقی ۴۵۸ھ کی اس کتاب کے بارے میں ابن صلاح کی رائے ہے کہ کتب احادیث میں ادلہ کی جامعیت کے اعتبار سے کوئی کتاب سنن کبری بیہقی سے زیادہ مکمل نہیں ہے، گویا اس کتاب میں بیہقی نے روئے زمین کی تمام احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

(۶) سنن الدار قطنی، حافظ ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بغدادی دار قطنی ۳۸۵ھ کی یہ کتاب بہت مشہور ہے چھپ چکی ہے۔

(۷) عمدۃ الاحکام، حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد مقدسی دمشقی ۶۰۰ھ نے اس میں احکام کی ان احادیث کو جمع کیا ہے جن میں بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اس کی شرح ابن دقیق العید

نے کی ہے، چار جلدوں میں چھپی ہے۔

(۸) احکام الصغریٰ، حافظ ابو محمد عبدالحق بن عبدالرحمٰن المعروف بابن الخراط ازدی اشبیلی ۵۸۱ھ نے لکھا ہے کہ میں نے اس کتاب میں ان احادیث کو امام مالک، امام بخاری، امام مسلم کی کتابوں اور بقیہ صحاح و سنن سے جمع کیا ہے جو لوازم شرع مثلاً احکام، حلال، حرام، ترغیب و ترہیب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔

صحیح حدیث کی سات قسمیں

جمہور محدثین نے صحت کے احوال و اوصاف کے اعتبار سے صحیح حدیث کی سات قسمیں قرار دی ہیں، اور ان میں ہر پہلی قسم دوسری قسم سے صحت میں بڑھی ہوتی ہے۔ (۱) وہ حدیث جسے بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے، اسے متفق علیہ کہتے ہیں۔ (۲) جسے صرف امام بخاری نے بیان کیا ہے (۳) جسے صرف امام مسلم نے بیان کیا ہے (۴) وہ حدیث جو علی شرط الصحیحین ہو، یعنی بخاری و مسلم کے معیار کے مطابق ہو لیکن ان دونوں اماموں میں سے کسی نے اسے اپنی کتاب میں بیان نہ کیا ہو۔ (۵) وہ حدیث جو بخاری کی شرط پر ہو لیکن بخاری نے اسے بیان نہ کیا ہو (۶) وہ حدیث جو مسلم کی شرط پر ہو لیکن مسلم نے اسے بیان نہ کیا ہو۔ (۷) وہ حدیث جس کی تصحیح کسی معتمد اور ثقہ امام نے کی ہو، ان اقسام سبعہ میں سے ہر پہلی قسم دوسری قسم سے فی الجملہ زیادہ صحیح ہوتی ہے، یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے مسلم کی کوئی حدیث بخاری کی حدیث پر صحت کے اعتبار سے مرجح قرار دے دی جائے۔

صحت کے اعتبار سے کتب حدیث کی ترتیب

احادیث کی بے شمار کتابوں میں صحت کی ترتیب پر مختلف رائیں ہیں، امام ابن حزم اندلسی (۴۵۶ھ) نے اس بارے میں اپنی کتاب مراتب الدیانہ میں ایک طویل بحث کی ہے، امام سیوطی نے اس کا خلاصہ کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

امام حزم کے نزدیک کتب احادیث کی ترتیب صحت کے اعتبار سے یہ ہے: صحیح بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، صحیح سعید بن سکنؒ، المنتقی ابن جارودؒ، المنتقی قاسم بن اصبغ، ان کتابوں کے بعد ابوداؤد،

Marfat.com

نسائی، مصنف قاسم بن اصبغ، [9] مصنف طحاوی ۳۲۱ھ، [10] مسند احمد، [11] مسند بزار ۲۹۲ھ، [12] مسند ابی بکر ۲۳۵ھ، [13] مسند عثمان ۲۳۹ھ، [14] مسند ابن ابی شیبہ، [15] مسند ابن راہویہ ۲۳۷ھ، [16] مسند طیالسی ۲۰۴ھ، [17] مسند حسن بن سفیان ۳۰۳ھ، [18] مستدرک حاکم ۴۰۵ھ، [19] کتاب ابن سنجر ۲۵۸ھ، [20] یعقوب بن شیبہ ۲۶۲ھ، [21] علی بن مدینی ۲۳۴ھ، [22] ابن ابی عزرہ ۲۷۶ھ اور اسی قسم کی کتب احادیث جو کتب مذکورہ کی صف میں شمار ہوتی ہیں اور صرف احادیث نبویہ پر لکھی گئی ہیں۔

اس کے بعد ان کتابوں کا درجہ ہے جن میں احادیثِ رسول کے ساتھ دوسروں کے اقوال اور فتاوے بھی ہیں، پھر ان کتابوں کا درجہ ہے جن میں صحیح احادیث ہیں، جیسے مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف بقی بن مخلد قرطبی، کتاب محمد بن نصر مروزی، کتاب ابن المنذر، اس کے بعد مصنف حماد بن سلمہ ۱۶۷ھ، مصنف سعید بن منصور ۲۲۷ھ، مصنف وکیع بن جراح ۱۹۷ھ مصنف رزبابی، موطا امام مالک، موطا ابن ابی ذئب ۱۵۹ھ موطا ابن وہب ۱۹۷ھ، مسائل احمد بن حنبل، فقہ ابی عبید ۲۳۴ھ فقہ ابی ثور ۲۴۰ھ نیز وہ کتابیں جو اس معیار کی مشہور ہیں جیسے حدیث شعبہ ۱۶۰ھ وسفیان ۱۹۸ھ ولیث بن سعد ۱۷۵ھ واوزاعی ۱۵۶ھ و حمیدی ۲۱۹ھ وابن مہدی ۱۹۸ھ، ومسدد ۲۲۸ھ۔

یہ سب کتابیں موطا امام مالک کے ہم پایہ ہیں اور صحت کے اعتبار سے بعض موطا سے زیادہ جامع ہیں، بعض اس کے مثل ہیں اور بعض اس سے کم درجہ کی ہیں، حدیثِ شعبہ میں ۸۰۰ صحیح اور ۲۰۰ سے زائد مسند اور مرسل حدیثیں ہیں، موطا امام مالک اور حدیث سفیان بن عیینہ میں سے ایک میں ۵۰۰ سے زائد مسند اور ۳۰۰ سے کچھ زائد مرسل احادیث ہیں، موطا امام مالک میں ستر سے کچھ زائد وہ احادیث ہیں جن پر خود امام مالک کا عمل نہیں تھا، کچھ ایسی حدیثیں بھی ہیں جن کو جمہور محدثین نے ضعیف بتایا ہے۔

کتب حدیث کے چار طبقات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶ھ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کتب حدیث کے طبقات و درجات کے بارے میں

مفصل بحث کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں کے چار طبقے ہیں۔

(۱) پہلے طبقہ میں تحقیق کے بعد میں موطا امام مالک، صحیح بخاری اور صحیح مسلم شامل ہے۔

(۲) دوسرے طبقہ میں وہ کتابیں شامل ہیں جو موطا اور صحیحین کے درجہ کی تو نہیں ہیں لیکن ان ہی کے قریب قریب ہیں، اور جن کے مصنفین ثقاہت، عدالت، حفظ اور علم حدیث کے تبحر میں مشہور ہیں، اور انھوں نے جمعِ احادیث میں تساہل سے کام نہ لیا ہو، اور بعد کے فقہاء اور محدثین نے ان کی کتابوں کو مقبول و معتبر قرار دیا ہو۔ اور عام طور سے وہ کتابیں دائر و سائر ہوں، جیسے سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، مجتبیٰ نسائی، یہ کتابیں صحت و حجت میں طبقہ اولیٰ میں شریک ہیں، رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی نے تجرید الصحاح میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں ان کتابوں کو یہی حیثیت دی ہے۔ اور مسند امام احمد بھی قریب قریب طبقۂ اولیٰ میں شمار ہوتی ہے۔

(۳) تیسرے طبقہ میں وہ جوامع و مسانید اور مصنفات ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا ان کے زمانے میں یا پھر ان کے تھوڑے بعد تصنیف ہوئیں، جن میں صحیح، حسن، ضعیف، معروف، منکر، غریب، شاذ، خطا، صواب، ثابت اور مقلوب ہر قسم کی حدیثیں موجود ہیں، اور بخاری و مسلم کی کتابوں کی طرح فقہاء و محدثین میں مشہور نہ ہوں، نہ ان کے متفردات کو فقہاء نے بہت زیادہ قبولیت بخشی ہو نہ ان کے ضعف و صحت کو محدثین نے پورے تلاش و تفحص کے ساتھ ظاہر کیا ہو، نہ ان کے غریب الفاظ کی شرح کسی مستند امام لغت نے کی ہو، نہ کسی فقیہ نے ان کی حدیثوں کو سلف کے مسلک پر تطبیق دی ہو۔ نہ کسی محدث نے ان کے مشکلات کو بیان کیا ہو۔ اور نہ ہی کسی مورخ اور تذکرہ نویس نے ان کے رجال کا ذکر کیا ہو۔ ان وجوہ سے قدماء کی یہ کتابیں شہرت نہ پا سکیں اور نہ محدثین کے زمرے میں ان کو مقبولیت حاصل ہو سکی، مسند ابو یعلیٰ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، کتب بیہقی، کتب طحاوی، اور کتب طبرانی وغیرہ اسی قسم کی کتابیں، ان کے مصنفین کا مقصد ایسی تمام احادیث کو جمع کر دینا تھا جو ان کو ملیں، وہ ان کی تہذیب و تلخیص اور تحقیق کے درپے نہ ہوئے ۔۔۔

Marfat.com

(۴) چوتھے طبقہ میں وہ کتب احادیث جن کے مصنفین نے حدیث کی تدوین وتالیف کے عہدِ شباب کے صدیوں بعد ان حدیثوں کو جمع کیا جو پہلے اور دوسرے طبقہ کے مصنفین سے رہ گئی تھیں، مگر مختلف مجموعوں اور مسندوں میں موجود تھیں، یا یہ صحابہ، تابعین اور متقدمین حکماء و واعظین کے اقوال وآثار تھے، جنہیں قصداً یا سہواً راویوں نے احادیث نبویہ میں خلط ملط کردیا تھا، یا یہ روایات قرآن کے محتملات اور احادیث صحیحہ کے ہم معنی تھیں اور پاک باطن لوگوں نے جو روایت کے اصول سے ناآشنا تھے، ان کو روایت بالمعنی کردیا۔ یا جو باتیں قرآن و حدیث کے اشاروں سے مفہوم ہوتی تھیں ان کو حدیث کے نام سے روایت کردیا۔ حدیث کے مختلف ٹکڑے جو کتب حدیث میں منتشر تھے ان کو یکجا کرکے ایک مستقل حدیث بنادیا، اس قسم کے جامع اور راوی زیادہ تر واعظ، قاصّ، ضعفاء اور اہلِ ہوا ہیں، ایسی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان، الکامل ابن عدی، اور خطیب بغدادی، ابونعیم اصفہانی، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار، اور دیلمی کی کتابوں میں زیادہ ملتی ہیں، مسند خوارزمی بھی ان ہی کتابوں کے قریب ہے۔

اس طبقہ کی حدیثوں میں معتمد احادیث وہ ہیں جو ضعیف ہیں، اور غیر احادیث وہ ہیں جو موضوع اور مقلوب ہیں، امام ابن جوزی نے اسی دور کی احادیث کی تحقیق کے لیے موضوعات پر زیادہ تر کتابیں لکھی ہیں، پہلا اور دوسرا طبقہ محدثین اور فقہاء کے نزدیک معتمد و معتبر ہے اور ان ادوار کی حدیثیں مقبول ہیں، تیسرے دور کی احادیث پر کلام ان محدثین و ناقدین کا کام ہے جو اسماء الرجال اور علل حدیث کے باب میں پورا علم رکھتے ہیں اور کھرے کھوٹے کو پہچانتے ہیں، البتہ اس طبقہ کی متابعات اور شواہد کے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چوتھے طبقہ کی احادیث سے تعلق واستنباط متاخرین کی خصوصیت ہے، اس طبقہ کی حدیثوں سے ادنیٰ تعلق اور معمولی اشارے کی بنا پر مبتدعین اور روافض وغیرہ حجت پکڑتے ہیں اور ان کو اپنی دلیل بناتے ہیں، اور اپنے خیالات ورجحانات پر ان سے شواہد لاتے ہیں لیکن محدثین کے نزدیک ان حدیثوں سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

(۲)

چند اہم اور مشہور کتب احادیث

احادیث کے جمع وتالیف کے پہلے دور تک، جو صحابہ اور کبار تابعین کی روایت وکتابت کا زمانہ ہے اور پہلی صدی پر ختم ہوجاتا ہے، احادیث کی جو ذاتی اور شخصی تحریریں اور یادداشتیں مرتب ہوئی تھیں وہ تمام صحیفے اور کراسے بعد کی مدوّنات میں شامل کردیئے گئے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضؓ کے مجموعۂ احادیث الصادقۃ کی تمام روایتیں بعد میں عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے کتب احادیث میں داخل کرلی گئیں، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے تلمیذ حضرت ہمام بن منبہؒ کا صحیفہ جو ۵۸ھ میں مرتب ہوا، اس کی تمام حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ میں آگئیں، اس دور کی دیگر تحریروں کا یہی حال ہوا کہ وہ سب کی سب بعد کی کتابوں میں آگئیں، اور اگر ان میں سے کسی کا وجود باقی رہا تو چند صفحات یا اوراق میں تبرکات کی حیثیت سے خال خال کتب خانوں میں ان کا نشان ملتا ہے، البتہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس دور کی صرف ایک تحریر صحیفۂ ہمام بن منبہ کی اشاعت ہوسکی ہے، جسے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدرآبادی ثم فرانساوی نے تحقیق وتلاش کرکے دمشق سے شایع کیا ہے اور اُردو ترجمہ کے ساتھ حیدرآباد سے بھی اس کی طباعت و اشاعت ہوئی ہے۔

دوسرے دور کی کتب احادیث اور مدوّنات کا حال بھی تقریباً یہی ہے کہ وہ سب کی سب بعد کی کتابوں میں آگئیں، اور ان کی حیثیت مستقل تصنیف وتالیف کی نہیں رہی، مگر پہلے دور کے صحیفوں اور یادداشتوں کے مقابلہ میں اس دور کی یہ چیزیں پایدار رہیں اور ان میں سے کئی کتابیں بہت بعد تک مستقل حیثیت کے ساتھ اہلِ علم کے پاس محفوظ رہیں۔ چنانچہ امام سفیان ثوری ؒ

Marfat.com

اور امام حسن بصریؒ اور امام اوزاعی کے فقہی مذاہب کی طرح ان کی کتابیں بھی دوسری صدی کے خاتمہ تک متداول و مستعمل رہیں اور امام ثوریؒ کا فقہی مسلک اور ان کی کتابیں تیسری صدی تک رائج رہیں، اس دور کی کتب احادیث میں مؤطا امام مالک کو جو مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی اس نے اس دور کی تمام مدونات کو پیچھے کر دیا، پھر بھی ان میں سے بعض کے نسخے یا اجزاء اب بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد غرفدی مفتی لبنان نے اتحاف ذوی العلم میں لکھا ہے کہ جامع قرویین (فاس مغرب) کے کتب خانہ میں امام اوزاعی کی کتاب کا قلمی نسخہ نہایت باریک خط میں ایک ضخیم جلد میں موجود ہے، اگر اسے عام اور عادی خط میں لکھا جائے تو یہ کتاب چار جلدوں میں آسکتی ہے، اسی طرح اس دور کی دوسری کتابوں کا پتہ عالم اسلام کے بعض کتب خانوں میں چلتا ہے اور ان کو تلاش کر کے شایع کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب الآثار، اور کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ، اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی وغیرہ ہمارے زمانے میں پہلی بار لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ حیدر آباد سے شایع ہوئی ہیں ——

کتاب السیر الکبیر امام محمد، مؤطا امام محمدؒ اور کتاب الخراج امام ابو یوسف بھی اسی دور کی کتابیں ہیں جو بہت پہلے چھپ کر عام ہو چکی ہیں۔ اس دور کی ایک اہم ترین کتاب کتاب الزہد والرقائق عبد اللہ بن مبارک حال میں ہندوستان سے شایع ہوئی ہے، الجامع لابن وہب تلمیذ امام مالک کا ایک ٹکڑا فوٹو کے ذریعہ قاہرہ کے معہد فرنسی نے شایع کیا ہے۔

تیسرے دور میں جو باقاعدہ حدیث کی تدوین کا دور ہے جو کتابیں لکھی گئیں وہ پہلے کی تمام مدونات و تصنیفات کی جامع تھیں اور اب تک حدیث پر جو کام ہوا تھا تقریباً سب ان میں مدغم و منضم ہو گیا، اس لیے اس دور کی کتابیں پہلے دونوں ادوار کی کتابوں کے مقابلہ میں دیرپا اور متداول رہیں اور صحاح ستہ، مسند امام احمد اور شرح معانی الآثار طحاویؒ کی مقبولیت و شہرت کے باوجود ان کا رواج رہا، ان کے قلمی نسخے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کی طباعت اشاعت بھی ہوتی رہی، چنانچہ ان میں سے الادب المفرد بخاری، سنن دارمی، سنن دار قطنی، مسند ابو داؤد طیالسی،

Marfat.com

مسند ابو عوانہ، مسند حمیدی، سنن سعید بن منصور (کا ایک حصہ) ہندوستان میں شائع کی گئیں، اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کی اشاعت بھی یہیں سے شروع ہوئی ہے، ان کتابوں کے علاوہ مسند امام زید بن علی، مسند عمر بن خطاب روایۃ ابن ابی شیبہ، المنتقی ابن جارود، صحیح ابن حبان (جزء اول) وغیرہ وغیرہ مصر سے شایع ہو چکی ہیں اور ہمارے زمانے میں عالم اسلام خصوصاً عرب ممالک اور ہندوستان میں قدماء کی کتابوں کے ساتھ اعتنا بہت بڑھ گیا ہے اور ان کی نادر و نایاب کتابیں یورپ اور ایشیا وغیرہ کے کتب خانوں سے تلاش کر کے بہترین تعلیق و تحقیق کے بعد شایع کی جا رہی ہیں اور یہ معاملہ حدیث ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے مختلف علوم و فنون کے بہترین اور قدیم ترین دفینے ہمارے سامنے آ رہے ہیں، اب ہم مختصر طور سے مؤطا امام مالک مسند امام احمد اور صحاح ستہ کا تعارف کراتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کتابوں میں کیا خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ اپنے اپنے ادوار کی بہترین کتابیں قرار دی گئیں اور مسلمانوں نے ان کے ساتھ اس قدر اعتنا کیا۔

مؤطا امام مالک

دوسری صدی کی تصنیفات میں مؤطا امام مالک کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ کسی دوسری کتاب کو نہ مل سکی، حالانکہ اس دور میں مؤطا امام مالک کے طرز پر اور اس کے مقابلہ میں بہت سی مؤطائیں لکھی گئیں، مگر روز اوّل سے آج تک امت میں جو رتبہ امام مالک کی کتاب کا ہے، اس میں کوئی دوسری کتاب شریک نہیں ہے علماء نے ہر دور میں اس کو مرکزی حیثیت دی ہے، اور اس کی بے شمار شرحیں لکھی ہیں۔

حضرت امام ابو عبد اللہ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ دار الہجرۃ مدینہ منورہ کے امام اور فقہاء حجاز کے سرخیل ہیں، مدینہ منورہ میں ۹۵ھ میں پیدا ہو، اور وہیں ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے، خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے حج کے موقع پر آپ سے ملاقات کی اور دینی مسائل پر ایک کتاب لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ فقہ و حدیث میں مؤطا تصنیف فرمائی، خلیفہ مہدی عباسی نے مؤطا کا سماع کیا، خلیفہ ہارون رشید اور اس کے دونوں شہزادوں امین اور مامون نے مدینہ

Marfat.com

منورہ آکر آپ سے مؤطا کا سماع کیا۔

احادیث کی تعداد

ابن الہباب کا بیان ہے کہ امام مالک نے ایک لاکھ احادیث کی روایت کی ہے، ابتداءً ان میں سے دس ہزار حدیثیں مؤطا میں لکھیں، پھر ان کی تہذیب و تنقیح کرتے رہے حتیٰ کہ پانچ سو باقی رہ گئیں، ابوبکر ابہری کا قول ہے کہ مؤطا کے تمام آثار جو رسول اللہ صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں ان کی تعداد (۱۷۲۰) ہے ان میں مسند احادیث (۶۰۰) مرسل (۲۲۸) موقوف (۶۱۳) اور تابعین کے اقوال (۲۸۵) ہیں، چونکہ مؤطا کے بہت سے نسخے ہیں اس لیے احادیث کے عدد میں اختلاف ہوگیا ہے، چنانچہ مؤطا امام محمد جو موطا امام مالک ہی کا ایک نسخہ ہے، اس میں تمام احادیث و آثار مسند غیر مسند موقوف غیر موقوف یعنی مرفوع (۱۱۸۰) ہیں، ان میں سے عن مالک (۱۰۰۵) عن ابی حنیفہ (۱۳) عن ابی یوسف (۴) اور باقی دیگر طرق و اسناد سے ہیں۔

روایات اور نسخے

قاضی عیاض کے قول کے مطابق مؤطا کے مشہور نسخے ۲۰ ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ تیس ۳۰ ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ آج کل عرب میں مؤطا کے سولہ ۱۶ نسخے پائے جاتے ہیں، اور ہر نسخہ ایک خاص راوی سے مروی ہے، ابوالقاسم بن محمد ابن حسین شافعی کا بیان ہے کہ امام مالک سے گیارہ مؤطائیں مروی ہیں، اور سب کی سب قریب المعنی ہیں، البتہ ان میں چار مروج تھیں، پہلا نسخہ یحییٰ ابن یحییٰ کا، دوسرا ابن بکیر کا تیسرا ابومصعب کا اور چوتھا ابن وہب کا پھر بعد میں ابومصعب اور ابن وہب کے نسخوں کا رواج کم ہوگیا، ان نسخوں میں احادیث کی کمی زیادتی ہے اور تقدیم و تاخیر بھی ہے۔ سب سے زیادہ احادیث نسخہ ابومصعب میں ہیں، ابن حزم کا قول ہے کہ اس مؤطا میں دیگر مؤطاؤں سے سیکڑوں احادیث زائد ہیں، ان ہی نسخوں میں مؤطا امام محمد بھی ہے امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ امام ابوحنیفہ کے تلمیذ رشید ہیں، انھوں نے امام مالک سے مؤطا پڑھی، پھر اس زمانہ کے رواج کے مطابق اپنے نسخہ میں زیادتی کرلی، بعد میں ان کا نسخہ

Marfat.com

موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہوگیا۔

مقبولیت واہمیت

حافظ ابن عبد البر اندلسی نے امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن عبد الواحد کا قول نقل کیا ہے کہ ہم لوگوں نے امام مالک سے ان کی موطا چالیس دن میں پڑھی، اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ جس کتاب کو میں نے چالیس سال میں تیار کیا تم لوگوں نے اسے چالیس دن میں پڑھ لیا، افسوس کہ تم لوگوں میں تفقہ فی الدین کم ہوتا جارہا ہے۔ خود امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے اپنی کتاب موطا کو مدینے کے ستر فقہاء کی خدمت میں پیش کیا، جب سب نے اس پر اتفاق کرلیا تو میں نے اس کا نام موطا (متفق علیہ) رکھا، ایک ہزار سے زائد علماء نے خود امام مالک سے اس کی روایت کی اور اس کے لیے سماع کے لیے اندلس سے لیکر حدود چین تک سے اہل علم مدینہ آئے، اور امام صاحب سے سماع کیا۔ آپ سے موطا کے راویوں میں ہر طبقہ کے ائمہ وعلماء شامل ہیں۔ فقہاء میں امام شافعی، امام محمد، ابن وہب وغیرہ۔ محدثین میں یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمن بن مہدی، عبد الرزاق بن ہمام صنعانی وغیرہ، امراء وسلاطین میں ہارون الرشید مہدی، امین، مامون وغیرہ۔

شرح ومختصرات اور مستخرجات

امام مالک کی زندگی ہی میں موطا تمام عالم اسلام میں پھیل گئی، اور علمائے امت نے اسے ماخذ ومنبع قرار دیا۔ اس کی احادیث کی تخریج کی، متابعات وشواہد بیان کیے، غریب الفاظ کی شرح کی مشکلات کو ضبط کیا و فقہ سے بحث کی، رجال پر کتابیں لکھیں اور اس کو موضوع بنا کر بے حد و بے حساب لکھا حتیٰ کہ آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

شارحین موطا میں غالباً پہلا امام ابو مروان بن عبد الملک بن حبیب مالکی ۲۳۹ھ کا ہے، حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البر اندلسی ۴۶۳ھ نے موطا پر دو کتابیں لکھیں ایک التقصی لحدیث الموطا، اور دوسری، التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، اس کے بارے میں امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فقہ اور حدیث کی ہے، میری نظر میں اس موضوع پر اس جیسی کوئی

Marfat.com

دوسری کتاب نہیں ہے، تجرید التمہید لما فی الموطا من الاسانید مطبوع ہے اور طبع ہے، ابو محمد عبداللہ بن محمد نحوی بطلیموسی ۵۲۱ھ نے بھی مؤطا کی شرح کی ہے، قاضی ابو بکر محمد بن العربی مغربی ۵۴۶ھ نے القبس کے نام سے ایک شرح لکھی، جس میں لکھا ہے کہ مؤطا امام مالک اسلامی شرائع کی سب سے پہلی اور آخری کتاب ہے، اس کی بنیاد اصول کی تمہید پر ہے اور امام صاحب نے فقہ کے ایسے اہم اصول کو بیان کیا ہے جن سے فروعی مسائل مستنبط ہوتے ہیں، امام سیوطی ۹۱۱ھ نے ایک شرح لکھی جس کا نام کشف المغطّا فی شرح الموطّا ہے پھر اس کا اختصار تنویر الحوالک کے نام سے کیا یہ کتاب مصر میں چھپ چکی ہے امام محمد بن عبدالباقی زرقانی مصری مالکی ۱۱۲۲ھ نے تین جلدوں میں بسیط شرح لکھی، جو شرح زرقانی کے نام سے مشہور ہے اور مصر میں چھپ چکی ہے۔ ملا علی قاری ہروی مکی ۱۰۱۴ھ نے مؤطا کی شرح دو جلدوں میں لکھی جس میں اپنی عادت کے مطابق نہایت عمدہ عمدہ باتیں لکھی ہیں مگر کہا جاتا ہے کہ رجال کی تنقید میں اکثر مقامات پر ان سے تسامح ہوا ہے، ہندوستان میں بھی موطا امام مالک کے ساتھ خصوصی اعتنا رہا اور اس کی کئی شرحیں لکھی گئیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ نے دو شرحیں لکھیں ایک المصفّٰی یہ فارسی زبان میں ہے اور دوسری المسوّی یہ عربی میں ہے، اس میں اختلافِ مذاہب اور بقدرِ ضرورت غرائب کی شرح کی ہے، دونوں شرحیں ایک ساتھ مکہ مکرمہ اور ہندوستان میں چھپ چکی ہیں۔ تیسری شرح مولانا عبدالحی فرنگی محلی سنہ ھ کی ہے، جو موطا امام محمد کے نسخہ کی ہے اس کا نام التعلیق الممجد علی موطا الامام محمد ہے۔ موطا امام محمد کے حاشیہ پر لکھنؤ وغیرہ میں بار بار چھپی ہے، اور چوتھی شرح اوجز المسالک مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی ہے۔

مؤطا امام مالک کے مختصرات بھی بکثرت ہیں، ان میں امام خطّابی احمد بن محمد بستی ۳۸۸ھ، ابو الولید سلیمان بن خلف باجی ۴۷۴ھ، اور ابن رشیق قیروانی ۴۵۶ھ کے مختصرات زیادہ مشہور ہیں۔

مؤطا پر دوسری کتابیں

مؤطا کی شرح کے علاوہ علماء نے اس کے مختلف پہلوؤں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ اس کے غرائب کی شرح میں امام برقی، احمد بن عمران

Marfat.com

فش، ابوالقاسم عثمانی مصری وغیرہ نے کتابیں لکھیں، رجال مؤطا پر قاضی ابوعبداللہ خدار، ابو
داللہ بن مفرح، برقی، ابوعمر طلمنکی اور سیوطی نے کتابیں تصنیف کیں، سیوطی کی کتاب کا نام
حاف المبطا برجال المؤطا ہے، جو تنویر الحوالک کے ساتھ مصر میں چھپی ہے، شواہد مؤطا پر قاضی
جیل نے کتاب لکھی۔ اسی طرح ابوالحسن دارقطنی، اور قاضی ابوالولید باجی نے اختلاف مؤطا پر
کتابیں لکھیں، ابوبکر بن حبیب نے اطراف المؤطا اور ابن عبدالبر نے التقصّی فی مسند حدیث
وطا لکھی۔

سند امام احمد بن حنبلؒ تدوینِ حدیث کے تیسرے دور میں مسانید و جوامع اور مصنفات
بکثرت لکھی گئیں، مگر ان میں سے مسند امام احمد کو جو مقبولیت و شہرت
صل ہوئی وہ مسند کی کسی دوسری کتاب کو میسّر نہ ہوسکی۔ امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی
۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے آپ کی والدہ بحالت حمل مرو سے آئی تھیں، امام شافعیؒ کے
ص تلامذہ سے ہیں، آپ نے امام شافعی کا ساتھ اس وقت چھوڑا جب امام صاحب یہ کہہ کر
داد سے مصر چلے گئے کہ میں نے بغداد سے نکلتے وقت یہاں احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ و متقی
ی دوسرے کو نہیں چھوڑا ہے، فتنۂ خلق قرآن کے سلسلے میں خلیفہ معتصم باللہ کے دور میں کوڑوں
ے مارے گئے اور قید و بند کے مصائب سے دوچار ہوئے مگر خلق قرآن کے قائل نہیں ہوسکے، امام
اری امام مسلم جیسے بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کے شاگرد ہیں، دیانت و تقویٰ میں اپنے زمانہ
ں ایک ہی فرد تھے، ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو انتقال فرمایا اور بغداد کے باب حرب کے قبرستان
ن کئے گئے، آپ کے دو صاحبزادے تھے، صالح قاضی اصفہان (۲۳۱ھ، ۲۶۶ھ) اور
داللہ (۲۱۳ھ، ۲۹۰ھ)

احادیث کی تعداد! مسند امام احمد امت محمدیہ کی جلیل القدر کتاب شمار ہوتی ہے اس میں کل
چالیس ہزار حدیثیں ہیں، جن میں دس ہزار مکرر ہیں، اور تین سو سے زائد ثلاثیۃ
اسناد ہیں، یعنی وہ احادیث جن کے راوی صرف تین ہیں، امام احمد کو اپنی مسند کے بارے میں

Marfat.com

اس قدر اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ دیکھو اگر میری مسند میں ہے تو خیر، ورنہ وہ حجت نہیں ہو سکتی، لیکن آپ سے یہ تصریح مروی نہیں ہے کہ جو مسند میں ہے سب حجت ہے، بلکہ یہ تصریح مروی ہے کہ جو حدیث مسند میں نہیں ہے وہ حجت نہیں ہے، چنانچہ کئی احادیث صحیحین میں موجود ہیں مگر مسند امام احمد میں نہیں ہیں، امام ابن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں مسند کی پندرہ احادیث کے بارے میں وضع کا احتمال ظاہر کیا ہے، اور حافظ عراقی نے ایسی احادیث کی تعداد صرف نو بتائی ہے، اور حافظ ابن حجر نے القول المسدد فی الذب عن مسند میں تین یا چار حدیثوں کو بے اصل قرار دیا ہے۔

شروح مختصرات مسند احمد جیسی ضخیم کتاب کی شرح ایک سندھی عالم نے کی ہے جو مدینہ منورہ میں تھے یعنی شیخ ابو الحسن بن عبد الهادی السندی المدنی ۱۱۲۹ھ، اور شیخ زین الدین عمر بن احمد سماع حلبی ۹۳۶ھ نے اس کو مختصر کیا ہے، اور اس کا نام الدر المنتقد من مسند الامام احمد رکھا ہے، نیز شیخ سراج الدین عمر بن علی المعروف بابن الملقن شافعی ۸۰۴ھ نے اس کا اختصار کیا ہے، مسند احمد متعدد بار مصر میں چھپ چکی ہے آخری بار استاذ احمد بن محمد شاکر مرحوم کی تعلیق وتحقیق کے ساتھ نہایت شاندار طریقہ پر شائع ہوئی، مگر افسوس کہ صرف پندرہ جلدیں شائع ہو سکیں، اور محشی ومحقق کا انتقال ہو گیا۔

صحیح بخاری امام ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بخاری، بخارا میں ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن پیدا ہوئے، دس سال سے کم ہی کی عمر میں حدیث یاد کرنے لگے تھے، پھر اپنے یہاں کے مشائخ سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور سولہ سال سے کم ہی کی عمر میں ان سے بہت کچھ حاصل کر لیا، اس کے بعد طلب علم میں سفر کا آغاز کیا، دو بار شام، مصر اور جزیرہ گئے، چار بار بصرہ کا سفر کیا، حجاز میں چھ سال قیام کیا، اور محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد کا بارہا سفر کیا، اٹھارہ سال کی عمر میں لوگوں نے آپ سے حدیث کی روایت شروع کر دی، سند اور متن کے ساتھ احادیث کے حفظ میں بے نظیر تھے، فرماتے ہیں کہ ہر دینی ضرورت کتاب وسنت سے پوری کی جاسکتی ہے، صحیح بخاری

ے علاوہ اور کئی کتابیں آپ کی تصانیف میں ہیں عید کی رات ۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا، تیرہ دن
باسٹھ سال کی عمر پائی تھی۔

صحیح بخاری امت کی پہلی کتاب ہے جس میں صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں۔ جمہور علمائے سنت کا
فاق ہے کہ صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتب ہے، اور صحیح مسلم بھی اس کے قریب قریب
، یہ دونوں حضرات وہی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کے ناقلین ثقہ ہوتے ہیں، ساتھ ہی ان
سند متصل اور غیر منقطع ہوتی ہے، امام صاحب نے صحیح بخاری کو سولہ سال میں مرتب کیا، ہر
یث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے پھر اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتے۔

داد احادیث حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح بخاری میں مکررات سمیت کل (۷۳۹۷) حدیثیں
ہیں، یہ تعداد معلقات، متابعات، اور موقوفات کے علاوہ ہے۔ اور
رات کے بغیر متون موصولہ (۲۶۰۲) ہیں، اور متون موقوفہ جن کا اتصال نہیں کیا ہے۔
(۱۵) ہیں، یعنی مکررات کے علاوہ کل (۲۷۶۱) حدیثیں ہیں، اور معلقات (۱۳۴۱) ہیں،
متابعات اور اختلاف روایات والی احادیث (۳۴۴) ہیں، لیکن ابن حجر نے موقوفات
الصحابہ اور مقطوعات عن التابعین کی تعداد نہیں بیان کی ہے، اس لئے موقوف و مقطوع
علاوہ مکررات سمیت کل احادیث (۹۰۸۲) ہیں، معلق، موقوف، اور مقطوع احادیث
یہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں، مگر امام صاحب ان کو استشہاد وغیرہ کے لیے بیان
تے ہیں، صحیح بخاری کی تیرہ حدیثوں پر ائمہ حدیث نے تنقید کی ہے، ایک سو دہ احادیث ہیں
ہیں سے (۳۲) کی تخریج پر امام مسلم بھی متفق ہیں اور (۷۰) کی تخریج میں امام بخاری منفرد
حفاظ حدیث نے صحیح بخاری کے (۸۰) رجال کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر صحیح بخاری کے
رجال امام صاحب کے شیوخ میں سے ہیں اور آپ نے ان سے ملاقات کی ان کے حالات
م کئے اور ان کی احادیث کو پرکھا اور صحیح وسقیم کی تفریق کی اور صحیح بخاری کے رجال
ر دوسروں سے زیادہ خود امام صاحب کو تھا، صحیح بخاری کی براہ راست امام بخاری سے

روایت کرنے والے تقریبًا ایک لاکھ انسان ہیں، اور ان میں سے اکثر ائمہ حدیث ہیں
مسلم، ترمذی، ابوزرعہ، ابن خزیمہ وغیرہ،

شروح بخاری

جس طرح امت نے قرآن کے بعد صحیح بخاری کو افضل کتب تسلیم کیا، اسی طرح
کے بعد صحیح بخاری کی بہترین خدمت بھی کی، اور متقدمین ومتاخرین نے اس
بہت سی شرحیں لکھیں، علامہ چلپی نے کشف الظنون میں بخاری کی بیاسی سے زائد شرحوں کا ذ
ہے اس کی مجمل شروح میں امام خطابی ۳۸۸ھ کی شرح اعلام السنن ایک جلد میں ہے، مفصل
ہیں شیخ مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی شیرازی ۸۱۷ھ کی کتاب. منح الباری
الفسیح الجاری" ہے، کوئی چھوٹا بڑا مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گ
سند اور متن پر پوری بحث ہے، صحیح بخاری کی عبادات کا ربع حصہ اس کی بیس جلدوں میں
ہے ان کے علاوہ. صحیح بخاری کی چھوٹی بڑی سینکڑوں شرحیں لکھی گئیں مگر ان میں چار ز
مشہور ہیں (۱) امام بدرالدین محمد بن بہادر زرکشی ۷۹۴ھ کی کتاب التنقیح، (۲) ا
بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ کی کتاب عمدۃ القاری، (۳) حافظ جلال الدین
۹۱۱ھ کی کتاب التوشیح (۴) شیخ الاسلام احمد بن علی حجر عسقلانی ۸۵۲ھ کی کتاب فتح البا
حقیقت یہ ہے کہ فتح الباری جیسی دوسری جامع شرح آج تک نہیں لکھی گئی، اس لیے صحیح بخ
کی طرح فتح الباری بھی امت کی اہم کتاب ہے۔

مختصرات

صحیح بخاری کی بہت سی مختصرات ہیں، جن میں چند یہ مشہور ہیں (۱) مختصر جمال
احمد بن عمر القاری قرطبی ۶۵۶ھ۔ (۲) مختصر بدرالدین حسن بن عمر حلبی
اس کا نام ارشاد الساری والقاری ہے، (۳) مختصر حسین بن مبارک زبیدی ۸۹۳ھ
نام التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح ہے، زمانہ حال میں مصر وغیرہ میں اس کے کئی مخ
مختلف سے لکھے گئے ہیں۔

رجال بخاری پر کتابیں

اسماء رجال البخاری امام احمد بن محمد کلاباذی ۳۹۸ھ کتاب التعدیل

ابو الولید سلیمان بن خلف باجی ۴۷۴ھ، الافہام بما وقع فی البخاری من الابہام، جلال الدین عبدالرحمٰن بن عمر بلقینی ۸۲۴ھ،

صحیح مسلم | امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے حدیث کی تحصیل کی، امام بخاری وغیرہ سے پڑھا، وقت کے بڑے بڑے ائمہ وحفاظ نے آپ سے حدیث کی روایت کی، کئی کتابیں تصنیف کیں، ان میں سب سے اہم صحیح مسلم ہے۔ اپنے شیخ امام بخاری کے ساتھ بڑے اخلاص ومحبت سے پیش آتے تھے، مگر آخر میں دونوں حضرات میں ان بن ہوگئی، رجب ۲۶۱ھ میں امام مسلم کی وفات ہوئی اور نیساپور میں دفن کئے گئے۔

صحیح مسلم صحاح ستہ میں دوسرے درجہ پر مانی جاتی ہے، حسین بن علی نیساپوری کا بیان ہے کہ آسمان کے نیچے صحیح مسلم سے زیادہ اصح کوئی کتاب نہیں ہے، مشائخ مغاربہ میں سے بعض حضرات نے حسین بن علی نیساپوری کی موافقت کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری کے بہت سے اوصاف صحیح مسلم میں نہیں پائے جاتے، مثلاً امام بخاری کی شرط دار روایت میں راوی کا مروی عنہ سے لقاء کا ثبوت ضروری ہے، اور امام مسلم کے نزدیک دونوں میں معاصرت کافی ہے، ضبط وعدالت کے سلسلے صرف اسی رجال بخاری پر کلام کیا گیا ہے جبکہ مسلم کے ایک سو ساٹھ رجال پر جرح کی گئی ہے، اسی طرح شذوذ اور اعلال کے سلسلے میں بخاری کی ۷۸ حدیثوں پر کلام کیا گیا ہے اور مسلم کی ایسی ۲۳۰ حدیثوں پر کلام ہوا ہے، نیز صحیح بخاری فقہی استنباط اور اسرار وحکم سے پُر ہے، اور صحیح مسلم میں یہ بات نہیں ہے، پھر امام بخاری علم حدیث میں امام مسلم سے کہیں زیادہ معلومات رکھتے ہیں، دارقطنی کا قول ہے کہ اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم بھی نہ ہوتے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صحیح مسلم کی عظمت واہمیت سے انکار ہے، اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہر حدیث اپنے موقع محل میں بیان کی گئی ہے، اور بلا تردد ہر حدیث مل سکتی ہے، اور اکثر و بیشتر احادیث کے طرق، اسانید اور الفاظ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

شروح صحیح مسلم | صحیح مسلم کی بھی بہت سی شرحیں ہیں، صاحب کشف الظنون نے تقریباً

Marfat.com

پندرہ شروح کا تذکرہ کیا ہے، جن میں چند مشہور یہ ہیں، المنہاج امام ابوزکریا یحیی بن شرف نووی شافعی ۶۷۶ھ، اکمال الاکمال، امام ابوالفرج عیسی بن مسعود زدادی ۷۴۳ھ یہ شرح پانچ جلدوں میں ہے اور اس سے پہلے کی شروح کی جامع ہے اکمال المعلم بفوائد کتاب مسلم امام ابوعبداللہ محمد بن خلفہ ابی مالکی ۸۲۸ھ یہ شرح چار جلدوں میں ہے، اور مازری، عیاض قرطبی اور نووی کی شروح کی جامع ہونے کے ساتھ اس میں اور بھی مفید باتیں ہیں، الابتہاج شیخ احمد بن محمد الخطیب قسطلانی شافعی ۹۲۳ھ یہ شرح نصف صحیح مسلم تک آٹھ جلدوں میں ہے، نیز ملا علی قاری ہروی ۱۰۱۶ھ نے صحیح مسلم کی شرح چار جلدوں میں لکھی ہے، آخر میں فتح الملہم شرح صحیح مسلم کے نام سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سرہ نے شرح لکھی، افسوس کہ اس کی صرف جلدیں تیار ہوسکیں جو طبع ہوچکی ہیں۔

مختصرات صحیح مسلم

صحیح مسلم کی مشہور مختصرات یہ ہیں، تلخیص کتاب مسلم و شرحہ، شیخ احمد بن عمر و قرطبی ۶۵۶ھ، مختصر زکی الدین عبدالعظیم منذری ۶۵۶ھ مختصر زوائد مسلم علی البخاری، سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی ۸۰۴ھ، یہ کتاب چار جلدوں میں ہے، ابوبکر احمد بن علی اصبہانی ۴۲۸ھ نے صحیح مسلم کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے۔

صحیحین پر مستخرجات

استخراج کا مطلب یہ ہے کہ کسی کتاب مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیثوں کو ایک ایک کرکے اپنی سندوں سے بیان کیا جائے، اس میں رواۃ کا ثقہ ہونا ضروری نہیں ہے، اس صورت سے محدث اپنی مرویات کو بخاری یا مسلم کی مرویات سے ملا دیتا ہے اور ان کے شیوخ یا شیوخ سے اوپر کسی راوی پر دونوں مل جاتے ہیں، استخراج کرنے والا بسا اوقات کچھ احادیث کو غیر مرضی سند کی وجہ سے روایت نہیں کرتا، بلکہ ان حدیثوں کو معلق کر دیتا ہے، اور کبھی صاحبِ اصل ہی کے طریقہ سے نقل کر دیتا ہے۔

تخریج و استخراج کا یہ طریقہ بڑے بڑے حفاظ حدیث نے اختیار کیا ہے، البتہ عموماً اس کے لیے صحیح بخاری یا صحیح مسلم کو اصل ٹھہرایا ہے، کیونکہ ان دونوں کتابوں کو صحاح احادیث میں

Marfat.com

جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو میسّر نہیں ہے،

مستخرجات بر صحیح بخاری

صحیح بخاری پر مستخرجات حسب ذیل ہیں، مستخرج ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی ۴۳۰ھ، مستخرج ابوبکر احمد بن ابراہیم اسمٰعیلی ۳۷۱ھ، مستخرج شیخ الفقہاء والمحدثین ابوبکر احمد بن محمد برقانی ۴۲۵ھ،

مستخرجات بر صحیح مسلم

صحیح مسلم پر مشہور مستخرجات یہ ہیں، مستخرج احمد بن حمدان نیساپوری ۳۱۱ھ، مستخرج ابو عوانہ اسفرائینی ۳۱۶ھ، مستخرج ابو نصر طوسی ۳۴۴ھ، المسند المستخرج علی مسلم حافظ ابو نعیم اصبہانی، المستخرج علی صحیح مسلم حافظ ابوبکر اسفرائینی محمد بن محمد بن رجاء سندھی ۲۸۶ھ،

مستدرک حاکم بر صحیحین

امام ابو عبد اللہ حاکم نیساپوری ۴۰۵ھ نے اپنی کتاب المستدرک علی الصحیحین میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں اور حاکم کی رائے میں وہ علی شرط البخاری ومسلم یا علی شرط احدہما ہیں، یا پھر حاکم کے علم واجتہاد کے مطابق وہ احادیث صحیح ہیں، اگر کوئی حدیث علی شرطہما یا علی شرط احدہما ہوتی ہے، تو آپ ہذا حدیث علی شرط الصحیحین یا علی شرط البخاری یا علی شرط مسلم لکھ کر اسے صحیح قرار دیتے ہیں، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو ہذا حدیث صحیح الاسناد کہہ کر اس کی صحت کو ظاہر کر دیتے ہیں، بسا اوقات ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں جو خود ان کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی بلکہ حسن یا ضعیف ہوتی ہے مگر اس پر تنبیہ کر دیا کرتے ہیں؛

حافظ ذہبی ۷۴۸ھ نے مستدرک حاکم کی تلخیص کرکے اس کی منکر اور ضعیف احادیث کو ظاہر کر دیا ہے، اور اس کی موضوع احادیث کو الگ بیان کر دیا ہے، اس میں موضوعات کی تعداد تقریباً ایک سو ہے، امام ذہبی کا قول ہے کہ نصف مستدرک علی شرط الصحیحین، یا علی شرط احدہما ہے ایک ربع کی سندیں صحیح ہیں، اور ایک ربع مناکیر وموضوعات ہیں، یہ بات کہ حاکم جیسے عالم حدیث نے ان احادیث کو کیوں شامل کیا؛ تو اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ حاکم نے

Marfat.com

آخر عمر میں مستدرک لکھی جبکہ ان کا حافظہ کمزور ہو چکا تھا ابن حجر کا قول ہے کہ حاکم کے تساہل کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے مستدرک کا مسودہ تیار کیا تھا کہ ان کا وصال ہو گیا اور اس کی تبیض کی باری نہ آسکی اور نہ صحیح و سقیم کا فرق ہو سکا، بعض محدثین کا قول ہے کہ حاکم کے تفردات پر بحث و تمحیص کے بعد ان کے صحیح، حسن اور ضعیف ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے،

جامع صحیح ترمذی

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، امام بخاری اور ان کے شیوخ سے حدیث کی روایت کی، کتاب السنن اور کتاب العلل آپ کی تصنیف ہے، زہد و تقویٰ، علم و فضل اور حفظ و دیانت میں امام بخاری کے ہم پلہ تھے آخر رجب ۲۷۹ھ میں ترمذ میں انتقال فرمایا۔

امام ترمذی کا بیان ہے کہ میں نے اپنی یہ کتاب حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کی سب نے بنظر استحسان دیکھا اور پسند کیا میں نے اس میں کوئی ایسی حدیث درج نہیں کی ہے جس پر کسی فقیہ کا عمل نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ جامع ترمذی کی ہر حدیث کسی فقیہ کے نزدیک حجت اور معمول بہ ہے، امام ترمذی نے اس کتاب میں یہ اہم ترین کام کیا ہے کہ ہر حدیث کے بارے میں صحیح، حسن، معلول ہونے پر کلام فرمایا ہے، اور معلول و متروک حدیث کی بھی توضیح کر دی ہے، اور ہر باب میں اس سلسلہ کی دوسری احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، نیز جرح و تعدیل کو بیان کیا ہے، اور آخر میں کتاب العلل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، ان خصوصیات کی وجہ سے جامع ترمذی نہایت مفید اور جلیل القدر کتاب تسلیم کی گئی ہے، مکرر احادیث بھی کم ہیں۔

مشہور شرحیں

امام محمد بن عبد اللہ اشبیلی المعروف بہ ابن العربی مالکی ۵۴۶ھ نے جامع ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی" کے نام سے لکھی، حافظ محمد بن محمد شافعی ۷۳۴ھ نے جامع ترمذی کے دو ثلث کی شرح دس جلدوں میں لکھی جو نامکمل تھی، بعد کو زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی ۸۰۶ھ نے اس کی تکمیل کی، عبد الرحمن بن احمد حنبلی سے

Marfat.com

نے بیس جلدوں میں شرح لکھی مگر افسوس کہ یہ ضخیم کتاب ایک ہنگامہ میں نذر آتش ہو گئی اور مسلمانوں کے بے شمار علمی ذخیروں کے ساتھ یہ ذخیرہ بھی ضائع ہو گیا، اسی طرح جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ اور شیخ محمد حیات سندھی مدنی سنہ ھ نے اس کی شرح لکھی، امام عمر بن علی بلقن ۸۰۴ھ نے ترمذی کی ان احادیث کی شرح کی جو صحیحین اور ابو داؤد کی صحاح سے زائد ہیں۔ آخری دور میں ہندوستان میں جامع ترمذی کی چند شرحیں لکھی گئیں اور اس پر شیوخ کی درسی تقریروں کو جمع کیا گیا۔ ان میں تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع الترمذی ابو العلیٰ، عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارک پوری ۱۳۵۳ھ بڑی اہم اور مفید شرح ہے، اور عرب و عجم میں ہر جگہ مقبول و متداول ہے، مقدمہ کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں چھپی ہے، اور اسی کا فوٹو لے کر بیروت میں چھاپی گئی ہے، نیز مصر میں گیارہ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، حق یہ ہے کہ امام ترمذی کا قرضہ اس کتاب نے امت کے سر سے اتار دیا ہے، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری بھی جامع ترمذی کی ایک بسیط شرح فقہی انداز میں معارف السنن کے نام سے لکھ رہے ہیں، اس کی تین جلدیں اب تک کراچی سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

مختصرات ترمذی

جامع ترمذی کی مختصرات میں نجم الدین محمد بن عقیل ۷۲۹ھ اور نجم الدین سلیمان بن عبد القوی طوفی حنبلی ۷۱۰ھ کی کتابیں زیادہ مشہور رہیں۔

سنن ابوداؤد

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، امام احمد بن حنبل، قعنبی، سلیمان بن حرب وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، اور علمائے امت کے ایک جم غفیر نے ان سے روایت کی، امام ترمذی اور امام نسائی آپ کے تلامذہ میں ہیں۔ ابو داؤد نے پہلے اپنی سنن بغداد کے علماء کے سامنے پیش کی تو وہاں کے علماء نے اسے پڑھا، امام احمد نے بنظر استحسان دیکھا اور پسند فرمایا، ۲۷۵ھ میں بصرہ میں انتقال فرمایا، ابو سلیمان خطابی نے اپنی کتاب معالم السنن میں سنن ابو داؤد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نہایت محترم کتاب ہے، دینی علوم میں اس جیسی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی، یہ امت کے ہر طبقہ میں مقبول ہوتی ہے اور محدثین و فقہاء کے درمیان قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے، اختلاف آراء کے

Marfat.com

باوجود ہر مذہب کے علماء کے لیے حجت ہے اور عراق، مصر بلاد مغرب اور دوسرے ممالک کے علماء اسے معتمد قرار دیتے ہیں، خود امام ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثیں لکھیں ان میں سے چار ہزار آٹھ احادیث کا انتخاب کر کے اس کتاب میں جمع کیا ہے، اور ان ہی احادیث کو ذکر کیا ہے جو صحیح ہیں یا صحت کے قریب ہیں، اور ان تمام احادیث میں سے صرف ان چار احادیث پر عمل کیا جائے تو ایک مسلمان کے دین کے لیے کافی ہیں۔

پہلی حدیث :۔ اِنّمَا الأعمال بالنیات

دوسری حدیث :۔ من حُسنِ اسلام المرء ترکُہ مالا یعنیہ،

تیسری حدیث :۔ لا یکون المؤمن مومناً حتیٰ یرضی لاخیہ مایرضی لنفسہ

چوتھی حدیث :۔ الحلال بیّن والحرام بیّن۔

اس کتاب میں کوئی حدیث نہیں لکھی ہے جسے ترک کر چکے ہیں اور جس حدیث میں شدید وہن ہے میں نے اسے ظاہر کر دیا ہے اور جس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، یا میں نے جس حدیث کے بارے میں کچھ لکھا ہے وہ صالح ہے، اور ایسی حدیثوں میں صحت کے اعتبار ایک دوسرے سے بڑھی ہوئی ہیں یہ کتاب کسی سنّت رسول کے بارے میں تم کو مایوس نہیں کرے گی، میرے نزدیک قرآن کے بعد اس کتاب کا پڑھنا نہایت ضروری ہے، اگر کسی نے اس کتاب کے بعد کوئی کتاب نہیں پڑھی تو کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ باتیں اور اسی قسم کی مزید باتیں اس خط میں درج ہیں جسے امام ابوداؤد نے اہل مکہ کے یہاں بھیجا تھا۔

سنن ابوداؤد احکام کی جامعیت میں مشہور ہے، اس میں مرسل احادیث بکثرت ہیں، اور سفیان ثوری، اوزاعی، اور امام مالک کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے، ابن کثیر نے مختصر علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ سنن ابی داؤد کی کئی روایات ہیں اسی لئے بعض احادیث بعض نسخوں میں نہیں پائی جاتی ہیں۔

شروح سنن ابوداؤد

اس کی شرحیں بڑے بڑے علمائے امت نے لکھی ہیں، امام خطابی ۳۸۸ھ نے معالم السنن" کے نام سے مشہور شرح لکھی ہے۔

قطب الدین ابوبکر یمنی شافعی ۷۵۲ھ نے چار ضخیم جلدوں میں اس کی شرح لکھی ہے، ابوزرعہ احمد بن عبدالرحیم عراقی ۸۲۶ھ نے صرف سجود السہو تک سات جلدوں میں شرح کی، جو احادیث زائد علی الصحیحین ہیں ان کی شرح ابن الملقن نے دو جلدوں میں لکھی ہے، نیز اس کی ایک شرح شہاب الدین رملی ۸۴۴ھ نے لکھی ہے، اخیر دور میں ہندوستان میں اس کی مفصل شرحیں لکھی گئیں ایک بذل المجہود مولانا خلیل احمد انبیٹھوی ۱۳۴۶ھ کی، اور دوسری عون المعبود مولانا ابوالطیب شمس الحق عظیم آبادی سنہ ھ کی، دونوں شرحیں ہندوستان میں چھپ چکی ہیں بلکہ دوسری شرح مصر میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے، عون المعبود کی تالیف میں مولانا ابوالعلی عبدالرحمن مبارکپوری ۱۳۵۳ھ نے بھی کام کیا ہے۔

مختصرات سنن ابوداؤد

سنن ابی داؤد کا اختصار امام زکی الدین منذری ۶۵۶ھ نے المجتبیٰ کے نام سے کیا، جس کی شرح امام سیوطی نے زہرۃ الربا علی المجتبیٰ کے نام سے لکھی ہے، نیز امام ابن قیم جوزی حنبلی ۷۵۱ھ نے مختصر منذری کی شرح وتہذیب کی ہے۔ ابن قیم نے لکھا ہے کہ منذری نے اپنی مختصر میں حسن انتخاب سے کام لیا ہے اس لیے میں نے اس کی ترتیب وتہذیب کی، اور جن علل احادیث کے بارے میں سکوت تھا، میں نے ان پر گفتگو کی ہے نیز ان احادیث کی تصحیح اور مشکل متون کی تشریح میں تفصیل سے کام لیا ہے، یہ باتیں دوسری جگہ نہیں ملیں گی۔

سنن ابن ماجہ

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، علم حدیث کی طلب میں بڑے بڑے اسفار کئے اور بہت سے شہروں کا چکر کاٹا امام مالک اور امام لیث بن سعد کے تلامذہ سے احادیث کا سماع کیا اور بے شمار مخلوق نے آپ سے روایت کی، سہ شنبہ ۲۲ رمضان ۲۷۳ھ کو انتقال فرمایا۔

بعض ائمہ نے حدیث کی پانچ کتابوں کو اصولِ سنت قرار دیا ہے یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابوداؤد، اور بعض دوسرے حفاظِ حدیث نے سنن ابن ماجہ کو ملا کر چھ کتابوں کو اصول

Marfat.com

سنت مانا ہے، ان میں سب سے پہلے ابن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ ہیں، اسی کو حافظ عبد الغنی ۶۰۰ھ نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں اختیار کیا ہے، صحاح ستہ میں موطا امام مالک کو چھوڑ کر سنن ابن ماجہ کو لینے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بقیہ پانچوں کتابوں سے زوائد کثرت سے ہیں۔ بعض علماء کی رائے میں صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کے بجائے سنن دارمی ہونی چاہئے کیونکہ سنن دارمی میں اگرچہ مرسل، اور موقوف احادیث زیادہ ہیں لیکن ضعیف و شاذ اور منکر احادیث بہت کم ہیں، اور رزین سرقسطی ۵۳۵ھ اور بعض دوسرے علمائے کبار نے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب موطا امام مالک کو مانا ہے، ابن اثیر وغیرہ کا یہی خیال ہے۔

حافظ مزی کا قول ہے کہ سنن ابن ماجہ میں جو احادیث پانچوں کتب حدیث سے منفرد ہیں وہ ضعیف ہیں لیکن حافظ ابن حجر نے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا ہے، ان کا قول ہے کہ ابن ماجہ بہت سی احادیث میں منفرد ہیں اور وہ احادیث صحیح ہیں، اس لئے ابن ماجہ کی احادیث میں ضعف ان کی انفرادیت کی وجہ سے نہیں بلکہ رجال کے ضعف کی وجہ سے ہونا چاہئے۔

شروحِ سننِ ابن ماجہ امام کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری شافعی ۸۰۸ھ نے الدیباجہ کے نام سے پانچ جلدوں میں سنن ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے، لیکن تکمیل سے پہلے فوت ہو گئے، ابراہیم بن محمد حلبی ۸۴۱ھ نے ایک شرح لکھی، اور جلال الدین سیوطی نے مصباح الزجاجۃ کے نام سے شرح لکھی، عمر بن علی بن الملقن نے اس کی کتب خمسہ سے زائد احادیث کی شرح آٹھ جلدوں میں لکھی جس کا نام "ماتمس الیہ الحاجۃ علی سنن ابن ماجہ" رکھا، ہندوستانی علماء میں شیخ محمد حیات سندی مدنی نے ایک شرح لکھی، اور محدث محمد عبد الغنی مجددی ۱۲۹۶ھ نے انجاح الحاجۃ لکھی۔

سُنَنِ نسائی امام احمد بن شعیب نسائی خراسانی ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، آپ نے خراسان حجاز، عراق، مصر، شام، اور جزیرہ وغیرہ کا علمی سفر کیا اور شیوخ زمانہ سے حدیث کی روایت کی، حدیث کی معرفت علوِ اسناد اور اتقان میں منفرد تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ کا حافظہ امام مسلم کے حافظہ سے بڑھا ہوا تھا، دوشنبہ ۱۳ صفر ۳۰۳ھ کو مقام رملہ میں فوت

Marfat.com

ہوئے، اور بیت المقدس میں دفن کیے گئے، ایک روایت یہ ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں دفن کیے گئے

سنن نسائی کا اصل نام المجتبیٰ ہے، جس وقت امام نسائی نے اپنی کتاب السنن الکبریٰ لکھ کر رملہ کے امیر کی خدمت میں پیش کیا اس نے سوال کیا کہ کیا اس کتاب کی تمام حدیثیں صحیح ہیں؛ آپ نے جواب دیا کہ اس میں صحیح، حسن وغیرہ ہر قسم کی احادیث ہیں، اس پر امیر رملہ نے خواہش ظاہر کی کہ آپ اس میں سے صحیح احادیث کو علیحدہ کر دیں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور اس کا نام المجتبیٰ من السنن رکھا، اس میں ضعیف احادیث بہت کم ہیں۔

شروح سنن نسائی

امام سیوطی نے اس کی ایک مختصر شرح لکھی ہے، اور شیخ ابو محسن محمد بن عبدالہادی حنفی سندی مدنی ۱۱۳۸ھ نے بھی ایک شرح لکھی ہے جو سیوطی کی شرح سے طویل ہے، سراج الدین عمر بن علی بن الملقن شافعی نے ایک جلد میں اس کی ان صحیح احادیث کی شرح لکھی ہے جو کہ صحیحین، ابوداؤد اور ترمذی سے زائد ہیں، سیوطی اور سندی کی شرحوں کے ساتھ سنن نسائی ہندوستان میں دوبار چھپ چکی ہے،

صحاح ستہ کے علاوہ کتب احادیث

امام نووی کا قول ہے کہ اصول خمسہ بخاری و مسلم وغیرہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان سے صحاح احادیث بہت کم باقی رہ سکی ہیں، پھر بھی یہ حقیقت ہے کہ صحاح ستہ میں تمام صحاح کا استیعاب نہیں ہوسکا ہے، اور محدثین نے بے شمار کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں صحاح احادیث کو درج کیا ہے، ذیل میں چند مشہور جوامع اور صحاح کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن میں سے اکثر کتابیں تیسری صدی میں لکھی گئی ہیں اور کچھ چوتھی صدی کی ابتداء کی ہیں؛

۱
صحیح ابن خزیمہ نیساپوری ۳۱۱ھ، یہ کتاب صحت کے اعتبار سے ابن خزیمہ کے تلمیذ ابن حبان کی صحیح سے بڑھی ہوئی ہے، اس میں ابن خزیمہ نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، حتیٰ کہ سندوں میں معمولی کلام کی وجہ سے حدیث کی صحت کے قائل ہونے میں توقف کیا ہے۔

۲
صحیح ابن حبان ابوحاتم محمد بن حبان بستی ۳۵۴ھ کا نام التقاسیم والانواع ہے، مگر

Marfat.com

اس میں احادیث کی تلاش میں سخت دقت پیش آتی ہے، اس کی ترتیب نہ فقہی ابواب پر ہے اور نہ مسانید پر ہے، اسی لئے ابن الملقن نے اسے ترتیب دیا ہے، ابوالحسن ہیتمی نے اس کی ان احادیث کی تجرید کی ہے، جو صحیحین سے زائد ہیں، بعضوں کا قول ہے کہ ابن حبان نے احادیث کی تصحیح میں تساہل سے کام لیا ہے لیکن ان کا یہ تساہل حاکم کے مستدرک میں تساہل سے کم ہے، یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ رہی ہے۔ صحیح ابی عوانہ[3]، ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق ۳۱۶ھ صحیح[4] المنتقی ابن سکن محمد بن عثمان ۳۵۳ھ حیدرآباد میں چھپ چکی ہے، المنتقی فی الاحکام[5] ابن الجارود عبداللہ بن علی ۳۰۷ھ، یہ کتاب مصر میں طبع ہو چکی ہے، المنتقی فی الآثار[6] قاسم بن اصبغ محدث اندلس ۳۴۰ھ المختارہ، محمد بن عبدالواحد مقدسی ۶۴۳ھ، مقدسی نے اس کتاب میں صحت کا پورا پورا التزام کیا ہے، انھوں نے ایسی احادیث کی تصحیح کی ہے جو متقدمین کو معلوم نہیں تھیں، افسوس کہ یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی، بعض حفاظ نے اسے مستدرک حاکم پر ترجیح دی ہے۔

صحاح ستہ وغیرہ پر کتب اطراف

جن کتابوں میں حدیث کا ایک ٹکڑا ذکر کر دیا جائے جس سے پوری حدیث کا پتہ چل جائے اور اس کی سندوں کو پورے طور سے یا کسی خاص کتاب سے بیان کر دیا جائے، ان کو کتبِ اطراف کہتے ہیں، صحاح ستہ کے اطراف پر بکثرت کتابیں لکھی گئی ہیں، ہم یہاں ایسی چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ان میں بعض دیگر اہم کتابوں کے اطراف پر شامل ہیں اطراف الصحیحین پر حافظ ابراہیم بن محمد بن عبید دمشقی ۴۰۰ھ اور ابومحمد خلف بن محمد واسطی ۴۰۱ھ نے کتابیں لکھی ہیں ابن عساکر کا قول ہے کہ ان دونوں میں خلف کی کتاب اچھی ہے، اس کی ترتیب بہتر ہے اور وہم وخطا بھی اس میں کم ہے، اس کا قلمی نسخہ مصر میں چار جلدوں میں موجود ہے۔ نیز اطراف الصحیحین پر حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی ۴۳۰ھ اور حافظ ابوالفضل ابن ح عسقلانی نے کتابیں لکھی ہیں۔

Marfat.com

سنن اربعہ کے اطراف کو ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر دمشقی ۵۷۱ھ نے حروف معجم کی ترتیب پر چار جلدوں میں جمع کیا ہے، اور اس کا نام الاشراف علی معرفۃ الاطراف رکھا۔

کتب ستہ کے اطراف پر محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ نے ایک کتاب بنام "اطراف الغرائب والافراد" لکھی جس میں صحیحین اور سنن اربعہ کے اطراف کو جمع کیا ہے، اس کے بارے میں ابن عساکر نے الاشراف کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اسے بغور پڑھا تو اوہام بہ کثرت ملے۔ اور ترتیب بھی اچھی نہیں ہے، اسی لیے ابن عساکر نے الاشراف لکھی اور حافظ محمد بن علی دمشقی ۷۶۵ھ نے اس کی تلخیص کی، اور ترتیب کو بہتر بنایا، اطراف صحاح ستہ پر حافظ یوسف بن عبد الرحمٰن مزی نے ایک کتاب لکھی، مگر اس میں اوہام زیادہ تھے جن کو ابو زرعہ احمد بن عبد الرحیم نے جمع کر دیا ہے، مزی کی کتاب الاطراف کو علامہ ذہبی اور محمد بن علی دمشقی نے مختصر کیا ہے ابن الملقن نے بھی ایک کتاب بنام الاشراف علی اطراف الستۃ لکھی، حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرۃ باطراف العشرۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کی احادیث کے اطراف کو جمع کیا، یہ کتاب آٹھ جلدوں میں ہے، اور حافظ ابن حجر نے اطراف المسند المعتلی کے نام سے دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے۔

Marfat.com

علومِ حدیث

علمِ غریب الحدیث

محدثین کی اصطلاح میں غریب ایسے کلام کو کہتے ہیں جو مطلب اور منشاء کے اعتبار سے بعید الفہم ہو، اور غور و خوض اور لغت کی مراجعت کے بعد سمجھ میں آئے، علم غریب الحدیث کی تاریخی وضاحت کے لیے ہم علامہ ابن اثیرؒ کی کتاب النہایہ کی ابتدائی بحث کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عہدِ رسالت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افصح العرب ہیں، فصلِ خطاب آپ کا امتیازی مقام ہے، اختلاف لغات، فرق لہجات اور کثرتِ قبائل و شعوب کے باوجود عرب آپ کے مخاطب اوّل تھے، ان میں سے ہر شخص آپ کی گفتگو سمجھتا تھا، خدمت نبوی میں حاضر باش صحابہ کرام اور باہر سے آنے والے بدوی و حضری وفود آپ کے کلام کا مفہوم سمجھ جاتے تھے، اور جس بات کو نہ سمجھتے آپ سے دریافت کرتے، اور آپ بتا دیتے تھے، احادیثِ نبویہ کے تفہیم و تفہم کا یہ طریقہ آپ کی حیاتِ طیبہ تک جاری رہا۔

عہدِ صحابہ

آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں بھی تقریباً یہی طریقہ رائج تھا، عربی زبان صحابہ کے دور تک دخیل و جدید اور معرب الفاظ سے محفوظ تھی، اور جب عرب فاتحین و مبلغین مختلف بلاد و امصار میں گئے اور روم، فارس، نبط اور حبش وغیرہ غیر اجناس سے ملے، اور ان کے ملکوں کو فتح کر کے ان میں اپنے علوم و معارف پھیلائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ زبانوں میں اختلاط ہوا، عربی زبان دوسری زبانوں سے متاثر ہوئی

Marfat.com

غیر عرب مسلمان ہوئے ان کی اولاد نے عربی علوم کی تحصیل کی غرض سے بقدر ضرورت عربی زبان سیکھی اس کے جو الفاظ و محاورات ان کے نزدیک اہم اور ضروری تھے، ان کو سیکھا اور جو لغات و محاورات اور کلمات ان کے نزدیک غیر ضروری تھے، ان کو حاصل نہ کر سکے، عہد صحابہ تک یہ معاملہ یونہی چلتا رہا اور صحابہ کرام اس دور کی ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتے رہے۔

عہد تابعین اس کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا دور آیا اور وہ حضرات بھی اس معاملہ میں صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے رہے، حالانکہ تابعین عربی لغات و محاورات میں عام طور سے صحابہ سے کم درجہ رکھتے تھے، ابھی کیا رتابعین کا زمانہ (۱۵۰ھ تک) گذرنے نہ پایا تھا کہ عجم کی فتوحات و تعلقات کی وجہ سے عربی زبان میں عجمیت کے اثرات ظاہر ہونے لگے، اور خالص عربی زبان کے جاننے والے اور اس کے محافظ خال خال رہ گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ خالص عربیت کے الفاظ و محاورات سے غافل ہو گئے اور جو غریب و مشکل الفاظ عام طور سے عصر اوّل میں مستعمل تھے، اور جن کا جاننا متاخرین کے لیے ضروری تھا ان سے لوگ رفتہ رفتہ نا آشنا ہو گئے۔

دوسری صدی جب اس غفلت یا لسانی انحطاط کی وجہ سے احادیث نبویہ کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہونے لگی، تو کچھ حضرات نے اس صورتِ حال کے مقابلہ کے لیے حدیث کے غریب الفاظ میں کتابیں لکھیں اور ان کی توضیح و تشریح کی، کہا جاتا ہے کہ اس فن میں تصنیف کی اوّلیت کا سہرا ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ بصری ۲۱۰ھ کے سر ہے جنہوں نے حدیث و اثر کے غریب الفاظ کو ایک چھوٹی سی کتاب میں جمع کیا، کیونکہ اس وقت تک لوگوں میں غریب الفاظ سے لاعلمی بہت زیادہ نہیں تھی، دوسرے یہ کہ اس فن کی یہ پہلی کتاب تھی، اور ہر فن کی ابتدائی کتاب اسی قسم کی ہوتی ہے پھر بعد میں اس میں ضخیم کتابیں لکھی جاتی ہیں جیسا کہ اس فن میں بھی ہوا، اس کے بعد ابوالحسن نضر بن شمیل مازنی ۲۰۳ھ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی جو ابو عبیدہ کی کتاب سے بڑی تھی اور مختصر ہونے کے باوجود اس میں تفصیل تھی۔

اس کے بعد عبد الملک بن قریب اصمعی ۲۱۳ھ نے ایک کتاب لکھی، جس میں ابو عبیدہ

کی کتاب سے زیادہ غریب الفاظ تھے، اصمعی کی یہ کتاب بہت عمدہ تھی۔ اس کے بعد ائمۂ لغت وفقہ نے چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں جن میں احادیث کے معانی ولغات پر کلام کیا، لیکن ان کتابوں میں تقریباً ایک ہی قسم کی حدیثیں ہوا کرتی تھیں، اور اس دور کا کوئی مصنف اس فن میں امتیازی درجہ نہ پاسکا، یہ حضرات امام لغت قطرب ۲۰۶ھ کے طبقہ سے تھے۔

تیسری صدی

دوسری صدی تک غریب الحدیث میں تصنیف وتالیف کا یہی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ تیسری صدی میں امام ابوعبیدہ قاسم بن سلام ۲۲۴ھ کا زمانہ آیا اور انہوں نے اپنی مشہور کتاب غریب الحدیث لکھی، اس تصنیف میں امام موصوف نے اپنی زندگی ختم کردی اور چالیس سال کی مدت میں یہ کتاب لکھی، جو اس باب میں نہایت بہتر مانی گئی ہے، اور اس میں بہت سی احادیث وآثار کے معانی وفوائد پر سیر حاصل بحث ہے، ابوعبیدہ کا خیال ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں تمام اہم غرائب کو جمع کردیا ہے، یہ کتاب علمائے حدیث و فقہ میں نہایت مقبول ہوئی، دنیا میں پہلی بار ۱۳۸۷ھ میں چہار جلدوں میں حیدرآباد سے طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔

اس کے بعد ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ۲۷۶ھ کا زمانہ آیا تو ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب غریب الحدیث لکھی اس میں انہوں نے ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب سے بقدر ضرورت ہی اخذ واستفادہ کیا ہے، یہ کتاب ابوعبیدہ کی کتاب کے مثل یا اس سے بڑھ کر مانی گئی، ابن قتیبہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مجھے امید ہے کہ ان دونوں کتابوں کے بعد غریب احادیث کے لیے مزید گفتگو کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، یہ کتاب بھی حال ہی میں مصر سے چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

اس کے بعد ابن قتیبہ کے معاصر امام ابراہیم بن اسحاق حربی ۲۸۵ھ نے ایک کتاب لکھی جس میں متون اور اسانید کا ذکر نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کے بعد اس فن میں لوگوں نے کثرت سے کتابیں لکھی ہیں، جن میں مبرد ۲۸۵ھ، ثعلب ۲۹۱ھ، محمد بن قاسم انباری ۳۲۸ھ، سلمہ بن عاصم نحوی ۔۔۔ھ، عبدالملک بن حبیب مالکی ۔۔۔ھ، محمد بن حبیب بغدادی ۔۔۔ھ

وغیرہ ائمہ نحو ولغت اور ماہرین حدیث وفقہ کی کتابیں زیادہ مشہور رہیں۔

چوتھی صدی

امام محمد بن احمد خطابی ۳۸۸ھ تک اس فن کی یہی تصنیفی رفتار رہی اور امام موصوف نے بھی اپنی مشہور کتاب غریب الحدیث لکھی جس میں ابو عبیدہ اور ابن قتیبہ کا انداز و اسلوب اختیار کیا، اور کوشش کی کہ ان دونوں ائمہ کی کتابوں میں جو حدیثیں ہیں انہیں بھی جمع کر دیں چنانچہ احادیث و آثار کے غرائب میں یہی تینوں کتابیں اُمّہاتِ کتب مانی گئیں اور علماء میں مقبول ہو کر معتمد ٹھہریں، اگر یہ تینوں اور دوسری کتابیں جو اس فن میں لکھی گئی تھیں یوں ترتیب وار نہیں تھیں کہ آدمی جو حدیث چاہے آسانی سے تلاش کر لے، امام حربی کی کتاب اگرچہ ترتیب وار تھی مگر طوالت اور مشکل ترتیب کی وجہ سے حدیثوں کی تلاش اس میں بھی مشکل تھی۔

اس کے بعد امام خطابی کے معاصر اور ان کے طبقہ کے مشہور عالم ابو عبید اہروی ۴۰۱ھ نے ایک کتاب لکھی جس میں قرآن و حدیث کے مشکل و غریب الفاظ کو جمع کیا، اور اپنے پیش روؤں سے الگ راہ اختیار کر کے عمدہ ترتیب قائم کی، اور لغت کے مشکل و غریب الفاظ کو حروف معجم کی ترتیب پر جمع کیا، اس میں قدماء کی کتابوں کی طرح متون و اسانید کی بھرمار نہ تھی، قدماء کی تمام غریب حدیثوں کے ساتھ اضافہ بھی کیا، البتہ غریب الالفاظ ہونے کی وجہ سے ایک حدیث کو مختلف مقامات میں بیان کیا، اس کے باوجود یہ کتاب علماء کے نزدیک وضع و احاطہ کے اعتبار سے بڑی شہرت و اعتماد کی مالک ہوئی اور بعد کے لوگوں نے اس پر استدراک لکھا اور اسی کے اسلوب پر اور کتابیں لکھی گئیں۔

بعد کی کتابیں

بعد میں بھی اس فن میں تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ علامہ ابو القاسم محمود بن عمر جار اللہ زمخشری معتزلی ۵۳۸ھ نے الفائق تصنیف کی، جو اپنے موضوع پر نہایت کامیاب کتاب ہے، علامہ نے اس کی ترتیب مقفّٰی حروف پر رکھی، اور ایک لفظ کی مناسبت سے ایک ہی حدیث کو متعدد مقامات میں بیان کر کے اس کے غریب الفاظ کی توضیح و تخریج کی، اس لیے اس کتاب میں بھی احادیث کی تخریج و تلاش مشکل تھی، اسی وجہ سے امام

ہروی کی کتاب اس بارے میں الفائق سے زیادہ بہتر مانی گئی ہے حالانکہ ہروی کی کتاب میں بھی ایک حدیث کے الفاظ مختلف مقامات پر آئے ہیں۔

اسی طرح ابوموسی محمد بن ابوبکر مدینی اصفہانی ۵۸۱ھ نے ایک کتاب لکھی جس میں قرآن و حدیث کے ان غریب الفاظ کو جو ہروی کی کتاب میں نہیں آسکے تھے، ان ہی کے طرز پر جمع کیا، نیز ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی ۵۹۷ھ نے ایک کتاب میں صرف احادیث کے غریب الفاظ کو جمع کیا، اور اس میں امام ہروی کا طریقہ اختیار کیا ابن جوزی کی کتاب ہروی کی کتاب سے مختصر ہے، انھوں نے معمولی اضافہ کیا ہے بخلاف ابوموسیٰ مدینی کے کہ انھوں نے ہروی کی کتاب سے بہت کم اخذ و استفادہ کیا ہے، بلکہ مستقل کتاب لکھی ہے۔

اس کے بعد علامہ مجدالدین ابن اثیر ۶۰۶ھ نے اس فن میں اپنی کتاب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر لکھی، انھوں نے اس میں ہروی اور ابوموسیٰ کی کتابوں کو جمع کر کے صحاح، سنن، جوامع مصنفات اور مسانید سے مزید اضافہ کیا اور ہروی کے حوالہ کے لیے "ہ" اور ابوموسیٰ کے لیے "س" مقرر کیا، بعد میں محمود بن ابوبکر ارموی ۷۲۳ھ نے نہایہ پر ذیل کے طور پر ایک کتاب لکھی، اور علی بن محمد صفوی ۷۲۳ھ نے اس کا اختصار کیا جو تقریباً نہایہ کا نصف ہے، امام جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ نے نہایہ کی ایک تلخیص الدر النثیر تلخیص نہایۃ ابن الاثیر کے نام سے لکھی، نیز سیوطی نے نہایہ پر تذییل اور تذنیب بھی لکھی اس موضوع پر سب سے زیادہ جامع اور انفع کتاب مجمع بحار الانوار شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی گجراتی کی ہے، علامہ محمد طاہر نے اس کتاب میں گزشتہ تمام کتابوں کا نچوڑ جمع کر کے مزید مفید اضافے کئے، اور اپنی تصنیف کے زمانہ ہی سے یہ کتاب علماء و محدثین میں معتبر مستند مانی گئی اور متداول رہی، واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کی وجہ سے علامہ گجراتی کا احسان عظیم علماء پر ہے، متعدد بار ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔ مگر افسوس کہ اس میں مطبعی اغلاط بہت زیادہ ہیں اور اب حجاز کے پٹنی تجار کی طرف سے حیدرآباد میں تحقیق و تصحیح کے بعد چھپ رہی ہے۔

Marfat.com

علم اسماء الرجال

اسماء الرجال کا علم نہایت مہتم بالشان بلکہ حدیث کا نصف علم ہے، کیونکہ حدیث متن اور سند کا نام ہے، اور اسماء الرجال سند کے رواۃ و رجال کی معرفت کا نام ہے، اس علم میں مختلف انواع ہیں جن میں بے شمار کتابیں ہیں جن میں سے بعض میں صرف صحابہ کرام کا تذکرہ ہے، بعض میں عام رواۃ حدیث کا حال ہے، بعض خاص قسم رواۃ کے حال میں ہیں جیسے ثقات، ضعفاء، حفاظ مدلسین، وضاعین، بعض کتابوں میں راویوں کے صرف اسماء و انساب ہوتے ہیں، یا صرف وفیات کا ذکر ہوتا ہے، اور بعض کتابیں موتلف و مختلف اور متفق و مفترق کے موضوع پر ہوتی ہیں،

اسماء الصحابہ صحابہ کے حالات میں سب سے پہلے امام بخاری سنہ ۲۵۶ھ نے مستقل کتاب لکھی جس میں اسماء صحابہ کو ذکر کیا۔ اس کے بعد امام بخاری کے مشائخ کے طبقہ کی ایک جماعت نے اسماء صحابہ کے ساتھ اپنے شیوخ کا ذکر کیا، چنانچہ ماہر انساب محدث خلیفہ بن خیاط سنہ ۲۴۰ھ اور محمد بن سعد واقدی سنہ ۲۳۰ھ نے طبقات کے نام سے اس فن میں کتابیں لکھیں، تاریخ کبیر امام بخاری حیدرآباد میں، طبقات ابن سعد یورپ اور بیروت میں اور طبقات خلیفہ شام میں تینوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں، نیز واقدی اور خلیفہ کے معاصرین میں یعقوب بن سفیان سنہ ۲۷۷ھ اور ابوبکر بن ابی خیثمہ سنہ ۲۷۹ھ نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔

اس کے بعد علماء کی ایک جماعت نے خاص طور سے صحابہ کے حالات میں کتابیں تصنیف کیں، جن میں حافظ عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغوی سنہ ۳۱۷ھ، حافظ ابوبکر عبداللہ بن ابوداؤد سنہ ۳۱۶ھ علی بن السکن سنہ ۳۵۳ھ، ابوبکر عمر بن احمد المعروف بہ ابن شاہین سنہ ۳۸۵ھ، ابومنصور باوردی سنہ ھ ابوحاتم رازی سنہ ھ، ابن حبان سنہ ۳۵۴ھ، سلیمان بن احمد طبرانی سنہ ۳۶۰ھ اور عبداللہ بن مندہ سنہ ۳۵۵ھ اور حافظ ابونعیم سنہ ۴۶۳ھ زیادہ مشہور ہیں۔

Marfat.com

پھر ابو یوسف عمر بن عبد البر اندلسی ۴۶۳ھ نے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" لکھی،
امام ابن عبد البر کا خیال تھا کہ انھوں نے اپنے دور سے پہلے کے مصنفین کی کتابوں کے جملہ
محتویات کا استیعاب کر لیا ہے، مگر اس کتاب میں سب صحابہ کے حالات نہ
آسکے، اور بہت سے غیر صحابی کے حالات آگئے، اس لیے کئی علماء نے الاستیعاب
کا ذیل لکھا، ان میں ابو بکر بن فتحون ۵۱۹ھ کا ذیل بہت طویل تھا، الاستیعاب حیدر آباد میں
طبع ہو چکی ہے، اسی طرح ابو موسیٰ مدینی ۵۸۱ھ نے ابن مندہ کی کتاب کا ذیل لکھا، اور ساتویں
صدی تک ان دونوں حضرات کی کتابوں پر ذیل لکھنے کا سلسلہ جاری رہا کہ اسی درمیان میں
علامہ ابن اثیر ۶۳۰ھ نے ایک بڑی کتاب اُسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ" کے نام سے تصنیف
کی جو کئی جلدوں میں ہے، اس میں متقدمین کے جملہ محتویات کو درج کر دیا، مگر اسی کے ساتھ ان
کی کتابوں کے اوہام کو بھی ذکر کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے صحابی کا تذکرہ کرنا رہ گیا اور بہت
سے غیر صحابی کا ذکر آگیا، اور علامہ ذہبی ۷۴۸ھ نے اسد الغابہ کے اسماء کی تجرید کر کے اس میں کچھ
اضافہ بھی کیا، اور اوہام پر تنبیہ بھی کی، پھر بھی ذہبی کی یہ کتاب اس بارے میں کامل و مکمل نہ ہو سکی
اسد الغابہ مصر میں چھپی ہے اور اسی کا فوٹو اصفہان میں چھپا ہے مگر متعدد مقامات پر حاشیہ پر
ایسی عبارتیں درج کر دی گئی ہیں جن سے شیعیت کے حق میں ذہن سازی ہوتی ہے، اس کا اردو
ترجمہ مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی نے کیا ہے جو چھپ گیا ہے، اور تجرید اسماء الصحابہ
حیدر آباد میں چھپی ہے، اور اسی کی نقل بمبئی میں ہوئی ہے۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ نے آٹھ جلدوں میں " الاصابہ فی تمییز الصحابہ" لکھی جس
میں الاستیعاب اور اسد الغابہ اور ان کے تمام ذیول کو جمع کرنے کے ساتھ ساتھ بہت
سے اسماء کا اضافہ کیا، اوہام و اغلاط کی نشاندہی کی، اور ترتیب و تہذیب کا پورا اہتمام کیا،
ابن حجر کے تلمیذ رشید علامہ جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ نے عین الاصابہ کے نام سے الاصابہ
کی تلخیص کی،

Marfat.com

یہ عام صحابہ کے حالات میں کتابیں ہیں، مخصوص صحابہ کے تذکرہ میں بھی کتابیں لکھی گئیں، چنانچہ بخاری وسلم نے ایسے صحابہ کے حالات لکھے جن سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے، اور امام یحییٰ ابن عبدالوہاب بن منده اصفہانی ۵۱۱ھ نے ایک کتاب ان صحابہ کے حالات میں تصنیف کی جو ایک سو بیس سال تک زندہ رہے، اور راقم نے "العقد الثمین فی فتوح الهند، ومن ورد فیها من الصحابۃ والتابعین" لکھی جس میں ان صحابہ کے حالات بھی ہیں جو غزوات و فتوحات کے سلسلے میں ہندوستان میں تشریف لائے، اسماء الرجال پر مسلمانوں نے بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں اور اس فن میں بھی دنیا کی کوئی قدیم و جدید قوم ان کی ہمسری نہیں کرسکتی ہے، احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خاطر مسلمانوں نے چار لاکھ سے زائد راویوں اور عالموں کے حالات قلم بند کئے ہیں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

علم جرح وتعدیل

اس علم میں رجال و رواۃ حدیث کے احوال سے خاص خاص الفاظ میں بحث کی جاتی ہے جن سے ان راویوں کے درجات و مراتب معلوم ہوتے ہیں، رجال کے بارے میں جرح وتعدیل کے الفاظ رسول صلے اللہ علیہ وسلم اور بہت سے صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں، اس کا مقصد لوگوں پر طعن و تشنیع ہرگز نہیں ہے، بلکہ صیانتِ حدیث کے لیے ان کے راویوں کی جانچ پڑتال کی گئی ہے اور یہ جائز ہے، اور جس طرح گواہوں کی جرح ہوتی ہے اسی طرح رواۃِ حدیث کی جرح ہوتی ہے، بلکہ ذاتی حقوق و اموال کی حفاظت و صیانت سے زیادہ ضروری امر عام دینی معاملات کی دیکھ بھال ہے

پہلی صدی

اس فن میں بہت سے علماء و محدثین کے اقوال اور کلام ہیں، ان کا احصار دشوار ہے، ابن عدی ۳۶۵ھ نے اپنی کتاب الکامل کے مقدمہ میں اپنے زمانہ تک کے ائمۂ جرح وتعدیل کے نام دیئے ہیں، قرن اول میں حضرات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس ۶۸ھ، حضرت عبادہ ابن صامت ۳۴ھ حضرت انس بن مالک ۹۳ھ، اور تابعین میں

امام شعبی سنہ ۱۰۳ھ، امام محمد بن سیرین سنہ ۱۱۰ھ، اور امام سعید بن مسیب بعد سنہ ۹۰ھ ائمہ جرح و تعدیل ہیں، یہ حضرات بعد کے ائمہ جرح و تعدیل کے مقابلہ میں بہت کم ہیں، وجہ یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ سے حدیث کی روایت کی اور تمام صحابہ عادل و ثقہ ہیں، اور غیر صحابہ یعنی تابعین بھی ثقات ہی سے ہیں، اس دور میں کوئی غیر ثقہ راوی مشکل ہی سے ملے گا۔

دوسری صدی

البتہ دوسری صدی کے درمیانی طبقہ کے تابعین میں کچھ ضعفاء پیدا ہو گئے یعنی احادیث اور ضبط و تدوین کے سلسلہ میں ان میں کچھ ضعیف آگیا اور انھوں نے مراسیل کی روایت کی، موقوف احادیث کو مرفوع سمجھ کر بیان کیا، ورنہ وہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے ضعفاء میں نہیں تھے اور ان حضرات میں کوئی کمی نہیں تھی، بلکہ ان کی روایت کے طریقے کچھ ضعیف تھے، ان میں ابو ہارون عبدری سنہ ۱۴۳ھ وغیرہ شامل ہیں، تابعین عظام کے آخری طبقہ کے زمانہ میں (حدود سنہ ۱۵۰ء) ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے کھل کر جرح و تعدیل میں کلام کیا، امام اعمش سنہ ۱۴۸ھ نے ایک جماعت کی تضعیف اور دوسری جماعت کی توثیق کی، شعبہ سنہ ھ نے رجالِ حدیث میں غور کر کے کلام کیا، شعبہ نہایت ثقہ تھے، اور عموماً ثقہ راویوں سے روایت کرتے تھے، اسی طرح امام مالک سنہ ۱۷۹ھ نے بھی اس فن میں کلام کیا، اس دور میں معمر سنہ ۱۵۳ھ، ہشام دستوائی سنہ ۱۵۴ھ، اوزاعی سنہ ۱۵۶ھ، سفیان ثوری سنہ ۱۶۱ھ، ابن ماجشون سنہ ۱۱۳ حماد بن سلمہ سنہ ۱۶۷ھ، لیث بن سعد سنہ ۱۷۵ھ وغیرہ نے رواۃ حدیث میں کلام کیا۔

اس طبقہ کے بعد عبد اللہ بن مبارک سنہ ۱۸۱ھ، ہشیم بن بشیر سنہ ۱۸۳ھ، ابو اسحٰق فزاری سنہ ۱۸۵ معافی بن عمران موصلی سنہ ۱۸۵ھ، بشر بن مفضل سنہ ۱۸۶ھ اور سفیان بن عیینہ سنہ ۱۹۷ھ وغیرہ تھے ان ائمہ کے زمانہ میں ائمہ جرح و تعدیل کا ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا جس میں ابن علیہ سنہ ۱۹۳ ابن وہب سنہ ۱۹۷ھ اور وکیع بن جراح سنہ ۱۹۷ھ وغیرہ تھے، اس دور میں جرح و تعدیل کے دو جلیل القدر امام پیدا ہوئے، یحییٰ بن سعید القطان سنہ ۱۸۹ھ اور عبد الرحمٰن بن مہدی سنہ ۱۹۸ھ، ان دونوں اماموں پر علمائے حدیث نے اس بارے میں پورا اعتماد کیا، اور جسے انھوں نے مجروح

یا ثقہ قرار دیا وہ امت کے نزدیک مجروح یا ثقہ مانا گیا، اور جس کے بارے میں انھوں نے اختلاف کیا اس کے بارے میں امت نے ان کے رجحان پر عمل کیا۔

تیسری صدی

اس کے بعد اس فن میں ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا، جو مرجع ٹھہرا، اس میں یزید بن ہارون ۲۰۶ھ، ابوداؤد طیالسی ۲۰۴ھ، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی ۲۱۱ھ، ابوعاصم ضحاک بن نبیل بن مخلد ۲۱۲ھ شامل ہیں، اس کے بعد علم جرح و تعدیل میں مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا جن میں رُواۃ حدیث کے حالات بلاکم و کاست ظاہر کئے گئے، اس دور میں اس فن کی سیادت ایک جماعت کو ملی جس میں یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ وغیرہ شامل ہیں، بعض رجال کے متعلق ابن معین کے الفاظ جرح و تعدیل مختلف ہیں، ان ہی کے طبقہ میں امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ ہیں، آپ کے تلامذہ نے رجال حدیث کے بارے میں سوالات کئے اور آپ نے اظہار خیال فرمایا، امام احمد کی کتاب العلل و معرفۃ الرجال ان کے صاحبزادے عبداللہ کی روایات سے ہے [illegible] اور ترکی میں چھپی ہے، محمد بن سعد واقدی ۲۳۰ھ نے الطبقات الکبریٰ میں رجال پر گفتگو کی ہے، اور ان کا کلام اس بارے میں مستند مانا جاتا ہے، ابوخیثمہ زہیر بن حرب ۲۳۴ھ نے بھی جرح و تعدیل کے باب میں کلام کیا ہے، حافظ جزیرہ ابوجعفر عبداللہ بن محمد النفیلی بھی اس فن کے مستند عالم تھے، ان کے متعلق ابوداؤد کا قول ہے میں نے ان سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں دیکھا، علی بن مدینی ۲۳۴ھ کی عِلَل اور رجال پر کئی کتابیں ہیں، محمد بن عبداللہ بن نمیر ۲۳۴ھ، ابوبکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ، عبداللہ بن عمر و قواریری ۲۳۵ھ، امام خراسان اسحٰق بن راہویہ ۲۳۸ھ، حافظ ابوجعفر محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی ۲۴۲ھ حافظ مصر احمد بن صالح ۲۴۸ھ ہارون بن عبداللہ حمال ۲۴۳ھ، یہ تمام حضرات ائمہ جرح و تعدیل ہیں، اور راویوں کے بارے میں ان کے اقوال مستند و معتبر مانے جاتے ہیں ان ہی حضرات سے متصل اس فن میں ایک اور طبقہ پیدا ہوا جس میں امام اسحاق کوسج ۲۵۱ھ امام دارمی ۲۵۵ھ، امام بخاری ۲۵۶ھ اور نزیل مغرب حافظ عجلی ۲۶۱ھ شامل ہیں، اس کے بعد

Marfat.com

کے طبقہ میں ابوزرعہ رازی ۲۶۴ھ، ابوحاتم رازی ۲۷۷ھ، امام مسلم ۲۶۱ھ، ابوداؤد سجستا
۲۷۵ھ، بقی بن مخلد ۲۷۶ھ، ابوزرعہ دمشقی ۲۸۱ھ وغیرہ ہیں، پھر عبدالرحمٰن بن یوسف
بغدادی علم حدیث کی معرفت وجامعیت میں ابوحاتم رازی کے ہم پایہ ہیں، ابراہیم بن اسحٰق
حربی ۲۸۵ھ، محمد بن وضاح ۲۹۰ھ حافظ قرطبہ ابوبکر بن ابی عاصم ۲۸۷ھ، عبداللہ بن اما
احمد بن حنبل ۲۹۰ھ، صالح جزرہ ۲۹۳ھ ابوبکر بزار ۲۹۲ھ، محمد بن نصر مروزی ۲۹۴ھ، مح
بن عثمان بن ابی شیبہ ۲۹۷ھ، ہیں۔

چوتھی صدی

ان کے بعد ابوبکر فریابی، امام نسائی ۳۰۳ھ، ابویعلیٰ ۳۰۷ھ، ابوالحسن سفیان
ابن خزیمہ ۳۱۱ھ، محمد بن جریر طبری ۳۱۰ھ دولابی ۳۱۱ھ، ابوعروبہ حرا
۳۱۸ھ، ابوالحسن احمد بن عمیر ۳۲۰ھ، احمد بن نصر بغدادی ۳۲۳ھ وغیرہ، پھر ابوحاتم بن حبا
بستی ۳۵۴ھ، طبرانی ۳۶۰ھ، ابن عدی جرجانی ۳۶۵ھ وغیرہ ہیں، ابن عدی کی کتاب گویا
جرح وتعدیل میں آخری کتاب ہے، اس طبقہ کے بعد ابوعلی حسین بن محمد نیساپوری ۳۶۵ھ،
کی مسند معلل کے تیرہ سو اجزاء میں ہے، ابوالشیخ بن حبان ۳۶۹ھ، ابوبکر اسماعیلی ۳۷۱ھ، ابواح
حاکم ۳۷۸ھ، دارقطنی ۳۸۵ھ وغیرہ ہیں، علل کی معرفت دارقطنی پر گویا ختم ہوگئی، ابن من
۳۹۵ھ، ابونصر کلاباذی ۳۹۸ھ وغیرہ۔

پانچویں صدی

ابوعبیداللہ حاکم ۴۰۵ھ، عبدالرحمٰن بن فطیس قاضیٔ قرطبہ ۴۰۲ھ، ان کی کتا
کا نام دلائل السنۃ ہے، عبدالغنی بن سعید ۴۰۹ھ، ابوبکر بن مردویہ اصف
۴۱۶ھ، پھر محمد بن ابی الفوارس بغدادی ۴۱۲ھ ابوبکر برقانی ۴۲۵ھ، ابوحاتم عبدری س
ان کے تلامذہ نے ان سے دس ہزار اجزاء لکھے، محمد بن خلف واسطی ۴۰۱ھ، ابومسعود دمش
۴۰۰ھ، حسن بن محمد خلال بغدادی ۴۳۹ھ، ابویعلیٰ خلیلی ۴۴۶ھ، ابن عبدالبر اندلسی ۴۶۳ھ،
ابن حزم اندلسی ۴۵۶ھ، بیہقی ۴۵۸ھ، خطیب بغدادی ۴۶۳ھ، پھر ابن ماکولا ۴۷۵ھ،
ابوالولید باجی ۴۷۴ھ، ابوعبیداللہ حمیدی ۴۸۸ھ، وغیرہ ہیں۔

Marfat.com

چھٹی صدی	پھر ابوالفضل بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ، موتمن بن احمد ۵۰۷ھ شہرویہ دیلمی سنہ ھ، ابو موسیٰ مدینی ۵۸۱ھ، ابوالقاسم بن عساکر دمشقی ۵۲۳ھ، ابن بشکوال ۵۷۸ھ، ابوبکر حازمی ۵۸۴ھ، عبدالغنی مقدسی ۶۰۰ھ، وغیرہ
اس کے بعد	اس کے بعد اس فن کے ائمہ میں یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں، رہاوی سنہ ھ، ابوشامہ ۶۲۵ھ، ابن مفضل مقدسی ۶۱۶ھ، ابوالحسن بن قطان ۶۳۸ھ، ابن الانماطی ۶۱۹ھ، ابن نقطہ ۶۲۹ھ، پھر ابن صلاح ۶۴۳ھ، زکی الدین منذری ۶۵۶ھ، ابوعبداللہ برزالی ۶۳۶ھ، ابن ابار سنہ ھ، ابن دقیق العید ۷۰۲ھ، شرف میدولی سنہ ھ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ، اس کے بعد مزی ۷۴۲ھ ابن سید الناس سنہ ھ، ابوعبداللہ بن ایبک ذہبی ۷۴۸ھ، شہاب بن فضل اللہ ۷۴۹ھ مغلطائی ۷۶۳ھ شریف حسینی دمشقی سنہ ھ زین الدین عراقی ۸۰۶ھ ولی الدین عراقی سنہ ھ برہان الدین حلبی سنہ ھ، ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ، وغیرہ ہیں۔

یہ ہر دور کے مشہور ائمۂ جرح و تعدیل کے نام ہیں، ورنہ ہر دور میں اس فن کے بہت سے علماء گزرے ہیں، اور ہر پچھلے دور کے لوگ پہلے کے دور کے لوگوں سے اس فن میں زیادہ محتاط رہے ہیں، فن جرح و تعدیل کے سلسلے میں نسبتہً طوالت سے کام لیا گیا ہے تاکہ دنیا کو معلوم ہو کہ احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور ان کو صحیح طریقہ پر پہنچانے کے لیے علمائے امت نے کیا کیا جتن کیے ہیں، ایک ایک راوی کے حالات زندگی معلوم کئے، اس کی داخلی و خارجی زندگی کا جائزہ لیا، اور اس کے بارے میں جرح و تعدیل کے آراء کو ضبط کر کے ان کو مدون و مرتب کیا واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے دینی علوم و معارف کی حفاظت و صیانت اور تعلیم و تبلیغ کا اس قدر اہتمام و انتظام نہ کر سکی، جس قدر کہ امت محمدیہ نے اس بارے میں کیا ہے، والحمد للہ ذالک۔

جرح و تعدیل اور رجال کی جامع کتابیں جرح و تعدیل کی کتابوں میں سے بعض ثقات پر، بعض ضعفاء پر، بعض دونوں پر اور بعض عام رجالِ حدیث پر ہیں، ان میں سے بعض کتابیں کسی خاص کتاب کے رجال میں یا چند کتابوں کے رجال میں ہیں: ذیل میں ہم بعض مشہور کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

Marfat.com

ثقات وضعفاء کی جامع کتابوں میں مشہور کتابیں یہ ہیں، الطبقات الکبریٰ محمد بن سعد واق
سنہ ۲۳۰ھ، یہ کتاب اپنے موضوع کی سب سے بڑی اور جامع ہے، اس میں صحابہ و تابعین اور بع
کے علماء و محدثین اور فقہاء کے تذکرے ہیں، لیڈن اور بیروت میں چھپی ہے، علامہ سیوطی سنہ ۹۱۱ھ
"انجاز الوعد المنتقیٰ من طبقات ابن سعد" کے نام سے اس کا اختصار کیا ہے، طبقات خلیفہ بن
خیاط سنہ ۲۴۰ھ، حال ہی میں شام میں چھپی ہے، طبقات امام مسلم بن حجاج سنہ ۲۶۱ھ، تاریخ اب
ابی خیثمہ سنہ ۲۷۹ھ، یہ کتاب بڑے کام کی ہے، التاریخ الکبیر، الاوسط اور الصغیر امام بخار
سنہ ۲۵۶ھ، تاریخ کبیر حروف معجم کی ترتیب پر ہے، اس کی ابتدا محمد سے ہے حیدر آباد میں چھ
چکی ہے، تاریخ صغیر الہ آباد میں چھپی تھی، تاریخ اوسط مسند وار ہے، مسلمہ بن قاسم سنہ ... نے تا
کبیر پر ایک جلد میں ذیل لکھا ہے، اور ابن ابی حاتم رازی سنہ ۳۲۷ھ نے ایک جلد میں تاریخ کبیر پ
تنقید کی ہے، جس کا نام "بیان خطأ البخاری فی تاریخہ" ہے اور حیدر آباد میں چھپی ہے، نیز ابن ابی
حاتم رازی نے اپنی مشہور کتاب الجرح والتعدیل لکھی، جس میں امام بخاری کا اسلوب اختیار کیا
یہ بھی حیدر آباد میں چھپ گئی ہے، حسین بن ادریس انصاری ہروی المعروف بہ ابن خرم ان
نے بھی تاریخ بخاری کے انداز پر ایک تاریخ لکھی ہے، علی بن مدینی سنہ ۲۳۴ھ کی تاریخ دس اج
میں ہے، ابن حبان سنہ ۳۵۴ھ نے بھی ایک کتاب اصحاب تاریخ کے اوہام میں دس اجزاء م
لکھی ہے، ابو محمد بن عبد اللہ بن علی بن جارود سنہ ...ھ کی ایک کتاب جرح و تعدیل میں ہے،
طرح امام مسلم کی رواۃ الاعتبار، امام نسائی کی التمییز، ابو یعلیٰ خلیلی سنہ ۴۴۶ھ کی الارشاد، عماد بن کثیر
کی التکمیل فی معرفۃ الثقات والضعفاء والمجاہیل، ہے اس میں ابن کثیر نے مزی کی تہذیب ال
کی میزان الاعتدال کو اضافہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے، یہ کتاب محدث و فقیہ دونوں کے لیے نہا
مفید ہے، ذہبی کی تاریخ، اسمٰعیل بن عمر ابن کثیر دمشقی سنہ ۷۷۴ھ کی التکمیل، عمر بن علی بن الملقن
کی طبقات المحدثین جس میں انہوں نے اپنے زمانہ تک کے محدثین کا تذکرہ کیا ہے، ان کی ایک
کتاب الاکمال فی معرفۃ الرجال بھی ہے۔

Marfat.com

کتب ثقات

کتاب الثقات عجلی ۲۶۱ھ، کتاب الثقات خلیل ابن شاہین، اس کا قلمی نسخہ بمبئی میں موجود ہے۔ الثقات ابوحاتم بن حبّان بُستی ســـہ یہ کتاب حال میں حیدرآباد میں چھپی ہے، جس میں ثقات تابعین کا تذکرہ ہے، کتاب الثقات زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی رومی ۸۷۹ھ، یہ کتاب چار جلدوں میں ہے، اس میں ان رواۃ ورجال کے اسماء وحالات ہیں جن کے نام صحاح ستہ میں نہ آسکے، اسی قسم میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جو طبقاتِ حفّاظِ حدیث پر ہیں، اس موضوع پر علماء کی ایک جماعت نے کتابیں لکھی ہیں، جیسے امام ذہبی ســـہ، ابن الدباغ ۵۴۶ھ، ابن مفضل ابن حجر عسقلانی سیوطی ۹۱۱ھ، امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ چار جلدوں میں حیدرآباد میں دوبار چھپی ہے، اور اس پر تقی الدین بن فہد مکی محمد بن محمد بن ہاشمی ۸۹۰ھ اور سیوطی نے ذیل لکھے ہیں، یہ تینوں کتابیں مصر میں ایک ساتھ چھپ گئی ہیں۔

کتبِ ضعفاء

کتاب الضعفاء امام بخاری، کتاب الضعفاء والمتروکین امام نسائی، امام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی ۵۹۷ھ کی کتاب ضعفاء میں بہت بڑی اور جامع ہے، امام ذہبی نے اس کا اختصار کیا ہے اور اس کا ذیل لکھا ہے، نیز علاء الدین مغلطائی ۷۶۲ھ نے اس کا ذیل لکھا، کتاب الضعفاء محمد بن عمر عقیلی ۳۲۲ھ مفید کتاب ہے، امام حسن بن محمد صغانی لاہوری ۶۵۰ھ اور محمد بن حبان بستی کی کتابیں اس سلسلہ میں جامع ہیں، اور احمد بن عدی کی کتاب الکامل ضعفاء کے موضوع پر سب سے مکمل اور بڑی کتاب ہے، اور اسے ائمہ کا اعتماد حاصل ہے، ابوالعباس احمد بن محمد اشبیلی المعروف بہ ابن الرومیہ ۶۳۷ھ، دارقطنی، حاکم اور علاء الدین ماردینی ۷۵۰ھ نے بھی الضعفاء کے نام سے کتابیں لکھی ہیں، ذہبی کی میزان الاعتدال بھی جامع ہے، ہندوستان اور مصر میں طبع ہو چکی ہے، حافظ زین الدین عراقی نے دو جلدوں میں اس کا ذیل لکھا ہے، اور حافظ ابن حجر نے تہذیب الکمال سے ناموں کو چن کر اور دوسرے مستقل تراجم اور اضافات کو تلاش کر کے لسان المیزان لکھی جو حیدرآباد میں طبع ہو چکی ہے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر نے دو اور کتابیں لکھی ہیں، تقویم اللسان اور تحریر المیزان، کتب مذکورہ کے علاوہ ضعفاء کے بیان میں اور بہت سی کتابیں ہیں۔

Marfat.com

کتبِ مدلسین امام شافعی کے تلمیذ امام حسن بن علی کرابیسی ۲۴۸ھ نے سب سے پہلے مدلسین کے موضوع پر مستقل کتاب لکھی، ان کے بعد دار قطنی اور نسائی کی کتابیں ہیں

امام ذہبی نے مدلسین کے سلسلے میں کچھ اشعار لکھے، پھر ان کے شاگرد احمد بن ابراہیم مقدسی نے امام علا

کی کتاب جامع التحصیل سے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا، نیز علائی کی کتاب کے حاشیہ پر زین الدین

عراقی ۸۰۶ھ نے کچھ مدلسین کا اضافہ کیا، پھر ان کے لڑکے ولی الدین عراقی نے اسے حواشی سے علیحد

کر کے علائی کی کتاب میں شامل کر دیا، بلکہ اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے مستقل تصنیف بنا دیا، اس

کے بعد ابراہیم بن محمد حلبی ۸۴۱ھ نے "التبیین فی اسماء المدلسین" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ان

تینوں کتابوں پر اضافہ کیا، علائی کی کتاب میں کل (۶۸) مدلسین کا تذکرہ تھا، عراقی کے صاحبزاد

نے ان میں (۱۳) کا اضافہ کیا اور حلبی نے (۳۲) کا اضافہ کیا، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے مزید

(۳۹) کا اضافہ کیا اور ان سب کی مجموعی تعداد (۱۵۲) ہو گئی، سیوطی نے بھی ایک رسالہ اسماء المدلسین

لکھا ہے۔

کتبِ مخصوصہ کے رجال پر کتابیں رجال البخاری، احمد بن محمد کلاباذی ۳۹۸ھ، رجال البخا محمد بن داؤد کردی ۹۲۵ھ، رجال مسلم احمد بن علی المعر

بہ ابن منجویہ ۴۲۸ھ، ورجال مسلم احمد بن علی اصفہانی ۲۷۹ھ، محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ نے

بخاری و مسلم دونوں کے رجال کو ایک کتاب الجمع بین رجال الصحیحین میں جمع کیا، نیز مقدسی نے

اس میں ابن منجویہ اور کلاباذی کی کتابوں کو جمع کر کے اضافہ کیا اور اس کی ترتیب حروف پر رکھی

یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے، اور ہبۃ اللہ لالکائی ۴۱۸ھ نے بھی صحیحین کے رجال پر

ایک کتاب لکھی ہے، اور سنن کی کتابوں کے رجال کو ابوداؤد حسین بن محمد جیانی ۴۹۸ھ

ایک مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، سیوطی نے مؤطا امام مالک کے رجال کو اسعاف المبطا میں

کیا ہے جو ان کی تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک کے ساتھ مصر میں چھپی ہے، محمد بن عبد ا

الخطیب صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح کے رجال کو جمع کیا ہے، حافظ ابن حجر نے

رجال الاربعۃ کے نام سے موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، مسند امام ابوحنیفہ کے رجال کو جمع کیا ہے، احمد بن احمد کردی ۷۶۳ھ نے "رجال السنن الاربع" یعنی ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے رجال کو یکجا کیا، ابو محمد عبد الغنی بن عبد الواحد بن سرور مقدسی ۶۰۰ھ نے صحاح ستہ کے رجال کو الکمال فی معرفۃ الرجال میں ذکر کیا، پھر جمال الدین یوسف بن زکی الدین مزی ۷۴۲ھ نے اس کی تہذیب و تنقیح کرکے تہذیب الکمال لکھی، یہ کتاب تیرہ جلدوں میں تھی، اپنے باب میں یہ کتاب بے مثال ہے، اور عمر بن علی بن الملقن ۸۰۵ھ نے اکمال التہذیب لکھی، امام سیوطی نے "زوائد الرجال علی تہذیب الکمال" نامی کتاب لکھی مزی کی تہذیب الکمال کے مختصرات بہت ہیں، چنانچہ ذہبی کی ایک کتاب الکاشف بھی ان ہی میں سے ہے اس کے مقدمہ میں ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ مختصر کتاب کتب ستہ یعنی صحیحین اور چاروں سنن کے رجال میں ہے، اور مزی کی کتاب کا انتخاب ہے، اس میں صرف صحاح ستہ کے ان ہی رجال کا ذکر ہے۔ جن کی روایات ان میں موجود ہیں، ان کے علاوہ مزی کی کتاب کے اور رجال کا ذکر نہیں ہے، مزی کی تہذیب الکمال کے مختصرات میں حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب ہے جو ذہبی کی الکاشف سے زیادہ جامع ہے، اور ابن حجر نے اپنی طرف سے بعض تراجم کا اضافہ بھی کیا ہے، یہ کتاب حیدرآباد میں چھپ چکی ہے، پھر حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب کا اختصار تقریب التہذیب کے نام سے کیا، یہ کتاب پہلے ہندوستان میں متعدد بار چھپی تھی اور اب مصر میں بھی چھپ گئی ہے، اس موضوع پر حافظ ابوالمحاسن دمشقی ۷۶۵ھ نے "التذکرۃ فی رجال العشرۃ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

کتب وفیات محدثین رجال کی بہت سی کتابوں میں صرف محدثین و رجال کی وفیات بیان کی گئی ہیں، سب سے پہلے حافظ ابوسلیمان محمد بن عبد اللہ نے رواۃ حدیث کے سنین وفات جمع کئے، اور ۱ھ سے ۳۳۸ھ تک یہ کام کیا، حافظ ابو محمد بن عبد العزیز کتانی ۴۶۶ھ نے اس کا ذیل لکھا، اور کتانی کے اس ذیل پر ہبۃ اللہ احمد اکفانی نے ایک معمولی سا

Marfat.com

ذیل لکھا جو ۵۸۵ھ تک تقریباً بیس سال پر مشتمل ہے، پھر اکفانی کی کتاب پر علی بن مفضل مقدسی ۶۱۱ھ نے ۵۸۱ھ تک ذیل لکھا، اور ابن مفضل کے اس ذیل پر عبد العظیم بن عبد القوی منذری ۶۵۶ھ نے تین جلدوں میں "التکملۃ لوفیات النقلۃ" کے نام سے ایک بڑا ذیل لکھا، ا منذری کے اس ذیل پر ان کے شاگرد عز الدین احمد بن محمد نے ۶۷۴ھ تک ذیل لکھا، او عز الدین کے ذیل پر احمد بن ایبک دمیاطی نے ۷۴۹ھ تک ذیل لکھا، اور ابن ایبک کے ذی پر حافظ زین الدین عبد الرحیم عراقی ۸۰۶ھ نے ذیل لکھا، یہ تمام کتابیں رجال حدیث کے سنہ وفات کے مطابق سنین وشہور پر مرتب کی گئی ہیں اور ان کی ترتیب حروف تہجی پر نہیں ہے

فن اسماء الرجال کے اس شعبہ میں قاسم بن محمد دمشقی برزالی ۷۳۸ھ کی تاریخ سب بہتر کتاب ہے، تقی الدین بن رافع نے ۷۳۷ھ سے ۷۷۴ھ تک اس کا ذیل لکھا ہے اور ا ذیل پر تقی الدین بن حجر نے ذیل لکھا ہے، نیز مبارک بن احمد انصاری کی وفیات الشیوخ، او ابراہیم بن اسمٰعیل حبال کی کتاب الوفیات اس فن کی اچھی کتابیں ہیں۔

کتبِ اسماء وکنیٰ اور القاب بعض رواۃ حدیث اپنے نام سے مشہور ہوئے، اور ان کنیت اور لقب کو ان کی شہرت میں دخل نہیں ہے، اور بع اپنے لقب یا کنیت سے مشہور ہوئے، اور ان کا نام دب گیا، اس لیے محدثین نے رواۃ حدیث اسماء والقاب اور کنیٰ پر کتابیں لکھیں، تاکہ ان میں اشتباہ نہ ہو، اور ایک راوی کے اسم ولقب اور کنیت کو دوسرے کا اسم ولقب اور کنیت نہ سمجھا جائے اور اس طرح ثقہ راوی کو ضعیف صادق کو کاذب یا اس کے خلاف نہ شمار کیا جائے، اس بارے میں علی بن مدینی، نسائی، حاکم، عبد البر اور دوسرے بہت سے علماء نے کتابیں لکھیں، امام ذہبی نے ایک کتاب المقتنیٰ سرد الکنیٰ لکھی، یہ اس فن کی سب سے بڑی کتاب ہے، جو راوی اپنے نام سے مشہور ہیں ان کنیت پر ابو حاتم بن حبان بُستی نے کتاب لکھی، اور القابِ رواۃ پر لکھنے والوں میں ابو بکر شی ۷۰۸ھ ہیں، ابو الفضل نے منتہی الکمال لکھی، نیز ابن جوزی اور ابن حجر نے اس موضوع

Marfat.com

کتابیں تصنیف کیں، کتاب الکنیٰ والاسمار ابوبشر دولابی کی حیدرآباد میں چھپی ہے، اور امام نووی کی تہذیب الاسمار واللغات مصر میں طبع ہوئی ہے۔

موتلف مختلف، متفق مفترق، اور مشتبہ اسمار وانساب پر کتابیں بعض اسمار وانساب میں الفاظ کی خطی صورت ایک ہوتی ہے مگر صیغہ اور صوت میں اختلاف ہوتا ہے، مثلاً سلام اور سُلام پہلا لام کی تخفیف اور دوسرا لام کی تشدید کے ساتھ صورۃً دونوں الفاظ ایک معلوم ہوتے ہیں حالانکہ دونوں جدا جدا ہیں، ایسے اسم کو موتلف ومختلف کہتے ہیں اور بعض اسمار میں لفظ اور خط دونوں ایک ہوتے ہیں مگر متعدد راویوں کے نام ہوتے ہیں یعنی اسم ایک اور مسمّی کئی ہوتے ہیں جیسے خلیل بن احمد کئی لوگوں کا نام ہے ایسے لفظ کو متفق ومفترق کہا جاتا ہے، اور بعض اسمار میں لفظ وخط ہم جنس ہوتے ہیں مگر آبا وانساب میں خطاً مشابہ ہونے کے باوجود لفظاً مختلف ہوتے ہیں جیسے محمد بن عِقیل قاف کے کسرہ کے ساتھ اور محمد بن عَقیل قاف کے فتحہ کے ساتھ، یا شریح بن نعمان شین اور حار کے ساتھ، اور سریج بن نعمان سین اور جیم کے ساتھ یعنی پہلا اسم شین اور حار سے اور دوسرا اسم سین اور جیم سے، ایسے لفظ کو مشتبہ کہتے ہیں۔

ان اختلافات کی شناخت فن حدیث میں بڑا اہم کام ہے، ابن مدینی کا قول ہے کہ سخت ترین غلطی یہ ہے کہ اسمار کے بارے میں غلطی ہو جائے، کیونکہ قیاس وظن کو دخل نہیں ہے، نہ کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس سے صحیح اسم کا پتہ چل سکے، اس وجہ سے راویوں میں اختلاط واشتباہ ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے، اسی لیے مذکورہ بالا جملہ اقسام پر محدثین نے کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ موتلف ومختلف میں ابو احمد عسکری ۳۸۲ھ نے ایک کتاب لکھی اور اسے اپنی کتاب التصحیف کا ایک حصہ قرار دیا، اس کے بعد عبدالغنی بن سعید ۴۰۹ھ نے مستقل کتاب تصنیف کی، اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں ہیں ایک مشتبہ الاسمار میں اور دوسری مشتبہ الانساب میں، نیز ان کے شیخ دارقطنی ۳۸۵ھ نے ایک بڑی کتاب لکھی تھی، پھر ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی ۴۶۳ھ نے ایک ذیل "الموتلف لتکملۃ المختلف" لکھا اس میں خطیب نے اپنے پیش روؤں کی کتابوں پر استدراک کر کے ان کے اوہام کو جمع کیا، یہ کتاب اس بارے میں سب سے

Marfat.com

زیادہ جامع اور محدثین کے نزدیک معتمد ہے' پھر خطیب کی کتاب پر محمد بن عبد الغنی المعروف بہ ابن نقطہ حنبلی ۶۲۹ھ نے استدراک کے طور پر مستقل کتاب لکھی' اور ابن نقطہ کی اس کتاب پر منصور بن سلیم ۶۷۳ھ نے ایک جلد میں ذیل لکھا' اسی طرح ابو محمد بن علی دمشقی ۶۸۰ھ نے اس کا ذیل لکھا' اور ان دونوں کے ذیل پر حافظ علاء الدین مغلطائی ۷۶۳ھ نے ایک ذیل لکھا مگر انہوں نے رواۃ حدیث کے مقابلہ میں شعراء کے اسماء و القاب اور انساب عرب کو زیادہ ذکر کیا ہے' اور خطیب بغدادی تک کی جملہ کتب مؤتلف و مختلف کو سامنے رکھ کر امیر ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ بن ماکولا نے ایک کتاب الاکمال لکھی جو اس وقت کی تمام کتابوں کی جامع ہے' یہ کتاب حیدر آباد میں چھپ رہی ہے اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں علامہ ذہبی نے کتاب المشتبہ فی الرجال و اسمائہم و انسابہم لکھی مگر اس میں تصحیف کثرت سے ہو گئی اور ان غلطیوں کو حافظ ابن حجر نے "تبصیر المنتبہ بتحریر المشتبہ" میں واضح کیا جس میں اسماء کے حروف کو ضبط کر کے ذہبی کی فروگزاشتوں کو لکھ دیا ہے' ذہبی کی یہ کتاب پہلے یورپ میں ایک جلد میں اور بعد کو مصر میں کئی جلدوں میں چھپی ہے' اس باب میں علی بن عثمان ماردینی ۷۵۰ھ' یحییٰ بن علی مصری ۶۱۶ھ' محمد بن احمد ابیوردی ۵۰۷ھ عبد الرزاق ابن الفوطی ۷۲۳ھ نے بھی کتابیں لکھی ہیں' علامہ محمد طاہر گجراتی کی کتاب المغنی فی المشتبہ چھپ چکی ہے' متفق و مفترق کے موضوع پر خطیب بغدادی نے کتاب المتفق والمفترق لکھی' نیز خطیب نے مشتبہ الاسماء پر تلخیص المتشابہ لکھی' پھر خود ہی اس کا ذیل لکھا' یہ کتاب نہایت مفید ہے'۔

علمِ ناسخ و منسوخ

اگر حدیث مقبول کے مقابلہ میں دوسری حدیث معارض نہ ہو تو اسے محکم کہتے ہیں' اور اگر اس کے مقابلہ میں اسی جیسی دوسری حدیث معارض ہو' اور دونوں میں تطبیق و جمع ممکن ہو تو اسے مختلف الحدیث کہتے ہیں اور اگر صورت یہ ہو کہ دونوں حدیثوں میں جمع و تطبیق

نہ ہوسکے تو ان میں سے جس حدیث کا تاخر ثابت ہو اور معلوم ہو کہ یہ بعد کی ہے وہ ناسخ ہے، اور پہلی حدیث منسوخ ہے، ناسخ ومنسوخ احادیث کے بارے میں علماء نے بہت سی کتابیں لکھی چند مشاہیر یہ ہیں۔

احمد بن اسحاق دیناری ۳۱۸ھ، محمد بن بحر اصفہانی ۳۲۲ھ، احمد بن محمد نحاس ۳۳۸ھ، ابو قاسم بن اصبغ ۳۴۰ھ محمد عثمان المعروف مجد شیبانی ۔۔۔ھ، ہبۃ اللہ بن سلامہ ۴۱۰ھ، محمد بن موسی حازمی ۵۸۴ھ ان کی کتاب کا نام الاعتبار فی ناسخ الحدیث ومنسوخہ" ہے، ابو حفص عمر بن شاہین ۳۸۵ھ، ان کی کتاب کو ابراہیم بن علی المعروف بہ ابن عبد الحق ۷۴۴ھ نے مختصر کیا ہے عبد الکریم بن ہوازن قشیری ۔۔۔ھ وغیرہ وغیرہ۔

علم تلفیق حدیث

تلفیقِ حدیث وہ علم ہے جس میں بظاہر متناقض احادیث میں تطبیق وتوفیق دی جاتی ہے کبھی حدیثِ عام کو خاص کر کے، کبھی مطلق کو مقید کر کے یا پھر بظاہر متناقض حدیثوں کو متعدد واقعات پر محمول کر کے تطبیق دی جاتی ہے الغرض احادیث کے تناقص کو تطبیق کے ذریعہ ختم کرنے کو تلفیق حدیث کہتے ہیں

اس فن کے مشہور علماء ومصنفین یہ ہیں، امام شافعی ۲۰۴ھ امام صاحب نے ایسی تمام حدیثوں کا استقصاء واستیعاب نہیں کیا ہے، عبد اللہ بن مسلم المعروف بہ ابن قتیبہ ۲۶۳ھ، ابو یحیٰ زکریا بن یحیٰ ساجی ۳۰۷ھ، امام طحاوی ۳۲۱ھ، امام ابن جوزی ۵۹۷ھ، ان کی کتاب کا نام "التحقیق فی احادیث الخلاف" ہے، اور ابراہیم بن علی بن عبد الحق ۷۴۴ھ نے اس کا اختصار کیا ہے۔

علم علل حدیث

علوم حدیث میں احادیث کے علل کی معرفت نہایت اجل وادق اور محترم فن ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے احادیث اسانید ومتون میں فہم ثاقب اور ذہنِ رسا کا ملکۂ راسخہ عطا فرمایا ہے وہی اس فن

Marfat.com

سے حصہ پاتے ہیں، اسی اس میں بہت کم باخبر ہوتے ہیں علل حدیث ان خفیہ وغامض اسباب کو کہتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث کی صحت میں خلل پیدا ہوجاتا ہے جیسے منقطع حدیث کا وصل، یا موقوف حدیث کا رفع، یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کردینا وغیرہ وغیرہ اس فن کے مشاہیر یہ حضرات ہیں، ابن مدینی ۲۳۴ھ، ابن ابی حاتم رازی ۳۲۷ھ ان کی کتاب دو جلدوں میں چھپ چکی ہے، خلال ۳۱۱ھ، امام مسلم ۲۶۱ھ، علی بن عمر دارقطنی ۳۷۵ھ، محمد بن عبد اللہ حاکم ۴۰۵ھ ابو علی حسن بن محمد زجاجی سنہ اور ابن جوزی وغیرہ،

علم مصطلح حدیث

اغلب یہ ہے کہ علوم حدیث یا مصطلحاتِ حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزی ۳۶۰ھ نے "المحدث الفاصل بین الراوی والسامع" لکھی، گو ان سے پہلے مصطلحات حدیث میں بعض کتابیں لکھی گئیں مگر وہ بعض مباحث ومصطلحات پر شامل تھیں، رامہرمزی کی یہ کتاب اگرچہ پورے مصطلحات کا استیعاب نہ کرسکی، مگر ان کے زمانہ تک جتنا کچھ لکھا جاچکا تھا ان کی جامع ہے، اس کے بعد علماء نے اس فن میں کثرت سے کتابیں لکھیں، ان میں سب سے پہلے محمد بن عبد اللہ حاکم نیساپوری سنہ نے ایک مفصل کتاب معرفۃ علوم الحدیث لکھی جو پچاس انواع پر مشتمل ہے، مگر ترتیب وتہذیب کے لحاظ سے قابل اصلاح تھی یہ کتاب حیدرآباد میں اور اس کی نقل بیروت میں چھپ چکی ہے اس کے بعد ابونعیم اصفہانی سنہ نے حاکم کی کتاب پر ایک کتاب بطور استخراج کے لکھی، مگر انھوں نے بھی کچھ باتیں چھوڑ دیں، اور خطیب بغدادی ۴۶۳ھ نے روایت کے آداب وقوانین پر ایک کتاب الکفایۃ فی ادب الروایہ لکھی جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے نیز "الجامع لآداب الشیخ والسامع" کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس کے علاوہ حدیث کے ہر ہر فن میں کتابیں لکھیں، اسی لیے ابن نقطہ کا قول ہے کہ ہر منصف مزاج آدمی یہی فیصلہ کرے گا خطیب کے بعد محدثین ان کے عیال ہیں، خطیب کے بعد بہت سے علماء نے حدیث کے فنون پر کتابیں لکھیں، چنانچہ قاضی عیاض ۵۴۴ھ نے الالماع

Marfat.com

کے نام سے چھوٹی سی کتاب لکھی، ابوحفص میانجی سنہ ھ نے "مالایسع المحدث جہلہ" کے نام سے کتاب لکھی پھر حافظ ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن المعروف بہ ابن صلاح ۶۴۳ھ نے اپنی مشہور کتاب لکھی جو مقدمہ ابن صلاح کے نام سے مشہور ہے، اور ہندوستان اور مصر بیس بار چھپ چکی ہے، اس کتاب میں ابن صلاح نے ۶۵ انواع میں اس فن کو بیان کیا ہے، اور علماء نے اس پر خاص توجہ کی، کسی نے معارضہ کیا کسی نے ہمنوائی کی، کسی نے مختصر کیا اور کسی نے شرح کی اور کسی نے اس پر استدراک لکھا، محی الدین یحی بن شرف نووی ۶۷۶ھ نے الارشاد کے نام سے اس کا اختصار کیا، پھر اس اختصار کا اختصار "التقریب والتیسیر" کے نام سے کیا، اور علامہ سیوطی ۹۱۱ھ نے نووی کی تقریب کی شرح "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" کے نام سے کی، یہ اس کی بہت ہی بڑی شرح ہے، حافظ زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی ۸۰۶ھ نے الفیۃ لکھ کر مقدمہ ابن صلاح کی تلخیص کے ساتھ اضافہ بھی کیا، الفیۃ کا پہلا شعر یہ ہے۔

یقول راجی ربہ المقتدر   عبد الرحیم بن الحسین الاثری

۷۶۸ھ میں مکمل کر کے خود ہی اس کی شرح فتح المغیث کے نام سے کی جو ۸۷۰ھ میں مکمل ہوئی، فتح المغیث ہندوستان وغیرہ میں چھپ چکی ہے، برہان الدین ابراہیم بن عمر بقاعی ۸۸۵ھ نے فتح المغیث کا حاشیہ لکھا جس کا نام "النکت الوفیۃ بمافی شرح الالفیۃ" رکھا، بقاعی نے اس میں اپنے شیخ حافظ ابن حجر کے بیان کردہ فوائد درج کئے، یہ حاشیہ اصل کتاب کا تقریباً نصف تھا، الفیۃ العراقی کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں، جن میں بہترین شرح محمد بن عبد الرحمن سخاوی ۹۰۲ھ کی ہے، امام سیوطی نے بھی اس فن میں ایک منظوم الفیۃ لکھی ہے جس میں بہت سے فوائد درج کئے، حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ کی کتاب "نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر" مختصر اور جامع بہترین متن ہے، پھر حافظ ابن حجر ہی نے اس کی شرح نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر کے نام سے لکھی جو عام طور سے پڑھی پڑھائی جاتی ہے، دوسرے کئی علماء نے بھی نخبۃ الفکر کی شرحیں لکھی ہیں، اور احمد بن صدقہ ۹۰۵ھ اور محمد بن اسحق مقدسی حوالی ۹۰۰ھ نے اس کو نظم کیا ہے، بعد میں بہت سے علماء نے علوم حدیث

بعض کتابیں لکھی ہیں جیسے محمد بن مغلطائی ۷۶۲ھ، ابن الملقن ۸۰۴ھ اور ابن الحریری ۸۳۳ھ نے شیخ ابو الفیض محمد بن محمد بن علی فاسی مکی سنہ ھ نے اس فن میں ایک نہایت ہی مفید، مختصر اور جامع کتاب "جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" لکھی ہے جس میں تدریب الراوی اور مقدمہ ابن صلاح کے علاوہ اس فن کی دوسری کتابوں کے محتویات آگئے ہیں اور اضافے بھی ہیں، اس کے قلمی نسخے موجود ہیں اور راقم نے اس کی تعلیق و تصحیح کی ہے، تاہنوز غیر مطبوع ہے، آخر میں علامہ شیخ طاہر جزائری کی کتاب "توجیہ النظر فی اصول الاثر" اس باب میں نہایت بہتر اور جامع کتاب ہے

تخریجِ احادیث

علمائے امت نے علوم حدیث میں ہر قسم کی آسانیاں فراہم کردی ہیں اور کوئی گوشہ اس فن کا خالی نہیں چھوڑا، تفسیر و فقہ اور دوسرے دینی امور و معاملات میں جو کتابیں دائر و سائر ہیں، ان میں بکثرت ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن کی سند نہیں بیان کی گئی ہے اور نہ اصل کتاب اور ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان کو دیکھ کر معلوم نہیں ہوتا کہ صحت و سقم کے اعتبار سے ان احادیث کا کیا درجہ ہے، اور ان سے استدلال صحیح ہے یا نہیں، ؟ اگر ایسی احادیث کی تخریج پڑھنے والوں پر چھوڑ دی جائے تو بڑی مشکل پیش آجائے گی، اس لیے علماء نے اس قسم کی کتابوں کو سامنے رکھ کر ان کی احادیث کو کتاب میں جمع کیا، ہر حدیث کے راوی کا ذکر کیا، ان کے درجات قائم کئے، اور اصل کتاب کا حوالہ دیا، تاکہ ہر پڑھنے والا آسانی سے ہر حدیث کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکے، احادیث کی تخریج میں امت میں کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، ہم مثال کے طور پر چند کتب تخریج کو بیان کرتے ہیں۔ تاکہ علوم حدیث کے اس شعبہ کے بارے فی الجملہ معلومات ہو جائیں۔

تخریج احادیث الکشاف جمال الدین محمد بن عبد اللہ حنفی ۷۶۲ھ، یہ علامہ جار اللہ زمخشری کی مشہور تفسیر الکشاف کی احادیث کی تخریج ہے اور ایک جلد میں ہے "الفتح السماوی بتخریج احادیث البیضاوی" شیخ عبد الرؤف مناوی بعد ۹۰۰ھ، یہ تفسیر بیضاوی کی احادیث کی تخریج ہے۔

Marfat.com

الطرق والوسائل الی معرفۃ خلاصۃ الدلائل" احمد بن عثمان ترکمانی ۷۴۴ھ، یہ فقہ حنفی کے مشہور متن مختصر القدوری کی تخریج اور شرح ہے، "تخریج احادیث الہدایۃ" محمد بن عبداللہ ۷۷۵ھ، اور نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ عبداللہ بن یوسف زیلعی ۷۶۲ھ، یہ دونوں کتابیں فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کی احادیث کی تخریج میں ہیں، نصب الرایہ پہلے دو جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، پھر مجلس علمی کے زیر اہتمام چار جلدوں میں مصر میں طبع ہوئی، الدرایہ پہلے دو جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، پھر مجلس علمی کے زیر اہتمام چار جلدوں میں مصر میں طبع ہوئی، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ حافظ ابن حجر ہندوستان میں ہدایہ کے حاشیہ پر چھپی ہے، اور جن احادیث کی تخریج میں حافظ ابن حجر کامیاب نہ ہوسکے، قاسم قسطلوبغا حنفی رومی نے ان کی تخریج ایک رسالہ.... .....میں کی، یہ مصر میں چھپ گیا ہے، "خلاصۃ البدر المنیر فی تخریج احادیث الشرح الکبیر الوجیز" سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن، اس میں فقہ شافعی کی مشہور کتاب الوجیز کی شرح کی احادیث کی تخریج سات جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر نے اس کی تلخیص مع اضافہ کے کی ہے، اور مقدمہ میں لکھا ہے کہ مجھے امید ہے کہ فقہاء کی استدلالی احادیث کی تخریج میں یہ کتاب سب سے بڑی ہوگی پہلے ہندوستان میں پھر مصر میں چھپ گئی، "تخریج احادیث المنہاج" ابن الملقن، المنہاج فقہ شافعی کی مشہور کتاب ہے اس میں اس کی احادیث کی تخریج ہے، "المغنی عن الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار" عبدالرحیم بن حسین عراقی ۸۰۶ھ، یہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کی احادیث و آثار کی تخریج ہے، احیاء العلوم میں ضعیف اور اصل آثار و اخبار بکثرت ہیں، اس لیے یہ کتاب بہت مفید ہے، مصر میں احیاء العلوم کے حاشیہ پر چھپی ہے، "ادراک الحقیقۃ فی تخریج احادیث الطریقۃ" علی بن حسن بن صدقہ مصری یمانی، اس کی تالیف سے مصنف ۱۰۵۰ھ میں فارغ ہوئے،

Marfat.com

(۴)

اسلامی تعلیم کا مکّی مرکز دارِ ارقم

حرم مکی شریف کی جدید تعمیر و توسیع کی پوری تفصیلات سعودی حکومت کے ترجمان جریدہ البلاد السعودیہ مکہ مکرمہ میں آچکی ہیں، اس کی یہ خبر بہت ہی اطمینان بخش اور خوشگوار ہے کہ کوہِ صفا کے پاس جو میدان بنایا جائے گا اس کے درمیان دار ارقم کو خاص طور سے نمایاں کر کے ان تمام دینی اور تاریخی عظمتوں کو اجاگر کیا جائے گا، جو ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسے حاصل رہی ہیں، اور اسے ثقافتِ اسلامیہ کے ایک عظیم مرکز کی حیثیت سے استعمال کیا جائے گا، اس طرح اسلامی مرکز کے بارے میں تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دار ارقم کی تاریخی اور دینی عظمت کا جائزہ لیا جائے، اور دکھایا جائے کہ اس مقام کو، اسلام اور اسلامی علوم و معارف سے کیا تعلق رہا ہے، اور اسی تعلق کی بنا پر اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اسے کیسی اہمیت دی گئی ہے[1]

حضرتِ ارقمؓ اور دارِ ارقم

مکی زندگی کی لامرکزیت اور پریشانی کے دور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر وقت اس خیال میں رہا کرتے تھے کہ کوئی مرکزی جگہ مل جائے جہاں اطمینان سے دین و ایمان کی باتیں کی جا سکیں اور قرآن کو پڑھا پڑھایا جائے، بالآخر اللہ تعالےٰ نے مکہ مکرمہ میں اسلامی مرکز بننے کا شرف اسی پہاڑی کو عطا فرمایا جس کے اوپر پیغمبر اسلام نے اسلام کا پہلا پیغام دنیا کو سنایا تھا، آگے چل کر اسی پہاڑ کا دامن اس صدا پر لبیک کہنے والوں کے لیے پناہ گاہ ثابت ہوا، اور اسی کے دامن نے مسلمانوں کو ایک خاص وقت تک

[1] بعد میں یہ سب کچھ نہیں ہوا بلکہ اسے مدرسۃ القرآن بنا دیا تھا اور آج وہ ایک مدرسہ کی شکل میں ایک گلی میں موجود ہے، ہم نے اس کی زیارت کی سعادت پائی ہے۔

بلکہ پناہ دی اور وہی قرآن کی تعلیم کے لیے اسلام کا پہلا باقاعدہ مدرسہ بنا، کوہِ صفا پر ایک جانب دارِ ارقم تھا، جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثاروں کو لے کر کفار مکہ کے ظلم سے پناہ پائی، اور قرآن کی تعلیم کا انتظام کیا اور اسی میں رہ کر اسلام کی دعوت عام کی، حضرتِ ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ سابقینِ اولون مسلمانوں میں سے تھے، ایک روایت کے مطابق دس صحابہ کے بعد آپ اسلام لائے، ان کا اصل نام عبد مناف بن اسد بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم ہے، مگر ارقم بن ابی ارقم کے لقب سے مشہور ہیں، کنیت ابو عبد اللہ ہے، والدہ کا نام تماضر بنت حدیم سہمیہ ہے، بعض نے والدہ کا نام اویہ بنت عبد الحارث خزاعیہ بتایا ہے، ابو عبد اللہ حاکم کی تصریح کے مطابق ارقم ساتویں مسلمان ہیں، انھوں نے غزوہ بدر غزوۂ احد اور دوسرے تمام غزوات میں شرکت کی سعادت پائی ہے، چونکہ انھوں نے مکہ مکرمہ کا اپنا مکان اسلامی مرکز بنا دیا اس لیے ہجرت کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں ایک مکان جاگیر کے طور پر عطا فرمایا تھا اور وہ بھی دار ارقم کے نام سے مشہور تھا، حضرت معاویہؓ کے دور میں ۵۵ھ یا ۵۳ھ میں وفات پائی اور ان کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے پڑھائی، وفات کے وقت عمر ۸۵ سال کی تھی لڑکوں میں عثمان بن ارقم کا نام صراحت کے ساتھ تاریخوں میں ملتا ہے[۱] حسب روایتِ ابن سعد مکہ میں ان کا مکان کوہ صفا پر تھا اور یہی وہ مکان تھا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں رہا کرتے تھے، اور اسی میں رہ کر لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے تھے، چنانچہ اس مکان میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا،[۲] اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں تھے جو کوہ صفا کے پاس تھا، آپ اس میں یہاں تک مقیم رہے کہ مسلمانوں کی عدد چالیس ہوگئی حضرت عمر ان میں سب سے آخر میں اسلام لائے، جب چالیس مسلمان ہوگئے تو اس مکان سے باہر آئے صلعم اسی وجہ سے دار ارقم اسی زمانہ میں دار الاسلام کے نام سے مشہور ہوگیا تھا اور حضرت ارقمؓ نے اس کی

---

[۱] الاصابہ جلد ۱ ص ۲۶، [۲] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۱۷۳، مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۲
[۳] اصابہ جلد ۱ ص ۲۶،

Marfat.com

دینی اہمیت و عظمت کے پیشِ نظر اسے اپنی اولاد پر وقف کر دیا طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں ہے۔

وضعیت دار الارقم دار الاسلام

دار ارقم دار الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

دار ارقم کو مکی دور میں اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ علمائے رجال و طبقات حضرات صحابہ کے طبقات قائم کرنے کے سلسلے میں اسے بھی ایک طبقہ اور دوسرے طبقہ کے درمیان حد فاصل قرار دیتے ہیں، صحابہ کے حالات میں عام طور سے ابن سعدؒ، ابن عبد البرؒ اور ابن حجرؒ وغیرہ جو یہ تصریح کرتے ہیں کہ اسلم قبل الدار، اسلم بعد الدار، اور اسلم فی الدار، تو اس سے مراد یہی دار ارقم ہے، امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں صحابہ کرام کے طبقات و درجات بیان کرتے ہوئے دار ارقم سے پہلے اسلام لانے والے صحابہ کو طبقۂ اولی میں شمار کیا ہے اور دار ارقم سے نکلنے کے بعد جو حضرات مسلمان ہوئے ان کو طبقۂ ثانیہ میں شمار کیا ہے، مگر انہوں نے دار ارقم کے بجائے اس کا نام دار الندوہ رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

والطبقۃ الثانیۃ من الصحابۃ اصحاب دار الندوۃ وذلک عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما اسلم واظہر اسلامہ حمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی دار الندوۃ فبایعہ جماعۃ من اہل مکۃ[1]	صحابہ کا دوسرا طبقہ دار الندوہ (دار ارقم) والوں کا ہے، جس وقت حضرت عمرؓ اسلام لائے اور اس کا اظہار و اعلان کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دار الندوہ میں بلایا گیا جہاں اہل مکہ کی ایک جماعت نے آپ کے دستِ اقدس پر اسلام کی بیعت کی۔

الغرض دار ارقم مکہ کی اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ اور قرآن کی تعلیم میں اسے مرکزیت حاصل ہے۔

۶ نبوت میں دار ارقم میں داخلہ اور دعوتِ اسلام

۵ نبوت میں حبشہ کی طرف ہجرت ہو[ئی] جس میں بہت سے صحابہ مرد اور عورتیں

---

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۲

چھوڑ کر حبشہ چلی گئیں اور جو حضرات... مکہ میں رہ گئے سخت حالات کا مقابلہ کرتے رہے، جب معاملہ بہت ہی خطرناک ہو گیا تو سنہ ۶ نبوت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے دار ارقم میں پناہ گزیں ہو کر وہیں سے دعوتِ اسلام کا فریضہ انجام دینا شروع کیا، اسی غرض سے آپ اس محفوظ مقام میں تشریف لے گئے تھے، طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم میں ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فیہا فی اول الاسلام و فیہا یدعو الناس الی الاسلام فاسلم فیہا قوم کثیر[1]	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں دار ارقم میں رہا کرتے تھے، اور اسی میں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے، چنانچہ اس گھر میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

ابن عبد البر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے حال میں لکھتے ہیں۔

وکان اسلامہ قبل دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار الارقم للدعاء فیہا الی الاسلام۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں اسلامی دعوت کے لیے داخل ہونے سے پہلے حضرت ابو حذیفہ اسلام لائے،

دار ارقم کو اسی لیے دار الاسلام بھی کہتے ہیں اور جو حضرات اس وقت اس دعوت پر لبیک کہتے تھے وہ اسی میں مقیم رہتے تھے، عامر بن بکیر لیثی رضی اللہ عنہ، ایاس بن بکیر رضی اللہ عنہ، عاقل بن بکیر رضی اللہ عنہ اور خالد بن بکیر رضی اللہ عنہم کے متعلق ابن عبد البر نے لکھا ہے۔

اسلموا فی دار ارقم۔	یہ چاروں حضرات دار ارقم میں مسلمان ہوئے تھے

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر ابتدائی دور میں دار ارقم ہی میں اسلام لائیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی دار ارقم میں اسلام لائے، ان کے اسلام قبول کرنے کے تیسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے[3] اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۱۷۳ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۰۳، [2] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۶۵۳
[3] مواہب لدنیہ ج ۱ صفحہ ۲۱۸

Marfat.com

حضرت صہیب ابن سنان رض اسی گھر میں اسلام لائے، یہ دونوں حضرت تیس آدمیوں کے بعد مسلمان ہوئے، ابن سعد نے حضرت عمار کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے صہیب بن سنان رض کو دار ارقم کے دروازے پر پایا، اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے، میں نے ان سے پوچھا کیا ارادہ ہے، صہیب نے کہا آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا میرا ارادہ ہے کہ محمد صلعم کے پاس جاؤں اور ان کا کلام سنوں، صہیب رض نے کہا میں بھی اسی ارادہ سے آیا ہوں، چنانچہ ہم دونوں سا ہی خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے ہمیں دعوت اسلام دی، جس پر ہم دونوں نے لبیک کہا۔ اور پورا دن دار ارقم میں گزارا جب شام ہوئی تو چھپتے چھپاتے وہاں سے نکلے[1] حضرت خباب بن ارت رض بھی دار ارقم ہی میں مسلمان ہوئے، اس وقت تک صرف سات اشخاص اسلام لا چکے تھے حضرت خباب نے یہاں رہ کر دوسرے صحابہ کی بہ نسبت قرآن کی تعلیم زیادہ حاصل کر لی تھ اس لیے وہ اندر باہر حسب موقع قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، چنانچہ وہ ان ہی ایام میں حضرت ع کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید کو ان کے گھر پر جا کر تعلیم دیا کرتے تھے یہ دونوں بھی دار ارقم میں قیام کے دوران اسلام لائے تھے، اور اپنے مکان میں خفیہ طور سے قرآن پڑھ تھے، حضرت نعیم بن عبد اللہ بن نحام رض بھی اسی زمانہ میں مسلمان ہوئے، آپ نے حضرت عمر رض کو ا کے مسلمان ہونے سے پہلے خبر دی تھی کہ آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں، اسی طرح اور ک حضرات دار ارقم کے زمانہ قیام میں مسلمان ہوئے سب سے آخر میں حضرت عمر رض حلقہ بگوش اسل ہوئے، اور اسی کے بعد مسلمان یہاں سے نکلے، اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کے پاس دار ارقم میں مقیم رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی، ان میں سب سے آ میں حضرت عمر اسلام لائے، اور جب چالیس کی تعداد پوری ہو گئی تو یہاں سے باہر نکلے[2] حضرات وقتاً فوقتاً باہر آتے جاتے تھے بلکہ کعبہ اور مسجد حرام میں بھی ان کی آمد و رفت

---

[1] طبقات ابن سعد [2] اصابہ جلد ۱ ص ۲۶ ۔

Marfat.com

کرتی تھی، البتہ ان کا مرکز دارِ ارقم تھا اور مستقل قیام اسی میں تھا،

کفارِ قریش کی فتنہ پروری

اس زمانہ کا ایک واقعہ ابن سعد نے بیان کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفارِ قریش اس دور میں بھی مسلمانوں اور اسلام کے درپے رہا کرتے تھے اور دارِ ارقم کی مرکزیت اور حبشہ میں مسلمانوں کے اطمینان سے ان کو بڑی بے چینی تھی، جب اہل قریش نے دیکھا کہ مسلمان روز بروز زیادہ ہوتے جا رہے ہیں، اور کعبہ کے آس پاس آکر بیٹھنے بھی لگے ہیں تو ان کی حیرت اور پریشانی بہت زیادہ بڑھ گئی، اور انہوں نے ابوطالب کے پاس وفد کی صورت میں جا کر کہا کہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے افضل ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ ناسمجھ لوگ آپ کے بھتیجے کی ہاں میں ہاں ملا کر ہمارے معبودوں کو چھوڑتے جا رہے ہیں، اور ان کی پرستش پر ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور بے وقوف بناتے ہیں، اہل قریش اپنے ساتھ ایک قریشی نوجوان عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لائے تھے، کہنے لگے کہ ہم آپ کے پاس ایسے قریشی نوجوان کو لائے ہیں جو حسن و جمال، حسب و نسب اور نجابت و شرافت کے ساتھ شاعری میں بھی بہت آگے ہے یہ محمدؐ کے بدلے میں آپ کا مددگار اور وارث ہوگا ہم اسے آپ کی خدمت میں نذر کے طور پر پیش کرتے ہیں اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم اس کا قصہ تمام کر دیں، یہ صورت ہمارے پورے معاشرے اور قبیلہ کے لیے مناسب اور انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے ابوطالب نے جواب دیا کہ واللہ تم لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تم اپنے بچے کو میرے حوالے کرتے ہو تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور میں تمہیں اپنے بھتیجے کو دے دوں تاکہ تم اسے قتل کر ڈالو، یہ انصاف نہیں ہے بلکہ تم لوگ میرے ساتھ ذلیل قسم کے لوگوں کی طرح معاملہ کرتے ہو، قریش نے کہا کہ اچھا آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں ہم اس سے انصاف کی بات کریں گے، ابوطالب نے ان کے کہنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا دیکھو یہ تمہارے چچا اور تمہاری قوم کے اشراف ہیں، یہ لوگ تم سے انصاف کی بات کرنی چاہتے ہیں، آپ نے قریش کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہو میں سن رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو چھوڑ دو ہم

Marfat.com

تمہارے معبود کو چھوڑ دیتے ہیں، یہ سن کر ابوطالب نے آپ سے کہا کہ قوم نے تم سے انصاف کا معاملہ کیا ہے تم اسے منظور کر لو، اس پر آپ نے اہل قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اچھا اگر میں تمہاری بات مان لوں تو کیا تم لوگ میری ایک بات مان لوگے؟ اگر تم اسے مان لوگے تو پورے عرب و عجم کے مالک ہو جاؤ گے، ابوجہل نے کہا بات تو بہت اچھی ہے ہم یہ اس جیسی دسیوں بات منظور کر لیں گے، آپ نے ان سے لا الٰہ الا اللہ کے مان لینے کا مطالبہ کیا، اس کلمہ کا سننا تھا کہ سب کے سب تلملا اٹھے اور غصہ میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے کہ اپنے معبودوں کے معاملہ میں صبر کرو، بعض راویوں نے کہا کہ یہ گفتگو عقبہ بن ابومعیط سے ہوئی تھی، بہر حال سب نے کہا کہ اب محمدؐ کے پاس ہم لوگ نہیں آئیں گے، اور اس سے بہتر کوئی شکل نہیں ہے کہ ان کو کسی بہانہ سے قتل کر دیا جائے،

دن میں اہل قریش سے یہ بات چیت ہوئی اور انہوں نے قتل کی دھمکی دی، اور شام کو رسول صلے اللہ علیہ وسلم گھر نہ آئے، ابوطالب کو جب اس کی خبر لگی تو وہ اور آپ کے دوسرے چچا آپ کے گھر آئے، نہیں ملے تو ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے نوجوانوں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ تم میں سے ہر ایک ننگی تلوار لے کر میرے پیچھے پیچھے آئے، جب میں مسجد حرام میں داخل ہو جاؤں تو تم میں سے ہر ایک نوجوان ادھر ادھر دیکھے پھر اس بڑے مجمع کے قریب جا کر بیٹھ جائے جس میں ابن حنظلیہ یعنی ابوجہل ہو، اس لیے کہ اگر محمدؐ کو قتل کر دیا گیا ہے تو وہ اس میں شریک رہا ہوگا ہاشمی اور مطلبی نوجوان تلواریں لے کر ابوطالب کے پیچھے نکلے اتنے میں زید بن حارثہؓ نظر پڑے، ابوطالب نے فوراً ان سے کہا کہ اے زید! تمہیں میرے بھتیجے کی کچھ خبر ہے، زید نے کہا کہ ہاں میں ابھی ابھی ان کے ساتھ تھا، ابوطالب نے کہا کہ جب تک میں اپنے بھتیجے کو دیکھ نہیں لوں گا گھر واپس نہیں جاؤں گا

فخرج زید سریعاً حتیٰ اتیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی بیتٍ عند الصفا ومعہ اصحابہ یتحدثون۔

یہ سن کر زید جلدی سے رسول اللہؐ کے پاس آئے، اس وقت آپ صفا کے پاس ایک مکان میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔

زید نے آپ سے تمام ماجرا بیان کیا، آپ اپنے چچا کے پاس آئے، چچا نے خیریت پوچھی آپ نے جواب دیا، اس کے بعد ابوطالب نے کہا تم اپنے گھر چلو آپ نے چچا کے حکم کی تعمیل کی، صبح کو ابوطالب آپ کے پاس گئے، اور آپ کو ہاشمی اور مطلبی نوجوانوں کے ساتھ کھڑا کر کے باآواز بلند کہا اے اہل قریش! تم کو معلوم ہے کہ میں نے کیا ارادہ کیا تھا، پھر انہوں نے سارا منصوبہ بیان کر کے قریشی نوجوانوں سے ننگی تلواروں کا مظاہرہ کرایا۔ اور کہا کہ واللہ اگر تم لوگ محمد کو قتل کر دیئے ہوتے تو میں نے تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا ہوتا اور بات یہاں تک بڑھ جاتی کہ ہم تم فنا کے گھاٹ اتر جاتے، اس کے بعد اہل قریش ٹھنڈے پڑ گئے اور سب سے زیادہ خفت ابوجہل کو اٹھانی پڑی [1]

بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی واقعہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لے کر مستقل طور سے دارِ ارقم میں قیام پذیر ہو گئے اور جب حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے کفار قریش کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا تو آپ صحابہ کو لے کر باہر نکل آئے، اور آزادی سے کعبہ کے پاس مجلس ذکر و مذاکرہ قائم کرنے لگے، دار ارقم میں قیام کی مدت سیرت حلبیہ کے بیان کے مطابق ایک ماہ ہے اقام فیھا شھراً یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں پر ایک ماہ تک قیام فرمایا [2]

مدرسۂ دار ارقم

اس مدت میں یہ مقام دار الاسلام اور مدرسۃ الاسلام بنا رہا یہاں سے اسلام کی دعوت دی جاتی تھی اور اسلام لانے والوں کو قرآن سکھایا جاتا تھا۔ مدرسۂ دار ارقم کے بارے میں حضرت عمرؓ کا بیان صاحب سیرت حلبیہ نے ان کی زبانی نقل کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع الرجل والرجلین اذا اسلما عند الرجل بہ قوۃ یکونان معہ یصیبان من طعامہ وقد ضم الی زوج اختی رجلین ممن اسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دو ایک ایک مسلمانوں کو کسی ایسے مسلمان کے ساتھ کر دیتے جو کھانے کی طاقت رکھتا تھا، یہ دونوں ان کے یہاں رہ کر کھانا کھاتے تھے، چنانچہ آپ نے دو مسلمانوں

[1] طبقات ابن سعد جلد ا قسم اول ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵، [2] السیرۃ الحلبیۃ جلد ا ص ۳۰۱

Marfat.com

احدهما خباب بن الارتّ والآخر لم اقف علی اسمہ[1] — کو میرے بہنوئی کے ساتھ رکھا تھا۔ ایک خباب بن ارت تھے، اور دوسرے کا نام مجھے معلوم نہیں

ان دونوں حضرات میں سے حضرت خبابؓ فاطمہ اور سعیدؓ میاں بیویؓ کو قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، ابن ہشام کا بیان ہے۔

وکان خبّاب بن الارت یختلف الی فاطمۃ بنت الخطاب یقرءھا القرآن۔ — خبّاب بن ارت فاطمہ بن خطاب کے گھر آتے جاتے تھے اور ان کو قرآن پڑھاتے تھے۔

فاطمہؓ کے شوہر سعید بن زیدؓ بھی خباب بن ارتؓ سے قرآن پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے جس وقت اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہونچے وہاں یہ منظر تھا۔

وعندھما خباب بن الارت معہ صحیفۃ فیھا طٰہٰ یقرءھما ایاھا[2] — ان دونوں کے پاس خباب بن ارت موجود تھے اور خباب کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی وہ ان سے دونوں کو پڑھا رہے تھے۔

مورخ مکہ امام ارزقی متوفی ۲۲۳ھ لکھتے ہیں:

یجتمع ھو واصحابہ فیہ عند الارقم بن ابی الارقم ویقرءھم القرآن ویعلمھم فیہ[3] — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی مکان میں ارقم بن ابی ارقم کے یہاں جمع ہوتے تھے اور آپ صحابہ کو قرآن پڑھاتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔

ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دار ارقم میں ایک ماہ تک تعلیم و تبلیغ کا کام ہوتا رہا، او جو لوگ اس میں رہتے تھے ان کے کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا بلکہ مدرسہ دار ارقم کے طلبہ جاگیر کے طور پر باہر کے مسلمانوں کے یہاں کھانا کھاتے تھے، اور یہ انتظام خود رسول اللہؐ نے فرما

[1] السیرۃ الحلبیہ ج ۱ ص ۳۷۱، [2] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۱۱، [3] اخبار مکہ ج ۲ ص ۲۱۰

یا، ان تمام حضرات کی تعداد حضرت عمرؓ کے مسلمان ہوجانے کے بعد چالیس تھی، اور اسی کے بعد مسلمان
س مقام سے باہر نکلے؛

ضرت عمرؓ کا قبول اسلام، اور دار ارقم سے نکلنا

جیسا کہ معلوم ہوا دار ارقم میں متعدد صحابہ نے اسلام قبول کیا، مگر حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا
لام کی تاریخ اور خود دار ارقم کی تاریخ کے لیے نیا باب ثابت ہوا، اور اسی کے بعد مسلمان وہاں
یا ہر آئے اور علانیہ چلتے پھرتے اسلام کی باتیں کرنے لگے، حضرت عمرؓ اپنی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید
ھر سے واپس ہوئے اور ہاتھ میں ننگی تلوار لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی تلاش میں
لوگوں نے بتایا کہ وہ لوگ صفا کے قریب ایک مکان میں جمع ہیں، ان کی تعداد مردوں اور عورتوں
ملاکر چالیس کے قریب ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے حبشہ
رف ہجرت نہیں کی اور مکہ میں رہنا پسند کیا مثلاً حمزہ بن عبد المطلب، ابوبکر، علی بن ابی طالب وغیرہ،
ں کر حضرت عمر دار ارقم کے پاس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، صحابہ نے سوراخ سے دیکھ کر رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم کو خبر دی، آپ دروازہ کے قریب آگئے، جب حضرت عمر سامنے آئے تو آپ نے
یا ابن خطاب! کس ارادہ سے آئے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ اور اس کے
ں پر ایمان لانے کے لیے آیا ہوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس سے اندر
وں کو معلوم ہوگیا کہ عمر مسلمان ہوگئے،[1] علامہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
ر ارقم میں دوشنبہ کی رات میں دعا کی تھی کہ اے اللہ! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) میں
تیرے نزدیک محبوب ہے اس سے اسلام کو عزت دے، اسی رات کی صبح کو حضرت عمر آئے اور
رقم میں مسلمان ہوئے، اس کے بعد صحابہ نے باہر نکل کر نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور علی الاعلان کعبہ کا
ف کیا۔[2] الغرض دار ارقم مکی دور میں اسلام اور مسلمانوں کا قید خانہ بھی تھا اور مدرسہ بھی جہاں وہ
چھپا کر دعوت اسلام اور تعلیم قرآن میں مشغول رہے، اور اس کا دوسرا نام دار الاسلام پڑ گیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۱ و ص ۳۱۲ ملخص، [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۶۹ قسم اول،

Marfat.com

اس کے بعد تاریخ کے ہر دور میں اسے خاص اہمیت حاصل رہی اور مسلمانوں نے اسے مکہ مکرمہ کے اہم مشاہد مبارکہ میں شمار کیا۔

دار ارقم مختلف ادوار میں

جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت عامہ ہوئی تو حضرت ارقم رضی اللہ عنہ بھی اپنا بار چھوڑ کر ہجرت کر گئے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی مدینہ منورہ میں ایک مکان جاگیر میں دیا جو وہاں بھی دار ارقم کے نام سے مشہور ہوا پھر فتح مکہ کے بعد حضرت ارقم کو مکہ والا مکان بھی مل گیا، آپ نے اس کی عظمت و اہمیت کے پیش نظر فروخت نہیں کیا بلکہ اپنی اولاد پر وقف کر دیا، حضرت ارقم کا وصال ۵۳ھ یا ۵۵ھ میں ہوا، ظاہر ہے انہوں نے اپنے مکان کو اپنی اولاد پر وقف اس سے پہلے کیا ہوگا، جس کا مطلب یہ ہے کہ پچاس سال تک یہ مکان ان کی ملکیت میں رہا اور اس کے بعد وقف علی الاولاد ہو گیا، ان کے صاحبزادے حضرت عثمان بن ارقم رضی اللہ عنہ وغیرہ کی زندگی تک ان کے قبضہ میں رہا، اور اسی سال سے زائد تک وقف اس میں رہے، مگر خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی متوفی ۱۵۸ھ نے دوسری صدی کے وسط میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے خرید لیا، جب اس کے لڑکے خلیفہ مہدی متوفی ۱۶۹ھ کا زمانہ آیا تو اس نے اپنی چہیتی باندی خیزران کی ملکیت میں دے دیا اور خیزران نے اس کی جدید تعمیر کرائی، پھر اس کے لڑکے خلیفہ موسیٰ الہادی متوفی ۱۷۰ھ کے لڑکے جعفر کے قبضہ میں آیا اور دوسری صدی کے آخر میں اس میں کپڑوں کے تاجر رہنے لگے۔

اس سلسلے میں طبقات ابن سعد اور مستدرک حاکم کی ایک روایت کافی معلومات پیش کرتی ہے، دونوں کی روایت میں بہت معمولی فرق ہے، ہم دونوں روایتوں کو سامنے رکھ کر خلاصہ درج کرتے ہیں۔ عثمان بن ارقم کا بیان ہے کہ ساتویں مسلمان کا بیٹا ہوں، میرے والد کا مکان مکہ میں صفا پر تھا یہ وہی مکان ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور یہیں رہ کر لوگوں کو اسلام دی، ایک مرتبہ دوشنبہ کی رات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے جو تجھے پسند ہو اس سے اسلام کو عزت دے

ی صبح کو سویرے ہی عمر بن خطاب دارارقم میں مسلمان ہو گئے، صحابہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور باہر آکر بہ کا طواف کیا۔

دارارقم وقف علی الاولاد اور عباسی خلفاء کی ملکیت بعد میں یہ مکان دار الاسلام کے لقب سے مشہور رہا، اور حضرت ارقم نے اسے اپنے لڑکوں پر صدقۃً وقف کر دیا؟ اس کے وقف نامہ کی عبارت یہ ہے :-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بسم اللہ الرحمن الرحیم
ھٰذا ما قاضی الأرقم فی ربعہ ماحاز الصفا انہا صدقۃ بمکانہا من الحرم، لاتباع ولا تورث، شہد ھشام ابن العاص وفلان مولی ھشام بن العاص۔	ارقم نے اپنے مکان واقع بالمقابل صفا کے بارے میں اس کے حرم کے قریب ہونے کی وجہ سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ صدقہ (وقف) ہے، وہ نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ وراثت میں لیا جا سکتا ہے گواہ ہشام بن عاص اور فلان مولی ہشام بن عاص۔

اس وقف نامہ کے بموجب حضرت ارقم کی اولاد اس مکان میں رہتی سہتی تھی، اور دوسروں کو بہ دیتی تھی، مگر خلیفہ ابوجعفر منصور کے زمانہ میں دارارقم حضرت ارقم کے ہاتھ سے نکل گیا، حضرت کے پوتے عبداللہ بن عثمان بن ارقم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ابوجعفر منصور حج کو آیا اور صفا مروہ ی کرتے ہوئے ہمارے مکان کے نیچے اتنے قریب سے گزرا کہ اگر میں چاہتا تو اس کی ٹوپی آسانی اتار لیتا، منصور مروہ سے واپسی پر صفا پر چڑھتے ہوئے درمیانی وادی سے گزر رہا تھا اور ہماری ے بار بار دیکھ رہا تھا، مگر اس وقت اس نے کوئی بات نہیں کی اور موقع کا منتظر رہا، اتفاق سے کے بعد مدینہ منورہ میں امام محمد نفس زکیہؒ کے والد عبداللہ بن حسنؒ نے ۱۴۰ھ میں ابوجعفر منصور خلاف صف آرائی کی، اور عبداللہ بن عثمان ابن ارقم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی حالانکہ انہوں عبداللہ کے ساتھ ساتھ خروج نہیں کیا تھا، ابوجعفر منصور کو جب عبداللہ بن عثمان کے معاملہ

Marfat.com

کی خبر ملی تو اس نے مدینہ کے حاکم کو لکھا کہ عبد اللہ کو گرفتار کرو، اور لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر جیل خانے میں ڈال دو، اس کے بعد ابو جعفر منصور نے کوفہ کے ایک آدمی شہاب بن عبد ربّ نامی کو ایک خط دے کر مدینہ کے گورنر کے پاس بھیجا جس میں درج تھا کہ تم میرے حکم پر عمل کرو، شہاب بن عبد ربّ مدینہ آیا اور پھر عبد اللہ بن عثمان بن ارقم کے پاس جیل خانے میں گیا، اس وقت عبد اللہ بالکل بوڑھے ہو چکے تھے، عمر اسّی سال سے زائد تھی، لوہے کی زنجیروں کے برداشت کرنے کے قابل نہ تھے، شہاب نے جاتے ہی ان سے کہا کہ آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو جیل سے رہا کردوں ؛ بشرطیکہ آپ دار ارقم میرے ہاتھ فروخت کردیں، تو مجھے امید ہے کہ میں ان سے آپ کے بارے میں گفتگو کر کے اس مصیبت سے نجات دلا سکوں گا، عبد اللہ بن عثمان نے کہا کہ دار ارقم وقف علی الاولاد ہے، وہ کیسے فروخت کیا جا سکتا ہے، میں اپنا حصّہ ابو جعفر کو دے سکتا ہوں مگر اس میں میرے بھائی وغیرہ بھی شریک ہیں، شہاب نے کہا کہ آپ اپنے حصّہ کے بارے میں بات کیجئے اور اپنا حق ہمیں دے کر بری ہو جائیے بعد میں ہم دوسروں سے نبٹ لیں گے، چنانچہ عبد اللہ نے سترہ ہزار دینار پر اپنا حصّہ فروخت کر کے بیعنامہ لکھ دیا اس کے بعد ان کے بھائیوں پر دورے ڈالے گئے اور زیادہ سے زیادہ رقم دے کر ان کو بھی اپنے اپنے حصّہ فروخت کرنے پر تیار کر لیا گیا، اور سب نے ابو جعفر منصور کے نام اپنا اپنا حصّہ لکھ دیا، اس کے بعد سے دار ارقم ابو جعفر منصور کی ملکیت قرار پایا، پھر اس نے جس کو اسے چاہا دے دیا اس کی ملکیت بن گیا۔

خلیفہ مہدی متوفی ۱۶۹ھ کا زمانہ آیا تو اس نے دار ارقم کو اپنے دونوں شاہزادوں موسیٰ اور ہارون کی ماں خیزران کے نام کر دیا، خیزران نے اسے نئے سرے سے بنوایا جس کی وجہ سے وہ اس کے نام سے مشہور ہوا، اور اب اس کا نام دار ارقم کے بجائے دار الخیزران پڑ گیا اس کے بعد یہ مکان موسیٰ الہادی کے بیٹے جعفر کے قبضہ میں چلا گیا، اور کچھ دنوں کے بعد اس میں شطوی اور عدنی کپڑے کے تاجر رہنے لگے، (شطوی مصری کپڑا جو علاقہ شطا میں بنتا تھا اور عدنی کپڑا عدن میں تیار ہوتا تھا) پھر ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ جعفر بن موسیٰ الہادی کی اولاد میں سے غسان بن عباد نے پورے مکان

اس کے اکثر حصے کو خرید لیا[1]

اس کے بعد جب خلیفہ ہارون رشید متوفی ۱۹۲ھ کا زمانہ آیا تو اس کی بیوی زبیدہؒ نے مکہ مکرمہ میں رفاہ عام اور حجاج کے آرام کے لیے نہر زبیدہ وغیرہ بنوائی اور اسی زمانہ میں دار ارقم کو اس کے ورثہ سے خرید کر پھر وقف کر دیا[2] اور اب دار ارقم دار زبیدہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید کی ماں خیزران اور اس کی بیوی زبیدہ دونوں کے نام اس مکان کے ساتھ مشہور ہوئے چنانچہ مشہور مورخ مکہ امام ارزقی متوفی ۲۲۳ھ نے تیسری صدی کے شروع میں لکھا ہے کہ دار ارقم کو دار الخیزران بھی کہتے ہیں اور آٹھویں صدی کے سیاح ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ مکہ کے جن مکانات کے دروازے مسجد حرام کی طرف ہیں ان میں دار زبیدہ بھی ہے[3]

دار ارقم بعد کے ادوار میں

تیسری صدی میں دار ارقم کے بارے میں امام ارزقی کا مفصل بیان ہے کہ آل ارقم بن ابی ارقم کا مکان صفا کے پاس واقع ہے جسے دار الخیزران کہتے ہیں، اس میں ایک مسجد ہے جس میں نماز پڑھی جاتی ہے، یہ مسجد وہی مکان ہے جس میں رسول اللہؐ اور صحابہ چھپ کر رہا کرتے تھے، آپ ان لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے اور دین کی تعلیم دیتے تھے، اسی گھر میں حضرت عمر بن خطابؓ مسلمان ہوئے[4]

ایک دوسرے مقام پر مسجدوں کے ذکر میں امام ارزقی لکھتے ہیں کہ مسجد دار ارقم بن ابی ارقم صفا کے پاس واقع ہے، جسے دار الخیزران کہا جاتا ہے، یہ مسجد پہلے گھر تھی جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھپے تھے، اور اسی میں حضرت عمرؓ اسلام لائے تھے[5]

اس بیان سے معلوم ہوا کہ دار ارقم تیسری صدی میں مسجد کی شکل اختیار کر چکا تھا اور مکہ مکرمہ کے مشاہد مبارکہ میں شمار ہوتا تھا، اس کے باوجود دار ارقم (یعنی آل ارقم، دار الخیزران اور دار زبیدہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۱۶۳ و ص ۱۶۴ اور مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ذکر ارقم بن ابی ارقم ج ۳ ص ۵۰۳، [2] تاریخ مکہ، احمد سباعی ص ۱، [3] رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۸۹، [4] اخبار مکہ ج ۲ ص ۲۱۰، [5] اخبار مکہ ج ۲ ص ۱۶۲،

Marfat.com

کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا، تاریخوں میں اس کا ایک نام مختبیٰ (چھپنے کی جگہ) بھی آتا ہے۔

دار ارقم مکہ کے مشاہد متبرکہ میں

بعد میں اس مقام کی عظمت و اہمیت کے پیش اس کا شمار مشاہد مکہ میں ہونے لگا اور یہاں مسجد تعمیر کردی گئی اور حجاج و زدار کے علاوہ سیاحوں اور مورخوں کے لیے اس مقام میں بڑی جاذبیت پیدا ہوگئی اور وہ اس کا ذکر خاص طور سے کرنے لگے، چنانچہ ابن جبیر اندلسیؒ نے جو چھٹی صدی کے آخر میں مکہ مکرمہ آئے تھے اپنے سفرنامہ میں دار ارقم کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے، "مکہ مکرمہ کی متبرک زیارت گاہوں میں سے دار الخیزران بھی ہے، یہ وہی مکان ہے جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس مقدس گروہ کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے، جو آپ کے صحابہ میں سب سے پہلے ایمان لایا، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے اسی گھر سے حضرت عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں اسلام کو پھیلایا، اس مکان کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے[1] آٹھویں صدی کے مشہور سیاح ابن بطوطہؒ نے دار ارقم کے بارے میں لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے مقامات متبرکہ میں وہ مکانات بھی شامل ہیں جن کے دروازے حرم کی طرف کھلتے ہیں، ان ہی سے امیر المومنین ہارون رشید کی بیوی زبیدہ کا مکان دار زبیدہ بھی ہے[2] مورخ مکہ علامہ قطبیؒ نے لکھا ہے کہ دار الخیزران دار ارقم کے علاوہ ایک اور مکان ہے، جو اسی کے قریب واقع ہے، یہ بات یوں صحیح ہے کہ دار ارقم جسے مختبیٰ بھی کہتے ہیں اس کے ایک حصہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی، اس کو مسجد بنا دیا گیا تھا اور اس میں باقاعدہ نماز ہوتی تھی جیسا کہ امام ارزقی مکیؒ کی تصریح گزر چکی ہے اور اسی مکان کے دوسرے حصہ کو دار الخیزران کے نام سے یاد کیا گیا جسے خیزران نے اپنے صرفہ سے تعمیر کرایا تھا، اخبار مکہ ارزقی کے محشی نے جو زمانہ حال کے ہیں اور مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں حاشیہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ دار ارقم آج کل دار الخیزران کے نام سے مشہور ہے یہ پہلے مختبیٰ بھی کہا جاتا تھا، پھر دوسری جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ دار الخیزران مختبیٰ کے ارد گرد واقع ہے۔[3]

دار ارقم موجودہ صدی تک

اس مقام کی عظمت و اہمیت کی وجہ سے بعد کے امراء و سلاطین نے بھی

---

[1] رحلہ ابن جبیر ص۹۰، [2] رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص۸۶، [3] اخبار مکہ ج ۲ ص۱۶۲ حاشیہ۔

Marfat.com

اس کی طرف عقیدت و محبت کی نظر کی، اور اس کی تعمیر و تجدید کو باعث سعادت سمجھا چنانچہ اس صدی کی ابتدا تک اس میں دو کتبے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ امین الملک مصلحؒ اور وزیر جمال الدین اصفہانیؒ نے بھی دار ارقم کی تعمیر و تجدید میں حصہ لیا تھا، اس کے مشرقی جنوبی گوشے میں دو پتھر رکھے ہوئے تھے، جن میں سے ایک پر ابھرے ہوئے حروف میں یہ عبارت کندہ تھی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بسم اللہ الرحمن الرحیم
فی بیوتٍ أذِنَ اللّٰهُ أنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، هٰذا مختبأ رسول الله، ودار الخيزران، و فيها مبتدأ الاسلام أمر بتجديده الفقير الى مولاه امين الملك مصلح ابتغاء ثواب الله ورسوله وَلَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔	فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہا اسمہ یسبح لہ فیہا بالغدو و الآصال (الآیۃ) یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مختبیٰ (پناہ گاہ) اور دار خیزران ہے، اور اسی میں اسلام کی اشاعت کی ابتدا ہوئی، اس کی تجدید کا حکم فقیر امین الملک مصلح نے دیا، اس کا مقصد اللہ و رسول کی طرف سے ثواب ہے، اور اللہ تعالیٰ نیکیوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ہے،

اور دوسرے پتھر پر یہ عبارت کندہ تھی:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بسم اللہ الرحمن الرحیم
هذا مختبأ رسول الله صلى الله عليه وسلم المعروف بدار الخيزران، امر بعمله وانشائه العبد الفقير لرحمة الله تعالى جمال الدين شرف الاسلام ابوجعفر محمد بن علي بن ابي منصور الاصفهاني وزير الشام والموصل الطالب لوصول إلى الله تعالى	یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مختبیٰ ہے، اسے دار الخیزران بھی کہتے ہیں، اس کی تعمیر کا حکم فقیر جمال الدین شرف الاسلام ابوجعفر محمد بن علی بن ابو منصور اصفہانی وزیر شام و موصل نے دیا، جو اللہ تعالے کا طالب اور اس کی رحمت کا امیدوار ہے، اللہ تعالے اپنی

Marfat.com

الراجی لرحمۃ الله الله فی الطاعۃ بقاءہ — اطاعت میں اس کی عمر دراز کرے، اور دونوں

وانالہ فی الدین مناہ فی سنۃ خمس وخمسین وثلثمائۃ — جہاں میں اس کی مراد پوری کرے، ۳۵۵ھ

سعودی حکومت سے پہلے خدیو مصر عباسی حلمی پاشا الثانی نے ۱۳۲۷ھ کے اپنے سفرنامہ حجاز میں دارارقم کے بارے میں تفصیل سے معلومات درج کی ہیں، جو اس کی قدیم تاریخ کی آخری سند و شہادت ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ دارارقم جو دار خیزران کے نام سے مشہور ہے کوہ صفا کی طرف جانے والے کے بائیں جانب گلی میں واقع ہے، اس کا دروازہ مشرق کی طرف کھلتا ہے، اس دروازہ سے داخل ہونے کے بعد ایک کھلا ہوا صحن پڑتا ہے، جس کا طول تقریباً آٹھ میٹر اور عرض چار میٹر ہے، اس صحن کے بائیں جانب تقریباً تین میٹر چوڑ سائبان کی چھت ہے اور صحن کے دائیں جانب کی دیوار کے وسط میں ایک دروازہ ہے جس سے اندر ایک کمرہ میں داخل ہوا جاتا ہے، اس کمرے کا طول آٹھ میٹر اور عرض اس کا نصف ہے، اس میں چٹائی بچھی ہوئی اور اس کمرے کے مشرقی جنوبی گوشے میں دو پتھر رکھے ہوئے ہیں جن کے اوپر دو تحریریں ہیں، (یہ دونوں تحریریں اوپر گزر چکی ہیں)[1]

خلاصہ یہ ہے کہ دارارقم ابتدائے اسلام میں مکہ مکرمہ میں اسلامی دعوت اور قرآنی تعلیم کا مرکز تھا اور اس میں وہ مسلمان اپنے رسول کے ساتھ رہتے تھے جن کو "السابقون الاولون" کا خطاب ملا ہے، یہ مرکز سیرت نبوی کے ابتدائی اہم واقعات کا گہوارہ ہے، جسے اسلامی ثقافت کا مرکز کہا جا سکتا ہے جہاں دینی علوم و افکار اور اسلا افعال و اعمال کی تعلیم و تلقین عملی طور سے ہوتی تھی، اسی مرکزیت اور اہمیت کی وجہ سے مسلمانوں نے دارارقم کو بھی اپنی عقیدت و محبت کا مرکز بنایا، اور وہ مختلف ناموں سے یاد کیا گیا، مثلاً (۱) دارارقم بن ابی ارقم (۲) آل ارقم (۳) دارالاسلام (۴) مسجد دارارقم (۵) مختبیٰ (۶) دارالخیزران (۷) دارزبیدہ، اس صدی ابتدائی ربع تک اس کی یہ حیثیت اور خصوصیت باقی رہی، مگر سعودی حکومت کے دور میں حرم شریف کی توسیع و تعمیر کے سلسلے میں اس کے تمام قدیم آثار حرمین شریفین کے اسی قسم کے دیگر آثار و علائم کی طرح ش گئے اور اسے اب نئی عمارت کی شکل میں قرآنی تعلیم کا مدرسہ[2] بنا دیا گیا ہے۔ (البلاغ، مارچ، اپریل ۱۹۵۶ء)

[1] الرحلۃ الحجازیہ، لعباس حلمی پاشا الثانی خدیو مصر ص ۵۵

[2] اب وہ بھی ختم کر دیا گیا ہے۔ محمد ... ۹۳/۱۰/۱۲

(۵)

مدارسِ اسلامیہ کے ارتقائی ادوار

اسلام سراسر تعلیمی وتبلیغی دین ہے اور وہ چند اصول وروایات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں انسانی زندگی کے ہر گوشہ کے لیے تعلیم ہے، جس کا سیکھنا سکھانا بقدرِ ضرورت ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب وادیان کے مقابلہ میں اسلام میں تعلیم وتعلّم کو اہمیت حاصل ہے اور مسلمانوں میں پڑھنے پڑھانے کا رواج ان کی تاریخ کے پہلے دن سے آج تک دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ ہے، آج بھی مجموعی اعتبار سے یہ قوم اور اس کے افراد زیادہ لکھے پڑھے ہوتے ہیں۔

اسلام میں تعلیم وتعلّم کا سلسلہ ابتدا ہی سے احوال وظروف کے حسبِ حال جاری تھا اور جیسے جیسے حالات بدلتے گئے اس میں باقاعدگی اور تنظیم آتی گئی، مکہ مکرمہ اور اس کے قرب وجوار میں اسلام کی آمد کے زمانہ میں کوئی تعلیمی نظام نہیں تھا، البتہ بعض علوم وفنون جو عربوں کی زندگی سے متعلق تھے روایاتی اور تجرباتی طور سے غیر منظم طور سے پائے جاتے تھے جیسے شاعری، طب، النجوم، قیافہ اور کہانت وغیرہ، ان کے جاننے والے عموماً بدوی اور بے پڑھے لکھے لوگ ہوا کرتے تھے، اور ان کے یہ علوم خاندانی ورثہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے، البتہ ان میں کچھ افراد ایران اور روم کے علوم وفنون سے واقف تھے شام کی حدود میں رومی تہذیب وتمدن اور علوم وآثار پائے جاتے تھے اور سریانی علوم کا چرچا تھا، اسی طرح عراق اور اس کے اطراف ایرانی علوم وفنون سے کسی نہ کسی حد تک روشناس تھے، اندرون عرب کے بعض حکماء واطباء کے بارے میں مورخین نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے ایران جاکر ایرانی علوم وفنون حاصل کیے، مشہور طبیب عرب حارث بن کلدہ نے وہیں جاکر طب اور موسیقی سیکھی تھی، اور مکہ مکرمہ والوں کا تعلق ایرانی سلطنت اور ایرانی علوم سے پایا جاتا تھا، ان کے وفود کسریٰ کے دربار میں

Marfat.com

جاتے تھے، اور ایک دوسرے کے افکار و خیالات سے واقف ہوتے تھے، بلکہ بعض اہل مکہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے مقابلہ میں ایران کے علمی اور ادبی سرمایہ سے فائدہ اٹھایا اور ایرانی قصص و روایات کو اسلامی تعلیمات کے مقابلہ میں عوام کے سامنے پیش کیا، قاضی القضاۃ عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے تثبیت دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ بنو عبدالدار کا نضر بن حارث بن کلدہ اللہ و رسول کا بدترین دشمن تھا اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ایران کا سفر کیا اور وہاں ایسی چیزیں تلاش کیں جن سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ برپا کرسکے، چنانچہ اس نے رستم و اسفندیار اور اہل فارس کی داستان خریدی، اور ان کو مکہ میں لاکر بیان کرنا شروع کیا، جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی جگہ سے اٹھ جاتے تو نضر بن حارث وہاں پہونچ کر ان ہی قصوں کہانیوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا اور کہتا کہ محمدؐ عاد و ثمود اور دوسری گذشتہ قوموں کے بارے میں جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب باتیں اسی کتاب کی ہیں بلکہ یہ کتاب ان سے زیادہ اچھی اور دلچسپ ہے[1] ابن ندیم نے الفہرست میں ایرانیوں کی کتابوں کے ذکر کتاب رستم و اسفندیار کا تذکرہ کیا ہے[2]

بہرحال عرب کے وسطی علاقہ میں کوئی چھوٹی بڑی باقاعدہ درسگاہ نہیں تھی اور نہ ہی عرب کے عوام میں علم و فنون کا کوئی خاص چرچا تھا البتہ بعض افراد دوسرے ملکوں میں جاکر وہاں کے بعض علوم حاصل کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں کتابت اور لکھنے کا رواج اس طرح ہوا کہ یہاں کے چند لوگوں نے تجارتی اسفار کی بدولت حیرہ سے فن تحریر سیکھا اور مکہ آکر دوسروں کو سکھایا مگر یہ کام بھی بہت محدود اور خال خال لوگوں میں ہوا، اور علامہ بلاذری کی تصریح کے مطابق رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے[3] حالانکہ مکہ تجارتی مرکز تھا اور دنیا کی مختلف مشرقی اور مغربی قوموں کے تاجر یہاں آتے جاتے تھے، خود قریش کا پیشہ تجارت

---

[1] تثبیت دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۵۳ طبع بیروت، [2] کتاب الفہرست ص ۴۲۴،
[3] فتوح البلدان، امر الخط ص ۴۷۷،

تھا جس کا تعلق یمن اور شام سے تھا' اس کے باوجود ان میں علم کی کمی کا یہ حال تھا کہ صرف سترہ آدمی قلم پکڑنا جانتے تھے' اسی سے دوسرے علاقوں کی علمی حالت کا اندازہ ہو سکتا ہے"۔

مکہ کرمہ کی اسلامی درسگاہیں

ان حالات میں مسلمانوں نے مکہ کرمہ میں قرآن کی تعلیم کا کام شروع کر کے وقت کی نزاکت اور ضرورت کے مطابق تعلیمی سلسلہ جاری کیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مکہ کی دس سالہ زندگی سراسر لامرکزیت کی تھی، رات دن انکار و حوادث کا ہجوم رہتا تھا، مسلمانوں کا کوئی محفوظ مرکز نہیں تھا جہاں وہ سکون واطمینان اور امن وامان سے اسلامی احکام کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے اس زمانہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی متحرک مدرسہ تھی جس کے ذریعہ بازاروں میلوں' اور خصوصی وعمومی جگہوں میں تعلیم و تبلیغ کا کام ہوتا تھا، نیز اس دور میں جو حضرات اسلام لاتے چند اصولی باتوں کی تعلیم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچا دیا کرتے تھے' اس بارے میں چند حضرات امتیازی شان رکھتے تھے' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت خباب ابن ارت رض وغیرہ اس دور کے معلّم و مدرس کہے جا سکتے ہیں' اور مندرجہ ذیل مقامات کو مکہ میں اسلامی مدرسہ کہا جا سکتا ہے"۔

مدرسۂ مسجد ابوبکر رض

مکی دور میں اگرچہ باقاعدہ مدارس و مدرسین نہیں تھے مگر اس پرفتن دور میں جس جگہ مسلمانوں کو پُرسکون لمحے مل جاتے وہیں قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا خصوصی اور وقتی انتظام کر لیا جاتا تھا' اس دور کے ایسے مقامات کو ہم مدرسہ کہہ سکتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رض کی وہ مسجد ہے جسے مدرسہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جس پر آپ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے' اس سے پہلے یہ ایک کھلی ہوئی جگہ تھی۔ اس لیے کفار کے لڑکے اور عورتیں اس وقت حضرت ابوبکر کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور قرآن سنتے۔ یہ بات کفار کو ناگوار گزری اور انہوں نے حضرت ابوبکر کو اس مرکز کے چھوڑنے پر مجبور کیا' اور جب آپ ہجرت کے ارادہ سے نکلے تو ابن دغنہ آپ کو واپس لایا اور کہا کہ آپ باہر نہ جائیں البتہ گھر کے اندر نماز پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں، آپ نے کچھ دنوں تک گھر کے اندر نماز اور تلاوت کا عمل جاری

Marfat.com

رکھا پھر گھر کے سامنے ایک مسجد بنا کر اسی میں یہ کام کرنے لگے، صحیح بخاری میں ہے۔

ثم بدا لابی بکر فابتنی	اس کے بعد حضرت ابوبکر نے اپنے گھر کے سامنے
مسجداً بفناء دارہ، وکان	ایک مسجد بنائی جس میں نماز پڑھتے اور قرآن
یصلی فیہ ویقرء القرآن[1]	پڑھتے تھے۔

مدرسۂ بیت فاطمہ بنت خطاب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطابؓ ان سے پہلے اپنے شوہر سعید بن زید کے ساتھ مسلمان ہو چکیں، اور دونوں اپنے گھر میں قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے، جن کو حضرت خباب بن ارت قرآن پڑھاتے تھے، حضرت عمرؓ اسلام لانے سے پہلے اپنی بہن کے گھر گئے تو اس وقت بہن بہنوئی دونوں قرآن پڑھ رہے ہیں سیرت حلبیہ میں حضرت عمرؓ کی زبانی منقول ہے کہ:-

وقد ضم الی زوج اختی رجلین	رسول اللہؐ نے میرے بہنوئی کے یہاں دو مسلمانوں
ممن أسلم احدھما خبّاب بن	کے کھانے کا انتظام کیا تھا، ان میں سے ایک خباب بن
الارتّ والآخر لم اقف علی	ارت تھے اور دوسرے کا نام مجھے معلوم نہ ہو سکا خباب
اسمہ ..... وانہ کان یختلف	بن ارت ان دونوں کے یہاں آتے جاتے تھے
الیھما یعلمھما القرآن۔	اور ان کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

چنانچہ جس وقت حضرت عمر غصہ کی حالت میں ان کے یہاں پہونچے تو چند مسلمان بیٹھے ہوئے قرآن پڑھ رہے تھے، حضرت عمرؓ کا بیان ہے:

کان القوم جلوساً یقرؤن	ایک جماعت بیٹھی ہوئی صحیفہ پڑھ رہی تھی جو انکے
صحیفۃ معھم[2]	پاس تھا۔

صحیفہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے اس وقت تک مکہ مکرمہ میں قرآن کا جس قدر حصہ نازل ہوا تھا کتابی شکل میں جمع کر لیا گیا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، [2] سیرت حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۰۱

مدرسہ دارِ ارقم بنِ ابی ارقم | یہ وہ مدرسہ ہے جسے علمائے تواریخ وسیر دارِ ارقم وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، یہ مکان حضرتِ ارقم کی ملکیت میں تھا، کوہِ صفا کے پر واقع تھا، اور اس وقت دعوتِ اسلام کا مرکز تھا حتی کہ اسی زمانہ میں دار الاسلام کے نام سے مشہور ہوگیا تھا[1] جب کفارِ قریش کا ظلم وستم حد سے زیادہ ہوگیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو لے کر اسی مکان میں رہنے لگے تھے، یہ سب تقریبًا چالیس صحابہ تھے جن میں مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے، اسی گھر میں قیام کے دوران حضرت عمرؓ اسلام لائے تھے، حضرت ابوبکرؓ حضرت حمزہؓ حضرت علی رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ ۔۔ بھی اس میں رہتے تھے، آپ نے یہاں ایک ماہ تک قیام فرمایا تھا اور اس میں باقاعدہ دینی تعلیم کا انتظام تھا، مدرسہ دارِ ارقم کے انتظام پر حضرت عمرؓ کے بیان سے اچھی روشنی پڑتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس ابتلاء و آزمائش کے نازک دور میں آپ کس طرح اسلامی تعلیم کو جاری رکھا، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مسلمان ہونے والوں میں سے ایک، ایک دو دو کو
یجمع الرجل والرجلین اذا اسلما	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی صاحب استطاعت
عند الرجل بہ قوۃ یکونان معہ	کے یہاں بھیج دیا کرتے تھے، یہ اس کے ساتھ رہ کر
یصیبان من طعامہ[2]	کھانا کھایا کرتے تھے۔

سیر کی کتابوں سے مدرسہ دارِ ارقم کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ (۱) طلبہ کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی، (۲) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت خبّاب بن ارتؓ وغیرہ قرآن کا درس دیتے، (۳) یہی مدرسہ بھی تھا اور دار الاقامہ بھی (۴) صاحب حیثیت صحابہ کے یہاں ایک ایک دو طلبہ بطور وظیفہ اور مدد کے کھانا کھایا کرتے تھے، (۵) اس مدرسہ کی یہ شکل ایک ماہ کے قریب رہی، دارِ ارقم پر ہمارا ایک مستقل اور مفصل مقالہ ہے، مزید معلومات کے لیے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے[3]۔

مدرسہ شعب ابی طالب | کفار قریش نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر مکہ مکرمہ

---

[1] تفصیل کے لیے المستدرک حاکم جلد ۳ صـ ۵۰۳ ملاحظہ ہو۔ [2] سیرت حلبیہ ج ۱ صـ ۳۰۱ [3] کتاب ہذا

کی گلیاں تنگ کردیں اور ان کا ہر طرح کا مقاطعہ کیا جس کی وجہ سے آپ ۷ نبوی سے ۱۰ نبوی تک شعب ابی طالب میں محصور رہے، اس تین سال کی مدت میں ہر قسم کی تکلیف و تنگی کے باوجود تعلیم و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا، قرآن کا نزول ہوتا تھا اور اس کی تعلیم بھی ہوتی تھی، شعب ابی طالب میں خاندانِ رسالت کے دوسرے صحابہ کی موجودگی کا ثبوت تاریخوں سے ملتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ان سالوں میں وہاں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ جاری رہا ہو۔[1]

مدرسۂ ارضِ حبشہ

رجب ۵ نبوی میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے تنگ صحابہ کرام کی ایک جماعت ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی، اسلام میں یہ پہلا غیر ملکی بحری سفر تھا، ان میں مرد اور عورتیں سب ہی شامل تھے جن کی تعداد ۸۳ تھی[2] ان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے جو بعد میں علوم اسلامیہ کے ترجمان و ناشر ہوئے، ان کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے[3] ایک موقع پر حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے شاہ حبش کے بھرے دربار میں علمائے نصاریٰ کے سامنے قرآن کی تلاوت کی اور اسلام پر جامع تقریر کی، صحابہ کرام کی اتنی تعداد حبشہ میں قرآن کے پڑھنے پڑھانے اور اس وقت تک اسلامی احکام کے سیکھنے سکھانے میں مصروف رہا کرتی تھی اس لحاظ سے ارضِ حبشہ کا مدرسہ غیر ملک میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔

مکہ مکرمہ کے باہر کے مدارس

اسلام کے مکی دور میں یہی چند مقامات تھے جہاں دین کی تعلیم کسی نہ کس طور سے ہوا کرتی تھی، اور اس میں اجتماعیت پائی جاتی تھی، مکہ مکر کے باہر بھی اس دور میں کچھ ایسے مقامات تھے جن کو اس دور کے مدارس میں شمار کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں کئی ایسے حضرات تھے جو باہر سے آکر اسلام لاتے اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے ان کو رسو صلے اللہ علیہ وسلم نے ضروری تعلیمات دے کر ان کے قبیلہ اور وطن میں بھیج دیا اور فرمایا کہ تم موجودہ حالت میں اپنے یہاں رہ کر دین کا کام کرو، جب حالات سازگار ہوجائیں گے تو میرے پاس آجانا، ایسے حضر

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۲۶، [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۰۵ [3] مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۵۱۔

Marfat.com

نے اپنے اوطان و قبائل میں اسلامی تعلیم کی خدمت انجام دیتے تھے، اور ان کے گھر مدرسہ تھے، اور بعض مقامات پر مستقل طور سے معلمین قرآن بھیجے جاتے تھے، چنانچہ مدینہ منورہ میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔

مدرسہ دار سعد بن ضرارہ مدینہ منورہ میں قرآن کی تعلیم ہجرت سے پہلے ہی ہو رہی تھی، اور آخر میں وہاں سے اس کا تقاضا شدید ہو گیا کہ بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر طے پایا کہ ایک عالم صحابی مستقل معلم قرآن بن کر مدینہ آئیں، چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے مدینہ پہونچ کر حضرت سعد بن ضرارہؓ کے مکان میں باقاعدہ تعلیم قرآن کا سلسلہ جاری کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معدودے چند کے علاوہ تمام انصار نے اسلام سے مشرف ہو کر اپنے بت توڑ ڈالے، اور حضرت مصعب بن عمیرؓ مقری یعنی عالم قرآن کے لقب سے یاد کئے جانے لگے، معجم کبیر طبرانی کی روایت ہے،

رجع مصعب إلى النبي صلى الله عليه وسلم ... ان يدعى المقرى[1] — جب مصعب بن عمیرؓ مدینہ منورہ سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو مقری کے لقب سے مشہور ہو چکے تھے،

اسلام میں سب سے پہلے مقری یعنی معلم و استاذ کا لقب حضرت مصعبؓ کے نصیب میں تھا، اس دور میں مدینہ منورہ کے اس مدرسہ سے قرآن کی تعلیم کا چرچا عام ہو چکا تھا اور بہت سے تلامذہ و طلبہ نے یہاں قرآن کی تعلیم حاصل کی، حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے،

قدم النبي صلى الله عليه وسلم علينا ... من يثة حتى حفظت سُوَرًا من المفصل[2] — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی میں نے طوال مفصل کی کئی سورتیں زبانی یاد کر لی تھیں،

مدرسہ دار سعد بن خیثمہؓ ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں اور بھی مقامات تھے جہاں دینی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، ان میں مدرسہ دار سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ زیادہ اہمیت

---

[1] مجمع الفوائد ج ۲ ص ۲۸ طبع ہند، [2] طبقات ابن سعد ص — و اسعاف المبطاء فی رجال الموطأ ص ۱۸۴،

Marfat.com

رکھتا ہے، حضرت سعد بن خیثمہؓ مجرّد تھے اس لیے ہجرت عامہ سے پہلے کے مجرد مہاجرین کے لیے ان کا
گھر دار الاقامہ تھا جس میں قرآنی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

مدرسۂ مسجد بنی زریق انصار مدینہ میں بنو زُریق کی مسجد قرآنی تعلیم کا سب سے پہلا مدرسہ ہے اور حضرت
رافع بن مالکؓ اس کے اولین استاد ہیں، دس سال کی مدت میں قرآن کا جس
قدر حصہ نازل ہوا تھا حضرت رافع بن مالکؓ نے اہل مدینہ کو اسی مسجد میں پڑھایا، سورۂ یوسف بھی
آپ نے سب سے پہلے یہیں پڑھائی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی سلامتیٔ طبع اور استقامت
حال پر تعجب فرمایا کرتے تھے[1]۔

مدرسۂ مسجد بنی بیاضہ ہجرتِ عامہ سے پہلے بنی بیاضہ کی یہ مسجد بھی مدینہ منورہ میں مرکزیت حاصل کر
چکی تھی اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اس میں سب سے پہلا جمعہ
پڑھایا اور مدینہ کے مسلمانوں کو جمع کیا[2]۔ اس وقت کے عام حالات کے مطابق یہاں بھی قرآن کی تعلیم
ہوتی تھی، کیونکہ مدینہ منورہ کی مسجد کے امام وہاں کے معلم بھی ہوا کرتے تھے۔

مدرسۂ مسجد قُبار ہجرت عامہ سے پہلے ہی صحابہ کرامؓ کی ہجرت کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اور
اس دور میں مہاجرین عموماً مدینہ منورہ کے باہر مقام قُبار میں قیام کرتے تھے،
ہجرت سے پہلے ان کا ایک گروہ یہاں آکر تعلیم و تعلّم میں مشغول رہتا تھا جو حضرات قبار اور اس کے
قریب مقام عصبہ میں مقیم تھے، انہیں حضرت سالم مولیٰ ابن حذیفہؓ نماز پڑھایا کرتے تھے، کیونکہ
ان سب میں قرآن کے بڑے عالم وہی تھے[3]۔ حالانکہ قبار میں اجلۂ صحابہ کا مجمع رہتا تھا جن میں حضرت
حضرت ابو سلمہ، حضرت زید، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم جیسے علمار و مشاہیر صحابہ تھے، لیکن ان کی
امامت حضرت سالم ہی کیا کرتے تھے، بعد میں حضرت معاذ اور حضرت سعد بن عویم رضی اللہ عنہما
قُبار میں نماز پڑھایا کرتے تھے، اور حضرت سعد تو عہد صدیقی بلکہ ابتدائے عہد فاروقی تک اس

---

[1] وفار الوفار باخبار دار المصطفےٰ ج ۲ ص ۵۹ و اصابہ ج ۲ ص ۱۹۰، [2] وفار الوفار ج ۲ ص ۲،
[3] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱ ص ۸۵۔

خدمت پر مامور رہے، اور ان کے انتقال پر حضرت عمرؓ نے حضرت مجمع بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو یہ خدمت سپرد کی۔[1]

ہجرت سے پہلے مکہ کرمہ کے مدرسۂ دار ارقم اور مدینہ منورہ کے مدرسۂ مسجد قبا ، دونوں میں تعلیم و تعلم کا نہایت معقول اور مستقل انتظام تھا، بلکہ مدرسہ قبا میں تعلیمی سرگرمی زیادہ تھی، حضرت عبدالرحمن بن غنمؓ کا بیان ہے۔ حدثنی عشرۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قالوا:

کنا نتدارس العلم فی مسجد قباء اذا خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تعلموا ما شئتم، ان تعلموا فلن یاجرکم اللہ حتی تعملوا۔[2]	مجھ سے دسیوں صحابہ نے بیان ہے کہ ہم مسجد قبا میں پڑھتے پڑھاتے تھے، کہ رسول اللہؐ آئے اور ہم کو دیکھ کر فرمایا کہ تم لوگ جو چاہو پڑھو مگر سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسی وقت تم کو اجر دے گا جب کہ تم لوگ اپنے علم پر عمل کرو گے

اس مدرسہ میں اجلۂ صحابہ موجود تھے اور وہ آپس میں تعلیم و تعلم کا کام کرتے تھے، ویسے مدینہ منورہ اور دوسرے مقامات میں مسجدوں کے ائمہ وہاں کے اساتذہ ہوا کرتے تھے؛

اس دور کے دیگر مدارس ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں ان مساجد و مدارس کے علاوہ بھی اور بہت سی مسجدیں اور مدرسے تھے جن میں نماز اور تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا، جو حضرات ہجرت سے دو سال پہلے یہاں آئے انہوں نے مسجدوں کی تعمیر میں بہت زیادہ حصہ لیا اور محلہ محلہ مسجدیں بنائیں، حضرت جابرؓ کا بیان ہے۔

لقد لبثنا بالمدینۃ قبل ان یقدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتین نعمر المساجد ونقیم الصلوٰۃ۔[3]	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری سے دو سال پہلے ہی ہم لوگ مدینہ بھیج دیئے گئے تھے، اور ہم مسجدوں کی تعمیر اور اقامت صلوۃ میں معروف تھے۔

[1] وفاء الوفاء ج ۱ ص ۲۱۱، [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۶، [3] وفاء الوفاء ج ۱ ص ۱۷۹،

Marfat.com

چنانچہ ہجرت سے پہلے ہی بنو نجار، بنو عبد الاشہل، بنو ظفر، بنو عمرو بن عوف، بنو بیاضہ اور بنو زریق وغیرہ کے محلے مساجد سے معمور اور تعلیم کے مرکز بن گئے تھے، اور یہاں پر اس تیزی سے اسلام کی اشاعت ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے کایا پلٹ گئی اور مدینہ دار الاسلام اور دار التعلم بن گیا، معجم کبیر طبرانی کی روایت ہے:۔

حتی قل دار من دور الانصار	انصار کا بہت کم گھرانا ایسا رہ گیا تھا جس کے
الا اسلم فیہا ناس، واسلم اشرافھم	افراد مسلمان نہ ہوئے ہوں، شرفاء انصار اور
واسلم عمرو بن الجموح، وکسروا	عمرو بن جموح مسلمان ہوئے، اور اپنے بتوں کو
اصنامھم فکان المسلمون أعز	توڑ ڈالا، اسلام کی وجہ سے مسلمان وہاں
اھلھا وصالح امرھم۔[1]	کے معزز ترین باشندے بن گئے اور ان کے
	تمام معاملات درست ہو گئے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ مدینہ کے انصار جو پہلے یہودیوں کے زیر اقتدار رہ کر مذہبی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور تمدنی اعتبار سے بالکل گئے گزرے تھے دو ہی سال کے اندر اندر اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کی بدولت عزو شرف کے اعلیٰ ترین مقام پر پہونچے اور ان کے تمام بگڑے ہوئے کام بن گئے، یہی نہیں بلکہ ان میں دینی و ایمانی غیرت وحمیت اور خدا پر یقین و ایمان کے بعد خود اعتمادی کی قوت اتنی زیادہ پیدا ہو گئی کہ انہوں نے معلم کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، اور اسلام اور مسلمانوں کی ہر طرح اور ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا، حتی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مدینہ آ گئے اور مدینہ اسلام اور اسلامی علوم و معارف کا مرکز بن گیا۔

اس زمانہ تک اسلامی مدارس کا یہی طور طریقہ تھا، اور ان میں قرآن کی تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی تھی، اس کے علاوہ کچھ اور دینی تعلیمات دی جاتی تھیں جن میں اخلاق کا عنصر غالب رہتا تھا، اور ہر معاملہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل معیار تھا، بالفاظ دیگر ان میں کتاب وسنت کی

---

[1] مجمع الفوائد ج ۲ ص ۲۸۔

تعلیم ہو رہی تھی، اور عموماً مسجدوں میں مدرسے ہوا کرتے تھے، معلمی اور مدرسی کی خدمات صحابہ میں سے وہ حضرات انجام دیتے تھے جو قرآن کا زیادہ علم رکھنے کی وجہ سے ائمۂ مساجد مقرر کیے جاتے تھے،[۱] ان کے علاوہ بھی بعض حضرات اپنے حلقوں میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے، امامت کی طرح درس و تدریس کا کام خالص دینی فریضہ سمجھا جاتا تھا اور ان دونوں کاموں کے لیے دنیاوی اجرت کا سوال نہیں تھا۔

ہجرت کے بعد جامعہ صفہ کا قیام

جب مکہ مکرمہ سے دین و ایمان اور علوم و معارف کا کارواں مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا، اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہاں نزولِ اجلال فرمایا تو سب سے پہلے آپ نے ایک اسلامی مرکز کی بنیاد ڈالی تاکہ اس مصدر و منبع سے علم و عمل کے چشمے پھوٹیں، اور عبدیت و عبادت کی تعلیم اور اس کا عملی ظہور ہو، مسجد نبوی کی تعمیر اسی مقصد کے لیے ہوئی، اندرونی حصہ نماز کے لیے رکھا گیا اور بیرونی حصہ میں ایک مقام صفہ کے نام سے مخصوص کیا گیا جہاں قرآن اور اسلامی احکام کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی، اور جوں جوں اسلامی احکام میں اضافہ ہوتا گیا اس کا نصاب بھی اونچا ہوتا گیا، اسی چبوترہ اور سائبان کو ہم جامعہ صفہ سے تعبیر کرتے ہیں گویا یہ مکہ مکرمہ کے مدرسۂ دارِ ارقم کی نشاۃ ثانیہ تھی، حجرۂ مبارکہ کی پشت پر شمال کی جانب بابِ جبرئیل کے سامنے آج بھی ایک وسیع چبوترہ ہے جسے دکۃ الاغوات کہتے ہیں یہی مقام صفہ کہا جاتا تھا اور اس پر بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے والوں کو اصحاب صفہ کہا جاتا تھا، جو حضرات اسلام لاتے اور اس جرم میں اپنے گھر بار سے باہر کر دیے جاتے تھے وہ یہیں آکر پناہ لے کر دینی تعلیم حاصل کرتے تھے، دن کے کچھ حصے کسب معاش کے لیے ہوتے تھے جن میں باہر سے لکڑیاں وغیرہ لا کر فروخت کرتے تھے اور رات کو اسی صفہ پر آرام کرتے تھے، ان اضیافُ الاسلام میں سے بعض رات کو دوسرے صحابہ کے گھروں پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے جایا کرتے تھے، اور صبح کو فجر کے بعد سے دن چڑھے تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ کی خاص مجلس سے استفادہ کرتے تھے، ان کے طعام کا انتظام یہ تھا کہ بعض مالدار اور صاحب حیثیت صحابہ ان غربار اسلام کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے، ان میں حضرت سعد بن عبادہؓ

---

[۱] جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۵

نہایت فیاض تھے، نیز ان کے لئے کھجوروں کے خوشے اور کھانے کی دوسری چیزیں ہدیہ اور تحفہ کے طور پر صحابہ کرام حاضر کیا کرتے تھے، ان کی تعداد کبھی کبھی اسّی تک پہونچ جاتی تھی، جو لوگ یہاں رہ کر فارغ البالی پاجاتے وہ باہر جاکر زندگی بسر کرنے لگتے تھے، یہ حضرات عام طور سے دن میں دیگر معلمین سے بھی قرآن کی تعلیم حاصل کرتے، اصحابِ صفہ کی مجموعی تعداد چار سو کے قریب ہے مگر ایک وقت میں کبھی اتنی زیادہ نہیں تھی، حضرت ابوہریرہؓ کے ذمہ ان حضرات کے کھانے کا انتظام تھا، جامعہ صفہؓ کے فضلا قرار کہلاتے تھے، اور بوقت ضرورت ان کو قرآن اور اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے باہر قبائل میں بھیجا جاتا تھا، یہاں کا تعلیمی نظام بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور یہاں کے فضلاء و فارغین نے دنیا میں اسلامی علوم کی تبلیغ و اشاعت کی، اصحاب صفہ پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے، یہاں پر تفصیل مقصود نہیں ہے،

دیگر درسگاہیں مسجد نبوی اور اس کے جامعہ صفہؓ کے علاوہ عہد رسالت میں مدینہ منورہ میں کئی ایسی مسجدیں تھیں جن میں جامعہ صفہ کے فضلاء فارغین اور دوسرے صحابہ امامت و تعلیم کی خدمت انجام دیتے تھے، اس زمانہ میں نو ایسی مسجدیں تھیں جن میں مستقل نماز باجماعت ہوا کرتی تھی اور ان کے امام وہاں کے معلم ہوا کرتے تھے[1] ان کے علاوہ دوسری مساجد میں بھی نماز و تعلیم کا سلسلہ جاری تھا، علامہ سمہودی نے وفار الوفار میں اس دور کی چالیس مساجد کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں نماز اور تعلیم کا انتظام تھا،

مختلف قبائل اور مقامات کے مدارس مدینہ منورہ کے علاوہ عرب کے دیگر علاقوں میں ائمہ و معلمین بھیجے جاتے تھے اور بہت سے قبائل مدینہ آکر مسلمان ہوتے اور ان کی طلب اور خواہش پر قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم کے لیے قرار روانہ کئے جاتے تھے یا ان ہی میں سے جو قرآن اور شرائع اسلام سے زیادہ واقف ہوتا اسی کو امام اور معلم بنایا جاتا تھا، چنانچہ ۹ھ میں طائف کے بنو ثقیف کا وفد مدینہ آیا تو اس وفد کے سب سے کم عمر رکن حضرت عثمان بن حکم ابو العاصیؓ موقع پاکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ اور ابی بن کعب کی خدمت میں آتے اور قرآن کی تعلیم حاصل

[1] وفار الوفار ج ۲ ص ۶۲

رتے جب یہ وفد واپس ہونے لگا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عثمان کو باوجود ان میں سب
ے کمسن ہونے کے ان کا امام اور معلم مقرر فرمایا ابن سعد کا بیان ہے۔

وذٰلِكَ انہ، کان احرصہم علی	اس کی وجہ یہ تھی کہ عثمان ارکان وفد میں سب
التفقہ فی الاسلام وتعلم القران	سے زیادہ تفقہ اور قرآن کی تعلیم کے حریص تھے،
فقال ابوبکر لرسول اللہ صلی اللہ	چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم، یا رسول اللہ انی رایت	سے کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس لڑکے کو
ھذا الغلام منہم من احرصہم علی	تفقہ اور قرآن کی تعلیم کا سب سے زیادہ
التفقہ فی الاسلام وتعلم القرآن [1]	شیدائی پایا ہے،

عثمان اس کے بعد سے عہد صدیقی اور اس کے بعد عہد فاروقی تک طائف کے امام و معلم رہے اور
ثقیف کو نماز پڑھانے کے ساتھ ان کو تعلیم بھی دیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عمر بن سلمہؓ بھی اپنی
م کے ارکان وفد میں سب سے کم عمر تھے مگر انہوں نے خدمت نبوی میں رہ کر قرآن کی تعلیم زیادہ حاصل
ی تھی، اس لیے وہی امام و معلم بنائے گئے، نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خود نومسلم قبائل کی تعلیم کے
ے صحابہ کرام کو مختلف مقامات میں بھیجا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے اہل عمان کے یہاں حضرت ابوزید
نصاریؓ کو بھیجا جو ان چند صحابہ میں سے تھے جنہوں نے عہد رسالت میں پورا قرآن جمع کر لیا تھا [2] اس سلسلہ
ں ان ستر قراء کا واقعہ بہت مشہور ہے جو تعلیم کے لیے روانہ کئے گئے مگر راستہ میں دھوکہ سے شہید کر دیئے
ئے، ہجرت کے بعد عہد رسالت کی تعلیم میں قرآن کے علاوہ تفقہ فی الاسلام اور شرائع اسلام کے مضامین
ی شامل تھے، جن کو سنت کے جامع لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، اسلام مکمل دین کی حیثیت اختیار کر چکا تھا
ر عبادات و معاملات کے تمام مسائل و جزئیات اور اوامر و نواہی سب کی تعلیم مسلمانوں کے لیے ضروری
و چکی تھی اس نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ان کی روشنی میں تفقہ کی تعلیم دی جاتی تھی اسی کے ساتھ سیاسی ضرورت
کی بنا پر بعض صحابہ نے غیر عربی زبان بھی حاصل کی، اس میں صحیح بخاری میں حضرت زید بن حارثہ کے
سریانی زبان سیکھنے کا واقعہ درج ہے اور انہوں نے یہودیوں سے خط و کتابت کے لیے رسول اللہ

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۰۸ و ص ۵۰۹، [2] فتوح البلدان ص ۸۴

Marfat.com

کے حکم سے بیس دن سے کم ہی مدت میں یہ زبان حاصل کرلی، اس زمانہ میں دینی تعلیم کا عام رواج مساجد میں تھا اور وہی مدارس کا کام دیتی تھیں،

خلافت راشدہ کے مکاتب و مدارس

خلافت راشدہ میں بھی اسلامی علوم و معارف کی تعلیم کے لیے خصوصی انتظام تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے باقاعدہ معلم و مدرس مقرر کیے اور ان کو تنخواہ دی، ابن جوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں۔

ان عمر بن الخطابؓ وعثمان بن عفانؓ کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما مؤذنوں اور اماموں اور معلموں کو تنخواہ دیتے تھے۔

مدینہ منورہ میں بچوں کے مکتب کے معلموں کو حضرت عمرؓ ماہوار پندرہ پندرہ درہم دیا کرتے تھے، کنز العمال میں ہے،

ثلثۃ کانوا بالمدینۃ یعلمون الصبیان وکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحد منھم خمسۃ عشر درھماً کل شھر[1]

مدینہ میں تین معلم بچوں کو تعلیم دیتے تھے حضرت عمرؓ ہر ایک کو ماہوار پندرہ پندرہ درہم دیا کرتے تھے۔

آپ نے مدینہ کے باہر بھی تعلیم کے لیے معلم و مدرس رکھے حتیٰ کہ صحراؤں میں اس کا انتظام کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہی انتظام تھا جیسا کہ ابن جوزی کی تصریح گزر چکی ہے، اس دور میں اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ علمائے صحابہ مختلف مقامات میں کتاب و سنت اور شرائع اسلام کی تعلیم کے لیے روانہ کیے گئے، اور ان حضرات نے اپنے کاشانوں اور مساجد و جوامع کو تعلیمی مرکز اور درسگاہ بنایا، اس دور میں بچوں کی تعلیم کے لیے مکاتب کا رواج ہو چکا تھا مگر اونچی تعلیم کے لیے عموماً مساجد و جوامع کا استعمال ہوتا تھا، اس وقت مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کوفہ، بصرہ، مصر، دمشق اور یمن وغیرہ اسلامی علوم و معارف کے مرکز تھے جہاں اجلۂ صحابہ درس دیا کرتے تھے، اس وقت کی تعلیمی سرگرمی اور

[1] کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۲۔

کے لیے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے مدرسہ کی مثال کافی ہے، وہ دمشق کی جامع مسجد میں تعلیم دیا کرتے تھے، ان کا قاعدہ تھا کہ جامع دمشق میں فجر کی نماز ادا کیا کرتے تھے، اور نماز کے بعد لوگ آپ کو قرآن پڑھنے کے لیے گھیر لیتے تھے، آپ دس دس طالب علموں کی جماعت بناتے اور ہر جماعت میں ایک عریف یعنی نگران اور مانیٹر مقرر کرکے خود محراب میں تشریف رکھتے اور دائیں بائیں پڑھنے والوں کی جماعتوں کی نگرانی کرتے، جب کوئی طالب علم غلطی کرتا تو وہ اپنے عریف کی طرف رجوع کرتا اور وہ اسے بتا دیتا، اور جب عریف غلطی کرتا تو وہ حضرت ابو الدرداءؓ کی طرف مراجعت کرتا اور آپ اس کی تصحیح فرما دیا کرتے تھے ایک دن حضرت ابو الدرداءؓ نے اپنے ان طالب علموں کا شمار کیا تو ان کی تعداد سولہ سو نکلی[۱]، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باقاعدہ مکاتب کھولے گئے، اور ان کی نگرانی کے لیے آدمی مقرر کیے گئے، چنانچہ آپ نے ابو سفیان نامی ایک شخص کو چند آدمیوں کے ساتھ اس کے لیے مقرر کیا کہ وہ مکاتب میں جا جا کر طالب علموں کا امتحان لے اور جسے قرآن شریف یاد نہ ہو اسے سزا دے[۲]۔ ان مکاتب میں قرآن شریف کے ساتھ عربیت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی الغرض خلافتِ راشدہ میں تعلیم و تعلم کا چرچا عام ہو گیا اور خانگی مکاتب سے لے کر مساجد و جوامع تک میں بچوں اور بڑوں کی دینی تعلیم کا معقول انتظام ہوا۔

اگرچہ عہد رسالت میں صحابہ کے گھروں میں بھی بچوں کی تعلیم ہوتی تھی مگر اس کی حیثیت خانگی اور شخصی تھی، البتہ خلافتِ راشدہ میں بچوں کی تعلیم کے لیے باقاعدہ مکاتب جاری کیے گئے، مگر ان کے لیے مستقل عمارت کا پتہ نہیں چلتا، ان میں قرآن، قراءت، کتابت، نحو اور لغت کی تعلیم کا انتظام ہوتا تھا، ایسے ابتدائی مدارس کو کتاب اور مکتب کہتے تھے، لسان العرب میں ہے۔

الکتاب موضع التعلیم والجمع الکتاتیب — کتاب تعلیم کی جگہ کو کہتے ہیں، اس کی جمع کتاتیب والمکاتیب.... قال المبرد المکتب — اور مکاتیب ہے، اور مبرد کا قول ہے کہ مکتب موضع التعلیم والمکتِب المعلم والکتاب — درسگاہ ہے اور مکتِب معلم ہے اور جو بچے تعلیم الصبیان، من جعل الموضع الکتاب — حاصل کرتے ہیں ان کو کتاب کہا جاتا ہے۔

---

[۱] الحقوق والواجبات ص۵ شیخ عبد القادر جزائری، الاغانی جلد ۶ ص۵ بحوالہ

فقد أخطأ[1] اور جس نے درس گاہ کو کتاب سمجھا اس نے غلطی کی۔

اس دور میں ان مکاتب کی بڑی اہمیت تھی، امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے شیخ سفیان بن عیینہؒ کو دیکھا کہ ایک مکتب کے دروازے پر کھڑے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ آپ اس جگہ کیوں کھڑے ہیں تو انہوں نے جواب دیا۔

احب ان اسمع کلام ربی من فم ھذا الغلام۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بچے کی زبان سے اپنے رب کا کلام سنتا رہوں۔

معلموں کی اجرت

ان مکتبوں میں بچوں کو ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی، اور ان کے معلموں کے لیے باقاعدہ خلافت کے بیت المال سے ماہانہ تنخواہ مقرر تھی، اور خلافت ہی کی طرف سے ان کے لیے نگراں بھی مقرر تھے، اور اونچی تعلیم عام طور سے مسجدوں اور گھروں میں ہوتی تھی اور یہی مدارس کا کام دیتے تھے، بعد میں یہی طریقہ باقی رہا اور ان میں اجلۂ صحابہ درس دیتے تھے، جن صحابہ کو حضرت عمرؓ نے مختلف شہروں میں دین کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا ان کے لیے بیت المال کے عام وظائف کے علاوہ تعلیم پر کوئی وظیفہ مقرر نہیں تھا عام تابعین نے بھی قرآن و حدیث اور شرائع اسلام کی تعلیم پر اجرت نہیں لی، مجاہد کا بیان ہے کہ میں عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے پاس سونا لایا تو انہوں نے اس کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کر کے واپس کر دیا اور کہا کہ شاید تم تعلیم کی اجرت دینا چاہتے ہو[2] ابو عبد الرحمٰن سلمی کی خدمت میں عمرو بن حریث نے کچھ چیزیں اس لیے بھیجیں کہ وہ ان کے بچوں کی تعلیم دیتے تھے، تو عبد الرحمٰن سلمی نے یہ کہہ کر ان کو واپس کر دیا کہ تم ان کو لے جاؤ ہم اللہ کی کتاب کی تعلیم پر اجرت نہیں لیتے ہیں[3] ضحاک بن مزاحم نے اپنا ذاتی مکتب جاری کیا تھا جس میں قرآن و حدیث کے علاوہ عربیت کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے، مگر اجرت نہیں لیتے تھے[4] اسی طرح عبد اللہ بن حارث بھی تعلیم پر اجرت نہیں لیتے تھے[5] مگر مکتبوں کے معلم و مدرس عام طور سے اجرت لیتے تھے، کیونکہ نہ ان کی مالی حالت زیادہ بہتر ہوتی تھی۔ اور نہ وہ خاص علمی اور دینی مقام کے

---

[1] لسان العرب مادہ کتب، [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۷۵، [3] ″ ج ۲ ص ۱۹۵، [4] معارف ابن قتیبہ ص، [5] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۰ [6] ″ ج ۶ ص ۲۱۳۔

مالک ہوتے تھے، ان میں سے بعض تو گھر گھر کی روٹیاں بھی لیتے تھے حجاج کا باپ یوسف اور خود حجاج اپنے ابتدائی زمانہ میں طائف کے مکتب میں پڑھاتا تھا اور اجرت میں روٹیاں لیا کرتا تھا، ابو البیدار ریاحی بدوی بصرہ میں اجرت پر بچوں کو تعلیم دیتا تھا۔

چند مشہور معلمین

اس زمانہ میں جو لوگ خاص طور سے معلمی کا کام کرتے تھے اور اس بارے میں مشہور تھے ان میں کے کچھ کے نام ابن قتیبہؒ نے کتاب المعارف میں گنائے ہیں، انھوں نے لکھا کہ ابو صالح بچوں کو تعلیم دیتے تھے، ابو عبد الرحمن سلمی دونوں آنکھ سے معذور تھے اور معلمی کرتے تھے۔ معبد جہنی قدری بھی معلم تھا، سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ ضحاک بن مزاحم اور عبد اللہ بن حارث تعلیم دیتے تھے مگر اجرت نہیں لیتے تھے، قیس بن سعد، عطار بن ابی رباح، ابو امیہ عبد الکریم، حسین معلم، قاسم بن مخیمرہ ہمدانی، کمیت بن زید شاعر کا پیشہ معلمی تھا، خلف الاحمر کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کی مسجد میں کمیت کو بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے دیکھا ہے، عبد الحمید الکاتب، ابو البیدار، ابو عبد اللہ الکاتب، حجاج بن یوسف طائف میں معلم تھا اور اس کا باپ بھی یہی کام کرتا تھا، علقمہ بن ابو علقمہ کا ایک مکتب تھا جس میں عربیت، نحو اور عروض کی تعلیم دیتے تھے، انہوں نے امام مالک سے روایت کی ہے، ابو معاویہ نحوی محدث ہونے کے باوجود داؤد بن علی کے بچوں کو پڑھاتے تھے[1]

خلفاء و امراء کے خصوصی معلمین و مودبین

خلفاء و امراء اور صاحب حیثیت افراد اپنے گھروں میں معلموں اور مودبوں کو بلا کر اپنی اولاد کی خصوصی تعلیم کا انتظام کرتے تھے، بنو امیہ کے یہاں بھی اس کا رواج تھا مگر وہ معلمین و مودبین کے انتخاب میں عربیت کا خاص خیال رکھتے تھے اور عجمیت سے بہت زیادہ گھبراتے تھے، کیونکہ مجموعی اعتبار سے ان کا مزاج خالص عربی و اسلامی تھا، خلفائے بنی عباس اور ان کے امراء میں دیگر امور کی طرح اس بارے میں بڑی وسعت ظرفی تھی، اور وہ معلموں اور مودبوں کے انتخاب میں ان باتوں کا خیال نہیں کرتے تھے، ابو جعفر منصور عباسی نے ایک مرتبہ امام مالکؒ سے خواہش کی کہ آپ میرے لڑکوں کو تعلیم دیا

---

[1] کتاب المعارف ص ۱۳۸ ص ۱۳۹۔

Marfat.com

کریں مگر دوسرے طلبہ شریک درس نہ ہوں، امام صاحب نے خلیفہ منصور کی یہ درخواست منظور نہیں کی، منصور نے اپنے لڑکے مہدی کی تعلیم کے لیے انساب وعربیت کے مشہور عالم شرقی بن قطامی کو مقرر کیا تھا، امام ادب ولغت مفضّل ضبّی بھی مہدی کو تعلیم دیتے تھے، اور انہوں نے اس کو پڑھا[نے] کے لیے معیاری اشعار کا ایک منتخب مجموعہ تیار کیا تھا جو اب مفضلیات ضبی کے نام سے مشہور کتاب [ہے] امام نحو کسائی ہارون رشید کے لڑکے امین کے معلم تھے[1] ابو محمد یزیدی خلیفہ مہدی کے ماموں یز[ید] بن منصور کو پڑھاتے تھے، اسی مناسبت سے یزیدی کی نسبت سے مشہور ہوئے[2] نیز یزیدی مامون ک[و] ادب پڑھاتے تھے، فراء نحوی خلیفہ مامون کے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے، اور مشہور امام لغت عربیت ابن سکیت ابن طاہر کے بچوں کو ادب کی تعلیم دیتے تھے، ان خلفاء وامراء کے درباروں سے متع[لق] معلمین کو شاہی وظیفہ کے طور پر بڑی بڑی تنخواہ ملتی تھی۔

مگر عام مکاتب مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوئے اور ان کی افادیت کے پیش نظر [ہر] مقام پر ان کا انتظام واہتمام کیا گیا، اور آبادیوں کے علاوہ صحراؤں اور میدانوں میں مکاتب قائم [کیے] گئے، چنانچہ ابو مثروان عکلی اعرابی بادیہ اور صحرا میں تعلیم دیتا تھا، افار بن لقیط بدوی ایک عام ج[گہ] بیٹھ کر اپنے شاگردوں کو تعلیم دیا کرتا تھا اور ابو مالک عمرو بن کرکرہ اعرابی بھی بادیہ کا معلم تھ[ا] اصبہان میں دینی تعلیم اور اسلامی علوم کے رواج دینے کا سہرا ابو مسلم خراسانی کے گورنر عاص[م] یونس کے میر منشی سعد بن ایاس کے سر ہے۔ جو سرکاری کاغذات کو فارسی سے عربی میں منتقل کرتا تھا رستہ کا بیان ہے کہ سعد بن ایاس نے اصبہان کے مسلمانوں کا امتحان لیا تو صرف تیس آدمی لکھے پ[ڑھے] نکلے، اور ان میں صرف تین حافظ قرآن تھے، اس کے بعد اس نے تعلیم قرآن کا ایسا معقول انتظام ک[یا] کہ سال پورا ہونے کے پہلے ہی عام لوگوں نے قرآن کو سیکھ لیا اور اسے حفظ کر لیا، (الاعلاق النفیسہ)

ائمۂ دین اور دیگر علمائے علم وفن کی درسگاہیں

اس دور میں ایک طرف امراء و عوام اپنے عام ا[ور] خاصی مکتبوں اور مدرسوں میں بچوں کو قرآ[ن]

[1] الفہرست ص۱۰۳، [2] ص۵۴، [3] الفہرست ملاحظہ ہو علی الترتیب ص۶۵ و ص۶۶۔

Marfat.com

تجوید و قراءت، حافظہ، کتابت، حساب اور نحو و ادب وغیرہ کی عام تعلیم دیتے تھے اور دوسری طرف
جلہ صحابہ و تابعین اپنے کاشانوں اور جوامع و مساجد میں کتاب و سنت، تفقہ اور شرائع اسلام
کی تعلیم دے رہے تھے، ان کے یہاں عام طور سے اجرت اور تنخواہ کا سوال نہیں تھا۔ ان کی بدولت
عالم اسلام میں اسلامی علوم و معارف کی تبلیغ و اشاعت ہو رہی تھی، حضرت سعید بن مسیب مسجد
نبوی میں تعلیم دیا کرتے تھے، حضرت قاسم بن ابوبکرؓ اور حضرت سالم بن عبداللہؓ کے حلقہا ئے
درس مسجد نبوی میں ایک ہی جگہ قائم ہوتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے بعد حضرت عبدالرحمن بن
قاسم اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اسی جگہ اپنا حلقہ درس قائم کیا، اور ان کے بعد اسی جگہ پر حضرت
امام مالکؒ نے اپنا حلقہ درس قائم کیا، یہ مقام قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان خوخۂ عمر کے
پاس تھا۔[۱] امام شافعیؒ کے زمانہ میں حرم مکی میں علماء و محدثین کا حلقہ درس قائم ہوتا تھا، آپ
مکتب سے نکل کر اسی حلقہ میں شامل ہوئے[۲] امام ربیعہ رائیؒ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے جس میں
امام مالک اور دیگر اعیان و اشرافِ مدینہ شریک ہوتے تھے اور طلبہ ہر وقت امام ربیعہ کو گھیرے
رہتے تھے[۳] بصرہ کی جامع مسجد میں امام حسن بصریؒ کا حلقہ درس قائم ہوتا تھا، رئیس المعتزلہ واصل
بن عطاء امام صاحب کے اسی حلقہ درس میں شریک ہوتا تھا اور آپ سے اختلاف کر کے الگ ہو گیا
اس نے اسی مسجد میں اپنا حلقہ قائم کر لیا، بصرہ کی جامع مسجد میں مختلف علوم و فنون کے اساتذہ
کے حلقے بھی ہوا کرتے تھے اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق لوگ جس میں چاہتے شریک ہوتے تھے، حماد
بن سلمہ بسا اوقات امام حسن بصریؒ کے حلقہ سے اٹھ کر علمائے عربیت کے حلقوں میں بیٹھ جاتے
، بغداد میں فجر کی نماز کے بعد امام کسائی کی مجلس ہوتی تھی جس میں فراء، خلف الاحمر، ابن سعدان
ائمہ نحو و عربیت کا اجتماع ہوتا تھا۔ ابوعبیدہ بصرہ کی مسجد میں ایک ستون سے لگ کر بیٹھ جاتے
ابو محمد یزیدی اور خلف الاحمر، دوسرے ستون سے لگ کر بیٹھا کرتے تھے، امام شافعیؒ نے مصر کی
جامع عمرو بن عاص میں اپنا حلقہ درس قائم کیا تو شعر و ادب کے طلبہ کے لیے بھی ایک خاص وقت مقرر

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۴۰، [۲] مناقب الشافعی رازی ص، [۳] ابن خلکان، ذکر ربیعۃ الرائی۔

Marfat.com

کیا جس میں دوسرے طلبہ نہیں ہوا کرتے تھے۔

خالص علمی و تحقیقی مجالس ملکی فتوحات اور دوسری قوموں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں ذہنی و فکری وسعت پیدا ہوئی اور منقولات کے پہلو میں معقولات نے بھی جگہ پائی جس کا لازمی نتیجہ آرار و افکار اور نظریات و خیالات میں اختلاف تھا، پھر خالص اسلامی علوم میں بھی فقہار و محدثین کے الگ الگ نقطہائے نظر کی وجہ سے اہل حجاز اور اہل عراق کے دو مکاتیب فکر بنے نیز اسی دور میں مرجیت، قدریت، جبریت، اور اعتزال وغیرہ کے افکار مذہبی راہ سے سیاست کے میدان میں آئے، اور علمار نے علم و فن کے ساتھ ساتھ خلفار و امرار نے ان کے باہمی علمی اور فکری اختلافات ختم کرنے کی کوشش کی اور بعض شعوری یا غیر شعوری طور سے جانبدار بن گئے، ان میں سے بعضوں نے امت مسلمہ کو ایک فقہ پر جمع کرنے کی کوشش کی، بعضوں نے مختلف فیہ مسائل کے تصفیہ کے لیے بحث و مناظرہ کی مجلسیں منعقد کیں اور علمار کو دربار میں بلا کر مناظرے کرائے، ہم ایسی علمی و دینی مجلسوں کو آج کی اصطلاح میں مجلس تحقیقات شرعیہ" "مجلس تحقیقات اسلامی" "اسلامک اسٹڈیز" اور" اسلامی سیمنار" کہہ سکتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلا اہم کارنامہ حضرت عثمان کا ہے کہ آپ نے جب دیکھا کہ ۔ قرآن کی بعض قرارات میں لوگ اختلاف کرتے ہیں تو قرآن اور اس کی قرارتوں کے ماہر صحابہ اور حفاظِ قرآن کو جمع کر کے قرآن کا ایک مستند نسخہ مرتب کرایا اور اس کی نقل مختلف دیار و امصار میں روانہ کی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیز بن مروان امیر مصر نے مصحف عثمانی کو سامنے رکھ کر نہایت حزم و احتیاط سے قرآن کا ایک نسخہ مرتب کیا اور اعلان کیا کہ جو شخص اس میں ایک غلطی نکالے گا، اسے ایک گھوڑا اور تیس دینار نقد انعام دیئے جائیں گے، چنانچہ ایک حافظ قرآن نے اس میں ایک غلطی نکالی اور نعجة کی جگہ نجعة لکھا ہوا دکھایا، اور انعام حاصل کیا، خود حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سلسلہ میں نہایت زریں کارنامہ انجام دیا ہے، آپ نے اپنے دورِ خلافت میں احادیث نبوی کے ذخیرول کو یکجا کرنے کا حکم دیا اس سے پہلے مدینہ منورہ کی گورنری کے زمانہ میں فقہائے مدینہ آپ کے مصاحب و ندیم تھے، خلفائے عباسیہ میں مامون پہلا

ہے جس نے علمائے دین کی علمی مجلس قائم کر کے ان کے اختلافات کو ختم کرنا چاہا، دوسرے عباسی خلفار نے بھی اپنے درباروں میں ائمہ علم و فن کو جمع کیا، اور اپنے سامنے مختلف مسائل میں مباحثہ کرایا، اس میں علمار کے مختلف طبقے شریک ہوتے تھے، مامون نے ایک مرتبہ حکم دیا کہ بغداد شہر کے فقہار و متکلمین اور دوسرے اہل علم جمع کئے جائیں تاکہ ان سے علمی و دینی مسائل میں گفتگو کی جائے، چنانچہ ایک سو فقہار بلائے گئے، پھر ان میں سے دس علمار منتخب کئے گئے جو مامون کے ندیم و مصاحب ہوئے اسی طرح اس نے ادبار کی ایک جماعت کو اپنے دربار کے لیے منتخب کیا تھا، ایک مرتبہ ایک علمی مجلس سے متاثر ہو کر مامون نے کہا:-

انی لأرجو ان یکون مجلسنا ھذا	اللہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے مجھے امید
بتوفیق اللہ وتائیدہ علی اتمامہ	ہے کہ ہماری یہ علمی مجلس اس بات کا سبب
سببًا لاجتماع ھذہ الطوائف علی	بنے گی کہ علمار ایسی چیز پر متفق ہو جائیں جو
ماھو ارضی واصلح للدین۔	دین کے حق میں زیادہ بہتر اور مناسب ہے

ابوجعفر منصور نے امام مالکؒ سے کہا تھا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی کتاب مؤطا کو خلافت کی طرف سے نقل کرا کر مختلف ممالک میں بھیج دوں تاکہ لوگ اسی پر عمل کریں مگر امام مالکؒ نے کہا کہ علمار کے پاس دوسرے طریقوں سے جو صحیح احادیث پہونچی ہیں ان پر بھی تو امت کا عمل ہونا چاہئے، میں اپنا علم سب کے سر ڈالنا نہیں چاہتا، خلفار اور امرار کی ان علمی اور تحقیقی مجلسوں میں نہایت اہم مسائل زیر بحث آتے تھے، مختلف علوم و فنون کے علمار میں بحث و مباحثہ کی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں ہر طبقہ کے علمار اپنے اپنے ذوق اور فن کے مسائل پر کھل کر بحث کرتے تھے، ایسی خالص علمی و تحقیقی مجلسوں کے تذکرے کتابوں میں موجود ہیں اور ان کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں، چنانچہ مجالس علمار نامی کتاب حال ہی میں دولت کویت کی طرف سے شائع ہوئی ہے، جس میں ایسی ہی بہت سی تحقیقی مجالس کا تذکرہ ہے، مکاتب و مدارس اور جوامع و مساجد کے تعلیمی مشاغل کے بعد ان خالص علمی و تحقیقی مجالس کی وجہ سے اسلامی علوم و معارف اور مسلمانوں کے علم و فن کو

Marfat.com

بڑا وسیع میدان مل گیا مگر ان میں فقہاء و محدثین کے مقابلہ میں عقلاء و فلاسفہ اور متکلمین زیادہ شریک ہوتے تھے، اور اپنے فکر و فن کی جولانی دکھاتے تھے۔

موجودہ طرز کے مدارس کی ابتداء تیسری صدی کے وسط تک اسلامی علوم اور فنون کی تعلیم و اشاعت کے یہی مرکز تھے جن میں موجودہ دور کی درسگاہوں، اور دانش گاہوں کی طرح باقاعدگی نہیں تھی، پھر بھی یہ عجیب بات ہے کہ یہی دور اسلامی علوم و معارف کے شباب کا زمانہ ہے، اسی دور کے علماء و ائمہ اور ان کی کتابیں بعد کے ادوار میں سند و مآخذ قرار پائیں اور بعد میں آنے والے علمائے اسلام نے اسی چمن کی گل چینی کرکے اپنے اپنے گلدستے سجائے، جہاں تک ہمیں معلوم ہے موجودہ مدارس کا نقشہ سب سے پہلے خلیفہ عباسی معتضد باللہ (۲۷۹ھ تا ۲۸۹ھ) کے خیال میں آیا اور اس نے علم کی اونچی اور معیاری تعلیم کے لیے عمارت بنوائی، اور اعلیٰ مدرسین کا انتظام کیا مگر یہ نقش اول تھا جو نقش ثانی سے کافی مختلف تھا، علامہ مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں لکھا ہے:-

ان الخليفة المعتضد بالله لما اراد بناء	جب خلیفہ معتضد باللہ نے بغداد کے محلہ
قصره فی الشماسیة ببغداد استزاد فی	شماسیہ میں اپنا محل بنوانا چاہا تو ضرورت
الذرع بعد ان فرغ من تقدیر ما اراد،	سے زیادہ زمین نپوائی۔ اس کی وجہ دریافت
فسئل عن ذلك فذكر انه يريد ليبنی	کی گئی تو بتایا کہ میں اس زائد زمین میں
فيه دورًا ومساكن ومقاصير يرتب فی	مکانات حجرے اور خاص خاص کمرے تعمیر
كل موضع رؤساء كل صناعة ومذهب	کرونگا اور ان میں ہر نظری و علمی علم و فن اور
من مذاهب العلوم النظرية والعلمية ويجری	ہر مذہب کے بڑے بڑے اساتذہ کو رکھ کر
عليهم الارزاق السنية ليقصد كل من اختار علمًا	ان کو بھاری تنخواہ دوں گا تاکہ جو شخص علم و فن کو
او صناعة رئيس ما يختاره فياخذ عنه[1]	حاصل کرنا چاہے، اسکے ماہر و مستند عالم سے استفادہ کرسکے

[1] کتاب الخطط والآثار ج ۲ ص ۳۶۲۔

مستنصر کا یہ دارالعلم ہارون رشید کے بیت الحکمہ کی طرح علمی و تحقیقی مرکز تھا جس میں فلسفہ اور علم کلام وغیرہ کے بارے میں مستند تعلیم کا انتظام تھا، ساتھ ہی مذہبی علمار و اساتذہ بھی اس میں رکھے گئے تھے، مگر یہ موجودہ مدارس سے مختلف تھا اور اس میں علامہ مقریزی کی محتاط عبارت کی رو سے خالص دینی علوم کا انتظام کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا، اور موجودہ شکل کے مدارس کی تعمیر چوتھی صدی کے بعد ہوئی، اور اس میں اولیت کا سہرا باشندگان نیساپور کے سر ہے، علامہ مقریزی کا بیان ہے:۔

ان المدارس مماحدث فی الاسلام	مدارس کی ایجاد اسلامی دور میں ہوئی، صحابہ
ولم تکن تعرف فی زمن الصحابۃ ولا	اور تابعین کے زمانہ میں موجودہ مدارس نہیں
التابعین، وانما حدث عملها بعد الأربعمئة	تھے، بلکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد ان کا وجود
من سنی الهجرة، واول من احفظ	ہوا، اور مدرسہ کے سب سے پہلے بانی اہل
عنه انه بنی فی الاسلام اهل نیسابور	نیساپور ہیں، جہاں سب سے پہلے مدرسہ
فبنیت بها المدرسة البیهقیة[1]	بیہقیہ کی بنیاد ڈالی گئی۔

اس کے بعد پورے عالم اسلام میں تیزی کے ساتھ بڑے بڑے مدارس قائم کئے گئے اور پہلے کی تمام تعلیم گاہوں کے علوم و فنون ان ہی میں سمٹ آئے، اور بغداد کے مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ مستنصریہ کے علاوہ سینکڑوں اسلامی مدارس علوم و علمار اور اساتذہ و تلامذہ کے مرکز بن گئے۔

---

[1] کتاب الخطط والآثار ج ۲ ص ۳۶۲۔

Marfat.com

(۶)

ہر طبقہ اور ہر پیشہ میں علم اور علماء

اسلام نے جس قدر علمِ دین پر زور دیا ہے، مسلمانوں نے اسی قدر اسے حاصل کیا ہے، دنیا کی کوئی اگلی پچھلی قوم مجموعی اعتبار سے اس بارے میں بھی مسلمان قوم کی ہمسری نہیں کرسکتی ہے، ہر طبقہ اور ہر پیشہ سے تعلق رکھنے والوں نے علم دین کو اپنی میراث سمجھ کر حاصل کیا ہے، اور قول رسول "طلبُ العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ" کو اصول بنا کر ہر زمانہ میں دینی علوم و معارف کو اصل سرمایۂ افتخار سمجھا، مسلمانوں نے کوئی پیشہ کیا، کوئی روزگار کیا اور کوئی کام کیا وہ علم دین سے جدا نہیں ہوئے، بلکہ معاشی کاروبار کے ساتھ علمی کاروبار کو جاری رکھا، اور ثابت کردیا کہ جس طرح ہر انسان کے لیے اس دنیا میں کسبِ معیشت ضروری ہے اسی طرح علم دین بھی ضروری ہے، اور دین و دنیا کی جامعیت ہر مسلمان کی زندگی کا بہترین مظہر ہے، اسی طرح چرواہوں نے اپنی چراگاہ کو حکمت و معرفت کا مدرسہ بنایا، کاشت کاروں نے اپنے کھیتوں میں علم و فضل کی کاشتکاری کی، کارخانہ داروں اور مزدوروں نے اپنے کو علم کے سانچے میں ڈھال کر مخدومیت کا شرف حاصل کیا، کاریگروں نے اپنی دست کاری اور صنعت حرفت کے جھمیلوں میں قال اللہ وقال الرسولؐ کا شغل جاری رکھا، اور تاجروں نے اپنی دکانوں سے علم دین کی متاعِ گران مایہ مفت لٹائی؛

ؔ یہ مقالہ جب "البلاغ تعلیمی نمبر" میں نکلا تو حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اس کے مقالات کو خاص طور سے ذکر کرکے اس مقالہ کو پہلے نمبر پر رکھا اور لکھا کہ "ان میں سے پہلا مقالہ پڑھ کر اچھے پڑھے لکھوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں" (صدق ۱۵ فروری ۱۹۵۵ء) اور حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم نے لکھا کہ "مولانا اطہر کے مضامین مندرجہ البلاغ معلوماتی ہوتے ہیں دلچسپی کے ساتھ اپنے بستر علالت پر اسے پڑھتا ہوں" (مکتوب مولانا گیلانی ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء مندرجہ البلاغ مارچ ۱۹۵۶ء)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں رزقِ حلال کے لیے کوئی پیشہ اختیار کرنا باہمی
[تف]رقے کا باعث نہیں ہے، اور کوئی صنعت و حرفت اپنی معاش و معیشت کے لیے انتخاب کرنا معیوب
[نہ]یں ہے، اسلام میں پیشہ کی حیثیت وسیلۂ رزق کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، کوئی پیشہ ذاتی ہو یا خاندانی
[غی]ر معیوب نہیں ہے، پیشہ کی طرف نسبت کرنا عجم کی پیداوار ہے، اور پھر اسے باہمی فرق و امتیاز
[کا ب]اعث قرار دینا عجمی ذہن و مزاج کی بات ہے، جس کا رواج بہت بعد میں عجم میں ہوا علامہ سمعانی
[نے] کتاب الانساب میں ایک مقام پر تصریح کی ہے کہ

[و]قد جرت العادة فی عدة من البلاد	خوارزم (خیوہ روس) جرجان، آمل اور طبرستان
[ا]ن ینسب اهلها الی الحرف مثل	وغیرہ کے چند شہروں اور ملکوں میں عادت چل
[خو]ارزم وجرجان، وآمل، وطبرستان[1]	پڑی ہے کہ وہاں کے باشندے حرفتوں اور
	پیشوں کی طرف نسبت کرنے لگے ہیں۔

پیشوں کی طرف نسبت ایک علاقہ کے باشندوں کی عادت تھی جس نے آگے چل کر امت میں
[ای]ک فتنہ کی شکل اختیار کرلی مگر شریعت میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
ہم مختلف پیشوں اور طبقوں کے چند علمائے دین اور ائمۂ اسلام کے حالات پیش کرتے ہیں
[جن ک]ی ذات پر قیامت تک اسلامی علوم اور مسلمان قوم کو ناز رہے گا، اور الحمد للہ کہ آج بھی مسلمانوں
[کے] یہاں علم دین اسی طرح عام ہے۔

[چراگ]اہوں میں علم و علماء مسلمانوں نے عہدِ رسالت ہی میں چراگاہوں اور میدانوں کو اسلام
کی کھلی ہوئی یونیورسٹی بنا دیا تھا، جس میں چرواہے تعلیم پاتے تھے۔
[رسول] اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی امی ہونے کا روشن کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں علم
[و تو]فیق مسلمانوں میں اس قدر عام فرما دیا تھا کہ اونٹوں کے چرواہے میدانوں اور ریگستانوں میں
[اونٹو]ں کے چرانے کے ساتھ دینی علوم کی تحصیل کرتے تھے، چنانچہ حضرت براء ابن عازبؓ کا بیان ہے۔

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۹۲ طبع لندن۔

Marfat.com

قال مالک الحدیث سمعنا
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان یحدث اصحابنا وکنا
مشتغلین فی رعایۃ
الابل [1]

ہم لوگوں نے رسول اللہؐ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ساری حدیثیں نہیں سنی ہیں، بلکہ ہمارے دوست احباب ان کو ہم سے بیان کرتے تھے، اور ہم لوگ اونٹوں کے چرانے میں مشغول رہا کرتے تھے۔

مسلمان چرواہوں نے دنیا میں علمی زندگی اور علمی ذوق کا کس قدر اونچا معیار قائم کیا
اور انہوں نے علم دین کی تعلیم کے لیے کیسا انتظام کیا تھا، اگر علوم اسلامیہ کے ان گلہ بانوں کا یہ ا
و اہتمام نہ ہوتا تو علم دین کی کتنی قدریں دوسری راہ پے ہوتیں اور آج ہم ان سے مستفیض نہ ہو

کسانوں میں علم اور علماء

میدانوں اور ریگستانوں کی طرح کھیت اور باغ باغیچے بھی عہد ر
ہی میں اسلامی مکاتب و مدارس بن گئے تھے، اور اس دور کے
اور باغبانوں نے اپنی جائداد اور زمین کی کاشت اور نگہداشت کے ساتھ علم دین کی کاشت نگ
کا ذمہ بھی لے لیا تھا اور مالک و مزدور اپنے ذاتی کام کے ساتھ علمی کام بھی کیا کرتے تھے،
مدینہ منورہ میں صحابہ کرام جس شان سے کھیتی باڑی کرتے تھے اسی شان سے تعلیمی کام بھی کرتے
حضرات نے ایسی ترکیب نکالی تھی جس سے نہ کھیتی باڑی میں رکاوٹ ہو اور نہ دینی تعلیم میں ح
ہو، اس کے لیے کچھ ایسے خاص آدمی مقرر کیے تھے، جو باری باری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی
میں حاضر ہوا کرتے تھے، اور وہاں سے واپس آکر آپ کی حدیثیں بیان کرتے تھے، اس
شخص کو درگاہِ رسالت میں باری باری سے شرف باریابی کا موقع بھی ملتا تھا اور کھیتی باڑی کا نق
نہیں ہوتا تھا، اور نہ ہی دینی تعلیم میں کسی قسم کی کوتاہی ہوتی تھی، حضرت براءؓ ہی
روایت ہے کہ:

لیس کلنا یسمع حدیث رسول اللہ ہم سب لوگ رسول اللہؐ کی حدیث براہ ر

[1] المستدرک حاکم کتاب العلم ج ۱ ص ۹۵ طبع حیدر آباد۔

صلی اللہ علیہ وسلم کانت	آپ سے نہیں سنتے تھے کیونکہ ہماری کھیتی باڑی اور
لنا ضیعۃ واشغال، ولکن	دوسرے کام اس کا موقع نہیں دیتے، البتہ اس
الناس کانوا لایکذبون	زمانہ میں لوگ جھوٹ نہیں بولتے تھے اس لئے
یومئذٍ فیحدث الغائب	دربار رسالت کے حاضر باش لوگ دوسروں
الشاھد[1]	سے حدیث بیان کردیا کرتے تھے۔

اسلام نے کس سادگی اور آسانی سے مسلمانوں کے دل میں علم دین کا بیج بو دیا تھا، اور وہ اپنی ...تی باڑی کی آبیاری کے ساتھ علم کی آبیاری بھی کرتے رہتے تھے ان کے کھیتوں کی سرسبزی و شادابی کی ...ح ان کے علم کا کشتِ زار بھی سدا بہار رہتا تھا۔

...ست کاروں میں علم اور علماء

بہت سے مسلمان خاندان جن کے یہاں نسلاً بعد نسلٍ دست کاری اور صنعت گری ذریعۂ معاش تھی، اور صدہا آدمی کاروبار میں ...غول رہتے تھے، ان میں اپنے پیشہ اور کاروبار کی طرح علم دین کا چرچا بھی نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا تھا، اور ...ن کے علم وفضل کا لوہا دنیا مانتی تھی، ایک ایسے خاندان کا حال علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ...ہ "دیوکش" لقب کا علمی خاندان مرو شہر میں بہت مشہور رہے، ان لوگوں کو "دیوکش" اس لیے ...تے ہیں کہ ان کے یہاں ریشم سازی کا کاروبار ہوتا ہے، اور ریشم کے کیڑوں (کوؤں) کو دھوپ میں ...ھا کر ان سے ریشم نکالا جاتا ہے، فارسی میں ان کیڑوں کو "دیو" کہتے ہیں، یہ خاندان بڑا علمی ...ا، اور اس میں کئی بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے، چنانچہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن دیو...ش فقیہ، عالم، صالح اور نیک سیرت بزرگ تھے، انہوں نے حدیث کا سماع احمد بن شہر بحری ...ورکوں سے، اور ابو احمد عبد الرحمٰن اور ابو محمد عبداللہ سے کیا تھا، اور ان کے تلامذۂ حدیث ...ں علامہ سمعانی کے والد، ابو طاہر محمد بن محمد بن عبداللہ سنجی اور ابوبکر عتیق بن علی غازی وغیرہ ہیں ...۲۶۰ھ کے حدود میں انتقال کیا، ان کے صاحبزادے محمد بن عبداللہ دیوکش بھی زبردست

---

[1] المستدرک، باب العلم ج ۱ ص ۱۲۷۔

عالم تھے، علامہ سمعانی نے ان سے ملاقات کی ہے اور ان کے خاندانی واقعات سنے ہیں[1]

پارچہ بافوں میں علم اور علماء

کپڑا بننے والے کو عربی میں حائک اور نساج کہتے ہیں، پارچہ بافوں میں بہت سے علمائے اسلام اور فضلائے امت گزرے ہیں جنہوں نے تانے بانے کی زندگی میں رہ کر علم دین کی چادریں بنی ہیں اور جسد اسلام کے لیے حلّے اور پیرہن تیار کئے ہیں، اور ان کے "لباس التقویٰ" میں بڑی خیر و برکت پائی گئی ہے، بعض لوگوں نے اس پیشہ کے علماء و مشائخ کے حالات میں مستقل کتابیں لکھی ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں، ابو حمزہ مجمع بن سمعان نساج تیمی حضرت سفیان بن عیینہؒ وغیرہ کے شیخ ہیں، اپنے زمانہ کے عباد و زہاد میں شمار کئے جاتے تھے، ابو محمد جرثومہ بن عبداللہ نساج علمائے بصرہ میں بڑے مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، تابعی ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں، آپ نے امام حسن بصریؒ، ثابت بکریؒ، اور عبداللہ مزنیؒ وغیرہ سے حدیث پڑھی ہے اور آپ سے موسیٰ بن اسمٰعیل بنودکی، حماد بن زیدؒ، علی بن عثمان واقفی وغیرہ نے پڑھا ہے، حدیث میں بہت ہی ثقہ مانے گئے ہیں، ابو القاسم بکر بن یحییٰ بن کثیر بن صالح نساجؒ شہر واسط میں رہتے تھے، اور وہیں حدیث کی روایت کی، آپ کے تلامذۂ حدیث میں حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ، اور قاضی ابو العلا محمد بن علاء وغیرہ ہیں سنہ ۳۰۵ھ کے حدود میں انتقال فرمایا، حضرت ابو الحسن خیر بن عبداللہ نساجؒ اولیائے کاملین میں ہیں، سُر من رائی کے رہنے والے تھے مگر مستقل قیام بغداد میں تھا، آپ نے شیخ ابو حمزہ محمد بن ابراہیم صوفی کی صحبت میں فیض اٹھایا اور آپ کی صحبت سے حضرت جنید بغدادی اور ابو العباس بن عطاء، اور ابو محمد جریری نے فیض پایا کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم خواصؒ اور حضرت ابوبکر شبلیؒ نے بھی آپ سے بہت کچھ حاصل کیا ہے، کتابوں میں آپ کے بارے میں عجیب و غریب واقعات

---

[1] کتاب الانساب طبع فوٹو ورق ۲۳۸، اس مقالہ کے اکثر مضامین کتاب الانساب ہی سے ماخوذ ہیں، ویسے اس موضوع پر راقم کی مستقل کتاب تیار ہو چکی ہے جس میں تاریخ و طبقات اور رجال کے ذخیرہ سے استفادہ کیا گیا ہے، اور کہنا چاہئے کہ مسلمانوں کی معاشی اور علمی تاریخ بن گئی ہے۔

Marfat.com

ملتے ہیں، اور آپ کی فضیلت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ آپ کے حلقہ سے جنید و شبلی نکلے ہیں، ابومنصور مقرب بن حسن بن حسین نساج بغدادیؒ نے ابویعلیٰ محمد بن حسین فراز، ابوالحسن، محمد بن علی بن مہتدی باللہ، ابوجعفر محمد بن احمد بن مسلمہ وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ہے، علامہ سمعانی کو دوسرے اہل علم کے واسطہ سے ان کی روایتیں پہنچی ہیں، اور ان کے اساتذہ ومشائخ نے ان کی بڑی تعریف وتوصیف کی ہے، نہایت نیک وصالح اور بزرگ تھے، قرآن کریم کی تلاوت ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، ربیع الاول ۲۳ھ میں بغداد میں فوت ہوئے، احمد بن مقرب نساج ان کے صاحبزادے ہیں، یہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح نہایت بزرگ اور باخدا عالم اور فقیہ تھے، ابوخطاب نصیر بن احمد قاری، ابوعبداللہ ابن حسین بن احمد بن طلحہ وغیرہ سے احادیث کا درس لیا تھا علامہ سمعانی نے ان سے حدیث کا سماع کیا تھا۔[1]

پارچہ فروشوں میں علم اور علماء

کپڑے کے تاجروں اور پارچہ فروشوں میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے علم دین کے لیے عمدہ سے عمدہ لباس مہیا کیا ہے، عام پارچہ فروش بزاز کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور گاڑھے گزی اور سوت کے موٹے کپڑے بیچنے والے کو کرابیسی کہتے تھے، مصر و دمشق میں تاجران پارچہ کو طاطری کے نام سے یاد کرتے تھے رجال وطبقات کی کتابوں میں بزاز، کرابیسی اور طاطری کی نسبت سے جن علماء کا ذکر ملتا ہے وہ اسی طبقہ سے تھے اور ان کا یہی پیشہ تھا، مثلاً امام ابوسلیمان بصری اودی صاحب الکرابیس، ابوعلی حسین بن علی کرابیسی بغدادی، اور ابوالحسن عیاد بن لیث صاحب الکرابیس[2] سوتی موٹے اور سفید کپڑوں کے تاجر طاطری دمشق میں جامع دمشق کے پاس قطار در قطار بیٹھے تھے ان میں سے مروان بن محمد طاطری دمشقی نے امام مالک، سلیمان بن بلال، اور یزید بن ... سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ان کے لڑکے ابراہیم بن مروان طاطری، محمد بن عبدالرحمٰن جعفی اور ہشام کے علماء کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا، ۲۱۰ھ میں فوت ہوئے، ہیثم بن رافع باہلی طاطری

[1] الانساب ورق ۵۵۱، ۵۵۲ [2] ورق ۴۷۶

زبردست عالم دین تھے، بصرہ کے باشندے تھے، حضرت عطار سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے ابوسلمہ موسی بن اسمٰعیل اور قتیبہ بن سعد نے روایت کی[1] یہ چند حضرات بطور مثال کے پیش کیے گئے، ورنہ اس طبقہ اور پیشہ میں بے شمار فقہا ومحدثین گزرے ہیں۔

درزیوں میں علم اور علماء

جو لوگ کپڑے کی سلائی کا کاروبار کرتے تھے انکو خیّاط یعنی درزی کہا جاتا تھا، اس طبقہ میں بھی بے شمار ارباب علم وفضل اور محدث وفقیہ اور ائمۂ دین گزرے ہیں جنہوں نے جسم انسانی کے علم وفضل کی قبائیں سی ہیں اور ظلم وجہالت کو علم وتقویٰ کی پوشاک دی ہے، ابوعبداللہ صالح بن راشد خیاط بصری نے حضرت حسن بصری اور حضرت مالک بن دینار وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے حرمی بن عمارہ بنود کی وغیرہ نے روایت کی، ابوسلیمان خیاط حجازی تابعی ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور آپ سے زید بن عیاض بن جعدہ وغیرہ نے روایت کی ہے، ابوغالب نافع خیاط بھی تابعین سے ہیں، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، سالم خیّاط حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین کے تلامذۂ حدیث میں سے ہیں، عمران خیّاط نے ابراہیم نخعی اور زید بن وہب سے دینی علم کی تعلیم حاصل کی اور ان کے تلامذہ میں عبداللہ بن عون ہیں، ابوالحسن علی بن محمد بن عیسیٰ خیّاط مصری "ابن العسرار" کی کنیت سے مشہور ہیں، اپنے زمانہ کے زبردست عالم دین شمار کیے جاتے ہیں، محمد بن میمون خیاط مکی نے امام سفیان بن عیینہ اور امام ابوسعید وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے ابوالحسن ساجی اور یحیی بن صاعد وغیرہ نے روایت کی، احمد بن موسیٰ بن ابی عمران خیّاط معدّل ہیں یعنی اسلامی عدالت کے گواہوں کی عدالت وثقاہت کا فیصلہ دیتے تھے اس کے بعد وہ شہادت دے سکتے تھے، انہوں نے سررہ بن حکم، محمد بن عباد بن معاذ عنبری، عبداللہ عبدالوہاب وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن مخلد وغیرہ نے روایت کی ہے۔

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں ان حضرات کے علاوہ بیسیوں علمائے دین کا تذ

[1] الانساب ورق ٣٦٣۔

کیا ہے جو خیاط یعنی درزی تھے اور لکھا ہے کہ جماعة من شیوخنا یعملون عمل الخیاطة یعنی ہمارے شیوخ و اساتذہ کی ایک جماعت سلائی کا کام کرتی ہے[1] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ درزی یا کپڑوں کی سلائی کرنے والوں نے علوم اسلامیہ میں کیا کمال پیدا کیا ہے، اور اسلام کی بزم علم و فضل میں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

دھوبیوں میں علم اور علماء

کپڑے کی دھلائی کرنے والے کو قصّار کہتے ہیں، اسلام نے اس طبقہ اور پیشہ میں بھی علم دین کی دولت، یوں پہنچائی کہ ان میں بڑے بڑے علماء، فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے، جنہوں نے ظاہری اور باطنی کثافتوں کو اپنے علم و معرفت کے آبِ مصفّا سے دھو کر ختم کیا اور انسانیت کو علم و دیانت کا صاف و شفاف باس عطا فرمایا، چنانچہ ابوحراص قصّار بہت بڑے عالم دین اور بزرگ انسان تھے، معاویہ بن ہشام قصّار نے امام سفیان ثوری اور امام مالکؒ سے قرآن و حدیث اور دین کا علم حاصل کیا تھا، ابوحاتم نوح بن ایوب بن نوح قصّار بخاری نے حفص بن داؤد ربعی، عبدالرحمن بن محمد بن ہاشم، اسحاق بن حمزہ ولید بن اسمٰعیل، اور سعید بن حیاج سے روایت کی، اور ان سے ابوصالح خلق بن محمد خیّام نے روایت کی، ۲۹۳ھ میں انتقال کیا۔ ابواسحاق ابراہیم بن عبداللہ بن اسحاق قصّار اصفہانی کا لقب قصّار اس لیے پڑ گیا کہ آپ زہد و تقویٰ اور اتباع سنت کے جذبہ سے مردوں کو غسل دیا کرتے تھے، اور آخر عمر تک درس حدیث دینے کے ساتھ مُردوں کے غسل و کفن کا کام کرتے رہے۔ ۳۶۰ھ میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، اور ۱۳۰ سال کی عمر میں فوت ہوئے[2]

موچیوں میں علم اور علماء

عربی میں جوتا بنانے والے کو حذاء کہتے ہیں، اس طبقہ اور پیشہ سے متعلق حضرات نے اسلامی علوم و فنون سے پورا پورا حصہ لیا اور اسلام نے بہت سے موچیوں کو علم و فضل کی مسند پر جلوہ گر کیا، ان حضرات نے علم دین کے پاپوش میں آفتاب کی کرن لگائی۔ ان جفت ساز علماء نے دین کی شاہراہ پر چلنے چلانے کے لیے مسلمانوں

---

[1] کتاب الانساب ورق ۲۱۴، [2] ؍؍ ورق ۴۵۴۔

کے پائے عزم وثبات کو بڑی استقامت واستواری بخشی، اور دنیا کو دکھا دیا کہ نسل، قوم، ذات، برادری، طبقہ اور پیشہ کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اصل چیز ہے اسلام کی راہ سے آیا ہوا تقویٰ اور خدا کی دی ہوئی استعداد وصلاحیت، علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ علمار کی ایک جماعت حذار یعنی جفت ساز یا موچی ہے، مثلاً عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن معاویہ خذار واسطی جو کہ عبل کے لقب سے مشہور ہیں، جابر خذار نے ابن عمر بصری سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے محمد بن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر عالم دین نے شاگردی کی تھی محمد بن سالم حذا واسطی کا لقب حمدان ہے محدث وفقیہ تھے، کثیر بن عبید حمصی حذا بھی مشہور محدث اور فقیہ ہیں، ابو عقیل یحیٰ المتوکل مدینی خذار علمائے دین میں سے ہیں ۱۹۷ھ میں فوت ہوئے، ابو اسحاق عاصم بن سلیمان تمیمی حذار بصری بھی اپنے زمانے کے مشاہیر علمار میں شمار کئے جاتے ہیں [۱]

روغن سازوں میں علم اور علمار

جو حضرات تیل اور روغن تیار کرتے تھے یا ان کی تجارت کرتے تھے، ان کو دھان کہتے ہیں، اس طبقہ اور پیشہ میں بہت سے علمار اور محدثین گزرے ہیں جو روغن فروش تھے، ان کے یہاں اس کے بڑے بڑے کارخانے اور دکانیں تھیں، ساتھ ہی ان کے علم کی ہماہمی بھی رہتی تھی۔ اور کولھو کے چکر کے ساتھ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا دور بھی ہوتا تھا، حضرت ابو الازہر صالح بن درہم دھان بصریؒ نے علمائے عراق سے حدیث کی روایت کی تھی، اور ان سے امام شعبہ بن حجاج جیسے جلیل القدر محدث نے روایت کی، ابو علی محمد بن حمزہ ابن احمد بن جعفر بن حرب دھان بغدادی کا حال خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے، ابو بکر علی کوفی، اور علی بن عبد الرحمٰن کوفی وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی نے روایت کی، ۴۳۳ھ میں فوت ہوئے، ابو احمد محمد بن عبد اللہ ابن احمد بن قاسم بن جامع دھان بغدادی نہایت بزرگ صالح اور ثقہ محدث تھے حدیث کی تعلیم کے بڑے شیدائی اور حریص تھے، آپ نے ابو رجار محمد بن حمدویہ سنجی، احمد بن

[۱] کتاب الانساب ورق ۱۶۰۔

بن علار جوزجانی، قاضی ابوعبداللہ حسین بن اسمٰعیل محاملی، محمد بن مخلد عطار، اور حسین بن یحییٰ بن عیاش قطان وغیرہ سے روایت کی، اور آپ سے ابوبکر برقانی، ابوالقاسم ازہری، ابوالفضل بن داؤد ہاشمی، حسن بن محمد بن عمر نرسی، ابوالحسین محمد بن علی ابن مہتدی باللہ ہاشمی نے روایت کی،[1]

قصابوں میں علم اور علماء

بکری اور دیگر حلال جانوروں کو ذبح کرکے ان کا گوشت فروخت کرنے والے کو قصاب کہتے ہیں اس پیشے کے لوگوں میں بے شمار مشاہیر علمائے اسلام گزرے ہیں، اور ان کی ذات سے علوم دینیہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا ہے جیسے امام حسن بن عبداللہ قصاب نے حضرت نافع مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے علم دین حاصل کیا اور تابعین کرام کے طبقۂ علماء میں اپنی جگہ پائی، ابوعبداللہ حبیب بن ابوعمرہ قصاب کوفی نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کی، اور آپ سے امام سفیان ثوری جیسے جلیل القدر امام اسلام نے روایت کی، ۱۴۲ھ میں فوت ہوئے، عبدالعزیز بن موسیٰ قصاب مروزی اہل مرو کے شیخ ہیں، ان کے شیوخ حدیث میں ابوالحسین عبدالرحمٰن بن محمد دھان ہیں، علامہ سمعانی کے دادا ابوالمظفر سمعانی نے ان سے روایت کی ہے، ابورافع بن قصاب اپنے زمانہ کے شیخ شمار کئے جاتے ہیں، ہرات کے باہر محلہ فیروز آباد میں رہتے تھے، ابوعبداللہ محمد بن علی سے حدیث کی روایت کی ہے اور علامہ سمعانی نے شیخ محمد بن جنید کی خانقاہ میں ان سے حدیثیں سنی ہیں، ابوخباب عباد بن ابی عون قصاب مصری نے حضرت قتادہ اور حضرت زرارہ بن ابی اوفیٰ سے روایت کی، اور آپ سے اہل بصرہ نے روایت کی، ابوحمزہ میمون تمار قصاب کوفی حدیث میں امام ابراہیم نخعی، اور امام حسن بصری سے تلمذ رکھتے ہیں اور ان سے عبدالحمید بن منصور بن معتمر، امام سفیان ثوری، اور حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے، ابوعبدالکریم عبد ربہ قصاب بصری نے ابورجاء عطاردی اور محمد بن سیرین سے علم حدیث حاصل کیا، آپ کا شمار ممتاز علمائے بصرہ میں ہوتا ہے آپ سے عبدالصمد بن عبدالوارث نے روایت کی، ان حضرات کے علاوہ اور بہت سے قصاب علماء کا تذکرہ علامہ سمعانی نے کیا ہے[2]

---

[1] کتاب الانساب ورق ۲۲۴ [2] ایضاً ورق ۴۵۴۔

حلوائیوں میں علم اور علماء

مٹھائی بنانے والے کو حلوائی کہتے ہیں اسلام میں جن شیرینی اور مٹھائی بنانے بیچنے والوں نے دین و دیانت کی شیرینی سے مسلمانوں کے کام دہن کی تواضع کی ہے، اور روح کو لذت بخشی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، چند حضرات یہ ہیں:

امام ابو محمد عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح حلوائی جن کا لقب شمس الائمہ ہے احناف کے بہت بڑے امام و مقتدیٰ ہیں اور شمس الائمہ حلوائی کے نام سے مشہور ہیں، ۴۹۰ھ میں مقام کش میں انتقال فرمایا اور بخارا میں لے جا کر دفن کئے گئے، محمد حلوائی بھی زبردست محدث تھے علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ آپ شیخ وقت اور مختلف علوم کے عالم ہیں، حدیث اور محدثین کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے، وہ درحقیقت حدیث پر عامل تھے، البتہ فتویٰ علمائے کو فہ یعنی احناف کے مسلک پر دیا کرتے تھے، مقام کش میں وفات پائی، ابو المعالی عبداللہ بن احمد ابن محمد حلوائی مروزی اپنے کو بزاز لکھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مٹھائی فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ پارچہ فروشی بھی کرتے تھے، فقیہ، عالم، اور حافظ حدیث تھے ۵۳۹ھ میں فوت ہوئے، ابو المحاسن عبدالرحیم بن عبداللہ حلوائی کے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے قدیم شیوخ میں سے ہیں اور میں نے ان سے بلخ اور مرو میں احادیث کا سماع کیا ہے،[1] اسی طرح بہت سے شیرینی فروشوں نے صرف دودھ اور شکر کی ہی شیرینی نہیں تیار کی ہے بلکہ علم و عمل کی وہ شیرینی بنا کر تقسیم کی ہے جس کی لذت نے مسلمانوں کے ذوق میں بڑی لطافت پیدا کردی ہے،

آٹا پیسنے والوں میں علم اور علماء

جو لوگ دوسروں کا آٹا پیستے تھے اور ان کے یہاں آٹا کی پسائی کے لیے چکی، پن چکی، اور ہوائی چکی ہوتی تھی اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا ان کو طحان کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے مسلم طحانوں میں ایسے ایسے علماء و فضلاء پیدا کئے ہیں جن کی نظیر دوسری قوموں میں نہیں ملتی، انہوں نے چکی چلانے کے ساتھ علم و فن کی مشق میں عجیب عجیب کام کئے ہیں واقعی ان کی طبیعت ایک طرفہ تماشا تھی اور ان کے علم و فضل کی چکی نے وہ فیضان عام جاری کیا ہے کہ بے شمار روحوں کو ان سے غذا ملی، اور جسدِ ملت میں ان کی علمی و روحانی غذا سے

---

[1] کتاب الانساب ورق ۱۶۸،

تاب و توان آئی، ابو موسیٰ حبیب بن صالح طحان کا شمار ملک شام کے ممتاز علماء میں تھا، آپ نے زید بن شریح سے روایت کی ہے، اور آپ سے جریر بن عثمان اور ابو ہشیم نے روایت کی ہے، خالد بن عبداللہ طحان واسطی نے حمید الطویل، ابو عثمان الہجی، عراک بن مالک، مشکان بن ابو عمر، راشد بن سعد سے روایت کی ہے اور آپ سے قتیبہ بن سعید، عمرو بن عون، سعید بن منصور خراسانی صاحب السنن، سعید بن سلیمان وغیرہ نے روایت کی ہے، حضرت امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ خالد طحان نہایت ثقہ اور دینداری میں صالح و نیک آدمی ہیں، مجھے معلوم ہے کہ انہوں نے تین بار اپنے آپ کو اللہ تعالے کے ہاتھ فروخت کیا ہے، ہمارے نزدیک خالد طحان ہشیم سے زیادہ محبوب و معتمد ہیں، ۱۸۲ھ یا ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے، ابو یزید رستم طحان کوفی تابعی ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت کی ہے، ان سے خالد بن مخلد نے روایت کی ہے، ابو نعیم ضرار بن ضرر طحان کوفی نے معتمر اور دراوردی سے روایت کی ہے، کوفہ کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے، فقہ اور فرائض کے عالم تھے[1]

صابون سازوں اور صابون فروشوں میں علم اور علماء

صابون کی نسبت سے وہ علمائے اسلام مشہور و متعارف ہیں جو صابون سازی اور صابون فروشی کرتے تھے یا ان کے آباء و اجداد اس پیشہ سے حلال روزی کماتے تھے، انہوں نے علم کے صابون سے قلب و روح کے میل کچیل کو صاف کیا ہے، اور مسلمانوں کی صورت و سیرت میں ان کی وجہ سے حسن و خوبی کی بڑی قدریں پیدا ہوئی ہیں امام ابو عثمان اسمعیل بن عبدالرحمن بن احمد صابونی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہیں، آپ مفسر قرآن، محدث، فقیہ، واعظ اور خطیب تھے ساٹھ سال تک اپنے وعظ و نصیحت سے عامۃ المسلمین کی ہدایت کی اس فن میں یکتائے زمانہ تھے، اور کوئی ہمسر نہیں تھا، تقریباً بیس سال تک نیساپور کے منبر پر خطابت فرمائی، ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے، ابو یعلی اسحاق بن عبدالرحمن صابونی حضرت شیخ الاسلام صابونی مذکور کے بھائی اور زبردست عالم دین ہیں، ابو محمد عبیداللہ بن حسین بن عبدالرحمن صابونی فقیہ و

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۶۸،

Marfat.com

محدث تھے شام کے شہر انطاکیہ کے رہنے والے تھے ابو محمد عبداللہ بن احمد بن موسیٰ صابونی جرجانی بڑے عابد و زاہد اور اللہ والے بزرگ تھے زہد کی صفت ان کے تذکرے میں خاص طور سے بیان کی گئی ہے، ابو الطیب محمد بن عمر بن سعید صابونی بغدادی بھی اس فن و پیشہ کے علماء میں ہیں[1]

صیقل گروں میں علم اور علماء صیقل گر یعنی قلعی کرنے والے خاندان بھی دوسرے خانوادوں کی طرح علم دین کے گہوارے رہے ہیں، اور انہوں نے زنگ آلود دلوں اور بے رونق روحوں کو علمی و دینی صیقل گری سے چمکایا ہے، ابو سہل نصر بن عبد الملک مزنی بلخی صیقل کا اصل نام عبد الکبیر ہے، آپ نے حضرت امام جعفر الصادق اور حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام شعبہ بن حجاج سے حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، ابو غالب محمد بن غالب بن محمد بن ابراہیم بن احمد صیقل جرجانی نہایت بزرگ، ثقہ نیک اور سیدھے سادے تھے، حسنِ اخلاق میں شہرت رکھتے تھے، کرمان کے صوفیائے کرام کے پیشوا تھے، شہر دامغان آپ کا وطن تھا، ۳۲ھ میں فوت ہوئے، ابو یوسف حجاج بن ابو زینب صیقل سلمی بھی اس طبقہ کے علماء میں ہیں، اور ابو الحسن علی بن احمد بن سلیمان صیقل معدل مصری ۳۹۲ھ میں فوت ہوئے[2]

شیشہ گروں میں علم اور علماء علمائے اسلام میں بہت سے حضرات کو دنیا زجاجی کے لقب اور نسبت سے یاد کرتی ہے، ان بزرگان دین کے گھرانوں میں شیشے کے سامان و آلاتِ زیبائش و آرائش بنتے تھے اور فروخت ہوتے تھے، اور وہ علم و فضل کی دنیا میں شمس و قمر بن کر یوں چمکے کہ ان کی روشنی آج دنیا کو منور کرتی ہے، شیشہ گروں میں جو حضرات زیادہ مشہور ہیں ان میں سے چند یہ ہیں، ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد زجاجی نے یوسف بن موسیٰ سے حدیث کی روایت کی ہے، اور ان سے احمد بن علی بن ابراہیم بندونی نے روایت کی ہے، محمد بن سعید بن عمرہ زجاجی سرخسی نے حدیث کی تعلیم اسحاق بن ابراہیم معدل مروزی سے حاصل کی، اور آپ سے حافظ احمد بن علی بن محمد اصفہانی نے تحصیل علم کی، ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن ابراہیم زجاجی مروزی نے بغداد آکر

---

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۶ و ۳۵۷، [2] ، ورق ۳۵۸ و ۳۵۹۔

ابوحامد احمد بن عباس اور ابواحمد علی بن محمد حسینی سے حدیث پڑھی اور ان سے ابوبکر محمد بن عبد الملک نے شرف تلمذ حاصل کیا، ابوبکر احمد بن علی بن عبداللہ بن منصور زجاجی مولد کے اعتبار سے طبری ہیں مگر بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر کے وہیں ابوحفص عمر بن ابراہیم کیانی مقری سے حدیث پڑھی اور ان سے ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی اور ابوالقاسم خلف بن احمد خرقی مصری نے پڑھا۔ عبدالرحمن بن ابوبکر احمد بن علی بن عبداللہ زجاجی نے ابواحمد فرض بنی بکران وغیرہ سے پڑھا اور ان سے ابوالقاسم بن سمرقندی اور ابوبکر انصاری نے پڑھا، ۴۹۰ھ میں فوت ہوئے[1] ان بزرگوں کے علاوہ بہت سے ارباب علم و فضل شیشہ گراں میں گزرے ہیں۔

لوہاروں میں علم اور علماء

علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ حدّاد کی نسبت لوہے کی خرید و فروخت اور لوہے کا کام کرنے کی طرف ہے، اس لقب سے اہل علم کی ایک جماعت مشہور ہے اس لیے کہ ان علماء کے باپ دادا میں کوئی نہ کوئی لوہے کی چیزوں کو بناتا تھا، ان لوہاروں نے بھی علم دین حاصل کر کے علم کے فولاد کو اپنی قوتوں اور سخت جانیوں سے موم بنایا ہے، اور ان کی بھٹیاں صرف لوہے کے گرمانے اور نرم کرنے کے کام نہیں آتی تھیں بلکہ ان میں کام کرنے والے دین و دیانت اور علم و فضل کے نرم گرم حالات کو بھی درست کرتے تھے، چنانچہ ان میں امام ابوبکر محمد بن احمد بن جعفر کنانی حداد شافعی مذہب کے بہت بڑے امام و فقیہ اور عالم تھے، مصر کے قاضی تھے۔ فقہ شافعی کی فروعات میں ان کو بڑا عبور حاصل تھا ۳۴۴ھ میں انتقال کیا، حسن بن یعقوب بن یوسف صوفی حداد نیساپور کے رہنے والے تھے، ان کے بارے میں لکھا ہے کہ حسن صوفی پرہیزگار و زاہد تھے، ان کی مستقل خانقاہ تھی اور ان کے گھر میں زاہدوں اور صوفیوں کا مجمع رہا کرتا تھا۔ رجب ۳۳۶ھ میں فوت ہوئے، ابوحفص عمر و حداد بھی نیساپور کے صوفیائے کرام میں ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ علم اور تقویٰ دونوں میں خراسان کے بعد والے چند لوگوں میں سے ہیں، ۲۶۴ھ یا ۲۷۰ھ میں نیساپور میں فوت ہوئے، ابوالمقدام ثابت بن ہرمز حدّاد

---

[1] کتاب الانساب ورق ۲۴۳

تبع تابعین میں سے ہیں، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت زید بن وہبؒ، اور حضرت سعید بن جبیرؒ جیسے علمائے تابعین سے حدیث پڑھی، اور ان سے ان کے لڑکے عمرو بن ثابت اور حضرت سفیان ثوریؒ اور حکمؒ نے روایت کی ابو بکر احمد بن سندی بن حسن حدّاد، ہمارے ملک ہندوستان کے علاقہ سندھ کے رہنے والے تھے، مگر بغداد میں مستقل قیام تھا، بہت باخدا بزرگ اور محدث تھے، آپ نے فریابیؒ اور محمد بن عباس مودبؒ وغیرہ سے حدیث پڑھی تھی ادریس بن عبد الکریم حدّاد مشہور قاری اور حضرت امام احمد بن حنبل کے تلامذہ میں سے ہیں[1] ان حضرات کے علاوہ اور بہت سے علماء و فقہاء اور محدثین اور دوسرے علوم و فنون کے ماہرین حدّاد گزرے ہیں۔

بڑھیوں میں علم اور علماء جو حضرات لکڑی کے سامان بنانے کا پیشہ کرتے تھے ان کو نجار یعنی بڑھئی کہا جاتا ہے اس طبقہ سے بھی بہت سے علماء اسلام پیدا ہوئے، جنہوں نے علوم اسلامیہ میں کسی طبقہ سے کم حصہ نہیں لیا ہے، بلکہ کاروان علم کے شانہ بشانہ چل کر منزل مقصود پائی ہے۔

صالح بن دینار نجار مدینہ منورہ کے رہنے والے تابعی تھے، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کی ہے، اور ان سے ان کے لڑکے نے روایت کی ہے، ابو بکر محمد بن جعفر بن عباس بن جعفر نجّار بغدادی نہایت ثقہ بزرگ اور محدث تھے حفظ قرآن کا خصوصی اہتمام کرتے تھے، ابو ... نحوی المعروف بابن النجّار کوفی نہایت ثقہ عالم تھے، محمد بن حسین اشنانی، عبد اللہ بن ثابت حریری، اسحاق بن محمد بن عرفطہ، نفطویہ، ابو روف احمد بن بکر ہزانی، ابو بکر محمد بن یحیی صولی وغیرہ سے روایت کی، اُن سے ابو القاسم زہری، محمد بن احمد بن عبد العزیز عکبری وغیرہ نے روایت کی، ان کی ولادت ۳۰۳ھ میں ہوئی، اپنے زمانہ میں شیخ الکوفہ تھے، جمادی الاولی ۴۰۲ھ کوفہ ہی میں فوت ہوئے، ابو بکر محمد بن بکر بن دین نجار بغدادی ارباب صلاح و خیر کے ...

---

[1] کتاب الانساب ورق ۱۵۸،

پیشوا مانے جاتے تھے، بڑے بڑے علمائے وقت سے پڑھا اور بڑوں بڑوں کو پڑھایا، ابوبکر محمد بن عثمان بن خالد نجار عسکری بغدادی نے حسن بن عرفہ سے روایت کی، اور ان سے محمد بن جعفر بن عباس نجار، ابوزرعہ محمد بن سعد بن عبدالوہاب عکبری نے روایت کی، حسین بن محمد نجار رفرقہ نجاریہ کے متعلق انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے، ابوایوب سلیمان بن داؤد بن محمد بن سعد بن نجار یمامی بصری نے قلیح بن محمد، عمارہ بن عقبہ یمانی، یحیی بن مروان حنفی، ابوثمامہ حربی سے روایت کی، اور ان سے ابوزرعہ، ابوحاتم رازی وغیرہ نے روایت کی، ابوحاتم نے ایک مرتبہ ان کے بارے میں یحیی بن معین سے کہا کہ میں نے ان کو بصرہ میں بہت عافیت و آرام کی حالت میں چھوڑا ہے، اس پر یحیی بن معین نے ان کی تعریف کی اور فرمایا کہ تم یوں کہو کہ میں نے یمامہ میں ان سے زیادہ حدیث کا سمجھنے والا کسی کو نہیں پایا۔[1]

لکڑ ہاروں میں علم اور علماء حطاب اس شخص کو کہتے ہیں جو صحرا اور جنگل سے لکڑیاں لاکر ان کو فروخت کرتا ہے، اس پاک کمائی کے کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء گزرے ہیں اور لکڑ ہاروں میں بھی علم دین کی روشنی پھیلی ہے اور ان کے جھونپڑے علم کی دولت سے رشک فردوس بنے ہیں۔

زید بن عبدالحمید حطاب نے حضرت عمر بن عبدالعزیز اور اہل مدینہ سے روایت کی ہے، اور ان سے امام اوزاعی نے روایت کی ہے، وہ لکڑی چن کر بیچنے والوں میں سے تھے اور تابعی تھے، ابوبکر محمد بن حسین بن محمد بن عبدالخالق حطاب ۲۸۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۸ھ میں فوت ہوئے، انہوں نے ابوخلیفہ فضل بن حباب، جعفر بن محمد فریابی، احمد بن حسین بن اسحاق صوفی وغیرہ سے حدیث کی تعلیم پائی اور ان سے ابوالقاسم عبداللہ بن عمر بن بقال اور حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ وغیرہ نے تعلیم پائی، جعفر بن محمد بن مرزبان بن حطاب جوہری بغدادی نے احمد بن محمد، اور یحیی بن سعید قطان سے روایت کی، اور ان سے

[1] کتاب الانساب ورق ۵۵۳۔

Marfat.com

ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی اور ابو محسن علی بن عمر نے روایت کی، محمد بن عبد اللہ خطاب رقی نے علی بن عبد اللہ فراطیسی سے تحصیل علم کیا، اور ان سے ابو حفص محمد بن احمد نے حدیث پڑھی، نصر بن احمد خطاب نے علی بن یعقوب بن عمرو رقی سے روایت کی، اور ان سے امام ابو عبد اللہ حاکم نیساپوری نے روایت کی، ابو ایوب سلیمان بن عبد اللہ خطاب رقی آپ خیر و برکت اور صدق و صفا کا مجسمہ تھے، عبد اللہ عمرو سے حدیث کی روایت کی، اور آپ سے ابو حفص عمر بن احمد نے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے کوفہ میں حدیث کا سماع کیا۔

اسلام کا یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ لکڑ ہارے بھی اسلامی علوم و معارف کی مسند پر جلوہ گر نظر آتے ہیں، اور قرآن و حدیث کی امانت کے محافظ و ضامن بن کر امامت و سیادت کے مرتبہ کو پہونچے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ ان لکڑ ہاروں نے جنگلوں کو بھی دار العلوم بنایا ہے۔

شکاریوں میں علم اور علماء علامہ سمعانی نے لکھا ہے کہ جو شخص پرندوں، مچھلیوں اور جانوروں کا شکار کرتا ہوا سے صیاد (شکاری) کہتے ہیں، ان طبقہ اور پیشہ والوں نے اس حدیث پر پورے طور سے عمل کیا ہے جس میں حکم دیا گیا ہے کہ قیدوا العلم بالکتاب، علم کے بدکے ہوئے مضامین و معانی کو حفظ و تحریر کے ذریعہ مقید کرو، جنگلوں، درختوں، باغوں، دریاؤں اور کہساروں میں صید و شکار کر کے دونوں نے علم کی تلاش میں دنیا کی خاک چھانی ہے اور ہر جگہ سے علم کو شکار کر کے کتابوں اور درسگاہوں میں مقید کیا ہے، ان چڑی ماروں شکاریوں میں بھی بڑے بڑے علمائے دین گزرے ہیں، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

ابو محمد احمد بن یوسف بن وصیف صیاد بغدادی کا تذکرہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں کیا ہے، بہت ثقہ اور مستند محدث و عالم تھے، حدیث کی تعلیم ابو حامد محمد بن حضرمی، اسمعیل بن عباس وراق، اور نفطویہ نحوی وغیرہ سے پائی، اور ان سے ابو القاسم عبد العزیز بن علی ارجی نے روایت کی ابو بکر محمد بن احمد بن یوسف صیاد بغدادی، آپ

له کتاب الانساب ورق ۱۷۱۔

محمد احمد بن یوسف صیّاد مذکور کے لڑکے ہیں، حدیث کے بارے میں بہت ہی سخت اور محتاط
ے محرم ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ابوبکر شافعی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محرم، احمد بن
سف بن خلاد، ابوبکر بن مالک قطیعی، احمد بن جعفر بن حمدان سقطی بصری سے روایت کی ہے۔

عثمان سعید بن نعیرہ صیّاد مصیصی نے عامر بن یساف، ابواسحاق فزاری، عیسیٰ بن یونس، خالد
سین بن مبارک سے روایت کی، ابوحاتم رازی کا بیان ہے کہ جس وقت آپ نے کتاب السیرۃ
درس دینا شروع کیا تو اہل مصیصہ اپنی اپنی دکانوں کے دروازے بند کرکے آپ کے حلقہ درس
ں آکر بیٹھے[1]۔

زدوروں میں علم اور علمار

جو لوگ دوسروں کا سامان اور بوجھ لے آتے لے جاتے ہیں اور لوگوں کا مال واسباب ایک جگہ سے دوسری جگہ پر اجرت
مزدوری پر پہونچاتے ہیں ان کو حمّال کہتے ہیں، ان باربردار مزدوروں اور اجیروں میں
ت سے علمار فقہار اور محدثین گزرے ہیں، جنہوں نے علم دین کی باربرداری اخلاص وللہیت
مزدوری پر کی ہے، اور اسلام کی امانت کا بار اپنے سروں پر اٹھاکر دنیا کے گوشے گوشے
ں پہونچایا ہے، چند ایسے حضرات یہ ہیں،

مُشکان حمّال تابعی ہیں اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے حدیث کی روایت
ہے، ابوموسیٰ ہارون بن عبداللہ بن مروان حمّال بھی بہت بڑے محدث تھے، پہلے بزازی
کام کرتے تھے، اور کپڑے بیچتے تھے مگر بعد میں لوگوں کے اسباب وسامان کی باربرداری
رت پر کرنے لگے تھے، اور اسی پیشہ سے کھاتے تھے، انہوں نے حضرت سفیان بن عیینہ،
بار بن حاتم، معن بن عیسیٰ، روح بن عبادہ، ابوعاصم نبیل، ابوعامر عقدی، عبداللہ بن
ر وغیرہ سے روایت کی ہے،

امام ابراہیم حربی کا قول ہے کہ ہارون بن عبداللہ اس قدر سچے تھے کہ اگر بالفرض

[1] کتاب الانساب ورق ۳۵۷۔

Marfat.com

جھوٹ بولنا حلال اور جائز ہوتا تب بھی وہ جھوٹ نہ بولتے " ابو عمران موسیٰ بن ہارو
عبد اللہ حمّال، ابو موسی ہارون حمّال مذکور کے لڑکے ہیں آپ امام فی الحدیث تھے، شعب
۲۹۴ھ میں انتقال کیا، رافع بن علی حمّال فقیہ تھے، کعبۃ اللہ کے جوار میں زندگی بسر
تھے اور مکہ مکرمہ ہی میں انتقال کیا، بہت بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے' ابو اسحاق شیر
اور ابو یعلی فرار نے آپ کی بدولت حدیث و فقہ میں امامت کا درجہ پایا، مزدوری کر
پاتے تھے اس میں سے ان دونوں حضرات کو بھی دیتے تھے، جس کی وجہ سے وہ تعلیم حاصل کر

مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور پیشوں میں سے ان چند علمار کے حالات مثال
پر پیش کئے گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں میں علم کا رواج ہوا تو انہوں
کس ذوق و شوق سے علم حاصل کیا اور اس میں ان کے کام دھندے اور پیشے حارج
ہوئے، پھر مسلمانوں نے ہر طبقہ اور ہر پیشہ کے علمار و فضلار کو سر پر بٹھایا اور ان کی اما
سیادت میں علم دین کی منزلیں طے کیں، جو لوگ بعض طبقوں اور پیشوں کے بارے میں
خیالات رکھتے ہیں اور تنگ نظری کا ثبوت دیتے ہیں وہ غور کریں کہ وہ کس طبقہ اور
کو معیوب قرار دے کر ان علمائے اسلام پر حرف گیری کریں گے، کون سا پیشہ ہے جسے ع
اسلام نے اختیار نہیں کیا ہے اور کون سا طبقہ ہے جس میں فوج در فوج ائمۂ دین پید
ہوئے ہیں؟

لہ کتاب الانساب ورق ۱۷۴

Marfat.com

(۷)

علمائے اسلام کے القاب

دینی علوم اور اسلامی تعلیمات ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہیں، البتہ ان
تجرد انہماک خاص خاص لوگوں کا حصہ ہے، اور جو حضرات یہ حصہ پاتے ہیں ان کو علمائے
لام اور علمائے دین کہا جاتا ہے، اور ان کے لیے منصب وحیثیت کے اعتبار سے خاص خاص
اب ہوتے ہیں جن کو ان کے ناموں کے ساتھ استعمال کر کے تعظیم و تکریم ظاہر کی جاتی ہے،
اسلام میں علماء کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہندو مذہب اور عیسائیت میں برہمنوں
ر پادریوں کو حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے گویا سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں اور
م مذہبی زندگی میں ان کے ہاتھ میں مجبور ہوتے ہیں، البتہ علمائے دین کی تعظیم و تکریم اور اچھے
اب و خطابات سے ان کو یاد کرنا اخلاقی فرض ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اہل علم و
ل کے لیے القاب بہت زیادہ ملتے ہیں، اس مقالہ میں ہم ان القاب کا تاریخی پس منظر
ان کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ علمائے دین کے لیے آج جو القاب و خطابات استعمال
تے رہے ہیں، ان میں کیا روح کارفرما تھی اور اب وہ کس طرح پامال ہو رہے ہیں۔

عالم کا لقب صدر اسلام سے لے کر آج تک دینی علوم وفنون کے حاملین اور ان کے
پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، قرآن حکیم میں یہ لقب علمائے
ن کے حق میں آیا ہے، چنانچہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اور ان یعلمہ
ماء بنی اسرائیل میں علماء سے مراد دین کے عالم ہیں، احادیث میں بھی یہ لقب اسی
ی پر بولا گیا ہے، جیسا کہ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم وغیرہ میں ہے،

Marfat.com

اور جب "عالم" کو متعلم کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے تو اس سے مدرس و معلم بھی مراد ہوتا ہے، جیسا اس حدیث میں ہے۔ اغد عالمًا اد معلمًا

ابتدا میں عالم کا اطلاق کسی خاص علم و فن یا کسی خاص مقام کی طرف اضافت کی شکل میں ہوتا تھا، جیسے عالم المدینہ، عالم الکوفہ، عالم اہل المدینہ، عالم اہل خراسان، عالم اہل ... اور عالم المغازی والسیر، عالم الناسخ والمنسوخ اور عالم الحدیث والآثار وغیرہ، مگر بعد ... بغیر اضافت کے استعمال ہونے لگا۔

علامہ علامہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ لقب مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھنے والے علماء ... لیے استعمال ہوتا ہے، عرب میں قدیم زمانہ سے انساب، عربیت، شاعری ... وحروب کے جاننے والوں کو علامہ کہا جاتا تھا، عہد رسالت میں بھی ان علوم کے جاننے ... کو علامہ کہتے تھے، چنانچہ علامہ ابن عبد البر اندلسیؒ نے جامع بیان العلم میں حضرت ابو ... روایت کی ہے کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل	ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
المسجد فرای جمعًا من الناس	مسجد نبوی میں تشریف لائے اور دیکھا
علی رجل فقال وما ھذا، قالوا	کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک آدمی کے گرد
یا رسول اللہ رجل علامۃ، قال	جمع ہے، آپ نے دریافت فرمایا کیا معاملہ
وما العلامۃ، قالوا اعلم الناس	ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ
بانساب العرب واعلم الناس	ایک علامہ شخص ہے، آپ نے فرمایا کہ علامہ
بعربیۃ، واعلم الناس بشعر واعلم	کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا علامہ وہ شخص
الناس بما اختلف فیہ العرب،	ہے جو انساب عرب، عربیت، شعر و شاعری
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اور عربوں کے حالات کا سب سے بڑا عالم
وسلم ھذا علم لا ینفع	ہے، آپ نے فرمایا یہ ایسا علم ہے کہ نہ

وجهل لا یضر[1] — جاننا مفید ہے اور نہ جاننا مضر ہے۔

اس ارشاد نبوی کے بعد ضرار اور غیر مفید علوم کے جاننے والوں کے لیے علامہ کا لقب صحابہ کرام کے نزدیک کچھ زیادہ دقیع نہیں رہ گیا، غالباً یہی وجہ ہے کہ عہد رسالت اور صحابہ و تابعین کے زمانہ میں علمائے دین کے لیے یہ لقب نہیں استعمال ہوتا تھا، اور تاریخ و رجال کی کتابوں میں بھی صدر اسلام کے علمار کے لیے یہ لقب نہیں ملتا ہے، مگر بعد میں اس کا عام رواج ہو گیا۔

معلّم دینی تعلیم دینے والے کو اسلام میں سب سے پہلے معلم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، یہ وہ مقدس لقب ہے جسے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں پسند فرمایا ہے، اور انما بعثت معلماً فرما کر اس کی عظمت بتائی ہے، اس لقب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نوازا، چنانچہ وہ صحابہ میں اس لقب سے مشہور رہے، علامہ ابن سعدؒ نے حفاف بن ایمار سے روایت کی ہے کہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔

فاذا خطب عمر یقول — اور جب حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ پڑھتے تو میں عبد الرحمن بن
اشهد انك معلمٌ — عوف کو یہ کہتے ہوئے سنتا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ معلم ہیں،

یہ واقعہ سن کر اس کے راوی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی الزنادؒ کو تعجب ہوا تو میں نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی۔

ان رسول الله صلى الله عليه — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ
وسلم قال ما من نبی الا فی — ہر نبی کی امت میں دو ایک معلم ہوا کرتے ہیں،
امته معلم او معلمان، وان — اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو عمر بن خطابؓ
یکن فی امتی احد فابن الخطاب، — ہے، حقیقت یہ ہے کہ حق عمر کی زبان اور

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۲۳ طبع مصر و کنز العمال ج ۵ ص ۲۳۶ طبع اول حیدر آباد

Marfat.com

ان الحق علی لسان عمر وقلبہ[1] دل ہے۔

چونکہ یہ لقب تعلیم دینے والے کے مفہوم کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے، اور اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں اور حضرت عمرؓ کے بارے میں استعمال فرمایا ہے، اس لیے اسے بعد میں بڑا حسنِ قبول حاصل ہوا، اور مکاتب کے معلموں سے لے کر حدیث وفقہ کے پڑھانے والوں تک کو معلم کے لقب سے پکارا گیا، ابن قتیبہؒ نے کتاب المعارف میں اور ابن رستہ نے الاعلاق النفیسہ میں "اسماء المعلمین" کے عنوان سے ایسے بہت سے بزرگوں کا ذکر کیا ہے، جو معلم کے لقب سے مشہور تھے، مثلاً

(۱) ابو صالح صاحب الکلبی، یہ بچوں کو تعلیم دیتے تھے (۲) ابو عبد الرحمٰن اسلمی، یہ دونوں آنکھ کے اندھے تھے (۳) معبد جہنی (۴) ضحاک بن مزاحم (۵) عبد اللہ بن حارث، یہ دونوں حضرات بلا اجرت تعلیم دیتے تھے (۶) قیس بن سعد (۷) عطار بن ابی رباح مکی (۸) ابو امیہ عبد الکریم، (۹) قاسم بن غیمرہ ہلالی (۱۰) کمیت بن زید شاعر، یہ کوفہ کی مسجد میں بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے (۱۱) عبد الحمید الکاتب، یہ بنو امیہ کے میر منشی بھی تھے (۱۲) ابو البیداء (۱۳) ابو عبد اللہ، یہ خلفائے بنو امیہ کے خطوط و فرامین بھی لکھا کرتے تھے (۱۴) حجاج بن یوسف، عراق کی گورنری سے پہلے طائف میں روٹی لے کر بچوں کو پڑھایا کرتا تھا (۱۵) حجاج کا باپ یوسف بھی معلم تھا (۱۶) علقمہ بن ابی علقمہ مولیٰ حضرت عائشہؓ، ان کا ذاتی مکتب تھا جس میں عربیت نحو اور عروض کی تعلیم دیتے تھے، (۱۷) ابو معاویہ شیبان بن عبد الرحمٰن نحوی، مولیٰ بنو تمیم، یہ محدث تھے، اور داؤد بن علی کے بچوں کو ادب کی تعلیم بھی دیتے تھے (۱۸) ابو سعید محمد بن مسلم بن ابی الوضاح قضاعی، یہ خلیفہ مہدی کے معلم تھے (۱۹) ابو اسمٰعیل ابراہیم بن سلیمان مودب، آپ محدث تھے (۲۰) ابو عبید قاسم بن سلام، یہ بہت بڑے عالم اور محدث و فقیہ اور طرسوس کے قاضی تھے، ۲۲۴ھ میں مکہ مکرمہ میں[2] فوت ہوئے، ان میں سے اکثر وں کے ساتھ لفظ معلم

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۹۹ طبع لیڈن۔ [2] کتاب المعارف طبع مصر ص ۲۳۸۔

بالالتزام استعمال کیا جاتا تھا، جیسے حسین بن ذکوان حسین المعلم اور حبیب مولیٰ معقل بن یسار حبیب المعلم۔

یہ ایک سرسری فہرست ان چند ناموں کی ہے جو عہد صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے لے کر تیسری صدی تک معلم کے لقب سے خاص طور سے مشہور ہوئے، بلکہ چوتھی صدی تک دنیائے اسلام کے بعض علاقوں میں عام طور سے علمائے دین کو معلم کے لقب سے پکارا جاتا تھا، علامہ مقدسی بشاریؒ نے (جنہوں نے ۳۷۵ھ میں اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم لکھی ہے) اقلیم دیلم کے بیان میں لکھا ہے کہ

یسمون العالم معلماً و ربما	یہاں کے لوگ عالم کو معلم کے لقب سے یاد
تعلقوا بی وقالوا لوك معلم	کرتے ہیں اور بسا اوقات مجھے لوگ معلم یعنی
واللوك هو الجيد[1]	زبردست عالم کہہ کر میرے پیچھے پڑ جاتے تھے

اس کا مطلب یہ ہے کہ قومس، جرجان، شہرستان، طبرستان، آمل، ویلمان، دامغان، سمنان، بسطام، بیار، اسفرآباد، طالقان وغیرہ میں عام علماء کو معلم کے لقب سے پکارا جاتا تھا، مقدسی نے ان تمام مقاموں کو اقلیم دیلم میں شمار کیا ہے۔

مگر بعد میں یہ مقدس اور قدیم لقب، دوسرے القاب کے مقابلہ میں بہت کم استعمال ہونے لگا، اور عام طور سے معلم کی جگہ مدرس نے لے لی، ہمارے علم میں تعلیم کے اصول و آداب پر سب سے پہلی کتاب امام محمد بن سحنون بن سعید متوفی ۲۵۶ھ کی آداب المعلمین ہے۔ جو بلاد مغرب میں عام طور سے رائج ہے۔ البتہ اس تعلّم کے آداب و اصول پر سب سے مشہور کتاب شیخ برہان الدین مرغینانی کی تعلیم المتعلم ہے۔

مُقری پڑھنے پڑھانے والے علمائے دین کے لیے معلم کی طرح مقری کا لقب بھی رسول اللہؐ کے زمانہ میں بولا جانے لگا تھا، مگر اس میں معلم کی طرح تعلیم دینے کا عمومی مفہوم نہیں

---

[1] احسن التقاسیم ص ۳۶۹

تھا، بلکہ اس کی ابتدا قرآن کی تعلیم دینے والوں سے ہوئی۔ اور اس کے مفہوم میں خاص طور سے قرآن کے معلم کا تصور تھا، اس لقب کا اطلاق سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ پر ہوا، جب ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل مدینہ کی خواہش پر قرآن کی تعلیم کے لیے روانہ فرمایا تھا، اس وقت مدینہ کے لوگوں نے ان کو مُقرِی کے لقب سے ملقب کیا، اور یہ ان کا مستقل لقب ہوگیا۔ امام طبرانیؒ نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ:

ورجع مصعب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان یدعی المقری[1] اور مصعبؓ مدینہ سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت ان کو مقری کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا

چونکہ مقری کے لقب میں شروع ہی سے قرآن کی تعلیم کا تصور تھا۔ اس لیے بعد میں بھی اسے معلمین قرآن ہی کے لیے استعمال کیا گیا، البتہ قرآنی تعلیم کے عام مفہوم کے علاوہ اس میں صرف تجوید و قرارت کے ساتھ پڑھانے کا تصور بھی شامل ہوگیا، چنانچہ تیسری صدی تک کے مجودین و قرار اسی لقب سے یاد کئے جاتے تھے، چند مشہور مقریوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ابوجعفر یزید بن قعقاع مقری مدینہ (۲) ابو عبدالرحمٰن سلمی کوفی یہ مقری کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے (۳) شیبہ بن نصاح مقریٔ مدینہ، مولی حضرت ام سلمہؓ آپ اپنے وقت میں اہل مدینہ کے امام تھے (۴) نافع بن عبدالرحمٰن مقریٔ مدینہ، آپ فن تجوید و قرارت کے زبردست اور مشہور امام ہیں (۵) طلحہ بن عوف، اہل کوفہ کے قاری و مقری ہیں (۶) یحیی بن وثاب کوفی۔ (۷) حمزہ زیات (۸) عاصم بن ابی النجود (۹) حمید الاعرج مقری اہل مکہ، (۱۰) ابن کثیر وغیرہ[2]۔ یہ لقب ان میں سے بعض بزرگوں کے نام کا جزو لاینفک ہوگیا تھا، مثلاً امام ابو عبدالرحمٰن المقری، عبداللہ بن ابی اسحاق المقری وغیرہ، ہندوستان میں عام طور سے قاری اور مقری دونوں کے لیے قاری کا لقب استعمال ہوتا ہے۔

قاری | جس طرح ابتدا میں مقری کا لقب قرآن پڑھانے والوں کے لیے مخصوص تھا اسی طرح

---

[1] جمع الفوائد ج ۲ ص ۲۹ [2] کتاب المعارف ص ۲۳۰ و ۲۳۲

Marfat.com

قاری کا لقب قرآن پڑھنے والوں کے لیے مخصوص تھا، مگر قرآن پڑھنے کا مطلب صرف اس کے الفاظ کی تجوید و قراءت کے ساتھ ادائیگی ہی نہیں تھا بلکہ جملہ قرآنی علوم و فنون اس میں شامل تھے، چنانچہ دورِ رسالت کے بعد یہی قراء فقیہ، محدث وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جانے لگے، اور یہ جامع لفظ مختلف الفاظ میں تقسیم ہوگیا، علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے۔

ثم ان الصحابة كلهم لم يكونوا	پھر تمام صحابہؓ نہ مفتی تھے اور نہ سب سے دینی علوم
اهل فتيا ولا كان الدين يوخذ	حاصل کئے جاتے تھے، بلکہ یہ چیز صرف عاملین
عن جميعهم وانما كان ذالك	قرآن کے ساتھ مخصوص تھی۔ جو اس کے ناسخ
مختصا بالحاملين للقرآن العارفين	و منسوخ اور متشابہ و محکم اور اس کی دوسری
بناسخه ومنسوخه ومتشابهه	تمام دلالتوں کے عالم تھے، جن کو انہوں
ومحكمه وسائر دلالته بما تلقوه	نے رسول اللہؐ سے حاصل کیا تھا، یا ان
من النبي صلى الله عليه وسلم	لوگوں سے جنہوں نے رسول اللہؐ سے حاصل
اوممن سمعه منهم من عليتهم	کیا تھا اس لیے جو لوگ قرآن پڑھتے تھے ان
وكانوا يسمون لذلك القراء الذين	کو قراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ
يقرؤون الكتاب لان العرب	اس وقت عرب امی قوم تھے، اس لیے کتاب اللہ
كانوا امة أمية فاختص من	پڑھنے والوں کے لیے یہ لقب مخصوص ہوگیا
كان منهم قارئا لكتاب الله	صدر اسلام تک یہ اصطلاح جاری رہی،
بهذا الاسم لغرابته يومئذ و	پھر جب اسلامی شہروں کی کثرت ہوئی
بقى الامر كذالك صدر الملة	اور قرآن کی ممارست کی وجہ سے عربوں
ثم عظمت امصار الاسلام	سے امیت جاتی رہی اور دینی مسائل کے
وذهبت الامية من العرب	استنباط کا رواج ہوا اور علم فقہ تکمیل ہوکر

Marfat.com

بممارسۃ الکتاب وتمکن الاستنباط وکمل الفقہ	ایک مستقل فن بن گیا، تو لوگوں نے قرار کے
واصبح صناعۃ وعلماً فبدلوا باسم الفقہاء والعلماء من القراء[1]	بجائے فقہار اور علمار کے نام رائج کیے۔

جس طرح جماعتِ صحابہؓ میں مقری کا لقب سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے لیے استعمال کیا گیا، اسی طرح قاری کا لقب سب سے پہلے جماعت صحابہؓ میں حضرت سعد بن عبیدؓ کے لیے استعمال ہوا، طبقات ابن سعد میں ہے۔

وکان یسمی القاری ولم یکن احد من	حضرت سعد بن عبیدؓ کو قاری کے لقب سے یاد
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کیا جاتا تھا، جماعت صحابہ میں انکے علاوہ
یسمی القاری غیرہ[2]۔	کوئی دوسرا قاری نہیں کہلاتا تھا۔

قاری کا لقب صحابۂ کرام میں اگرچہ سب سے پہلے حضرت سعد بن عبیدؓ کے لیے استعمال کیا گیا، مگر یہ لقب حاملین علوم قرآن کے لیے زمانۂ رسالت ہی میں عام ہو گیا تھا، اور جن صحابہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قرآن پڑھا اور حفظ کیا تھا ان کو قاری کہنے لگے، یہ صحابہ عام طور سے قرآن کی تعلیم پر مامور ہوتے تھے، مسجد نبوی اور مدینہ منورہ کے مختلف مقامات پر ان کی مجلس درس جاری رہتی تھی، اور بوقت ضرورت ان کو نومسلم قبائل کے لیے باہر بھی بھیجا جاتا تھا، اس سلسلہ میں ان ستر قرار۔صحابہ کا واقعہ بہت مشہور ہے، جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھانے کے لیے روانہ فرمایا تھا، مگر وہ راستہ میں شہید کر دیے گئے!

صدر اسلام کا یہ لقب پہلی صدی تک جاری رہا اور علمائے دین قرار کہلاتے رہے! چنانچہ بنوامیہ کے خلاف عبدالرحمٰن ابن اشعث کی سرکردگی میں یہی قرار ظلم وفساد کے خلاف جنگ کے لیے نکلے تھے، مگر جب باقاعدہ دینی علوم کی تدوین ہوئی تو یہی قرار، فقہار اور محدثین وغیرہ کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور جس کو جس علم وفن سے زیادہ تعلق تھا اس کو اسی کی مناسبت سے ملقب کیا گیا، بعد میں قاری کا لفظ اپنے قدیم مفہوم ومعنی سے ہٹ کر قرآن

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۴۳۷، [2] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم ۲ ص ۳

کو تجوید و قراءت سے پڑھنے پڑھانے والے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعض حضرات اس فن میں اتنے مشہور ہوئے کہ یہ لقب ان کے نام کا جز ہو گیا، جیسے متقدمین میں سلام القاریؒ اور متاخرین میں ملا علی قاری وغیرہ۔

کامل کامل کا لقب زمانۂ جاہلیت اور صدرِ اسلام میں علمی اور فنی مہارت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا تھا، جس کے مفہوم میں عربی لکھنے پڑھنے کے ساتھ تیراکی اور تیر اندازی میں بھی مہارت شامل تھی، علامہ ابن سعدؒ حضرت اوس بن خولیؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

وکان اوس بن خولی من الکملة	اوس بن خولی کاملین میں شمار ہوتے تھے،
وکان الکامل عندھم فی الجاھلیة	عربوں کے نزدیک زمانۂ جاہلیت اور صدر
واول الاسلام الذی یکتب	اسلام میں کامل وہ شخص ہوتا تھا جو عربی
بالعربیة ویحسن العوم والرمی	زبان میں لکھتا تھا اور تیراکی اور تیر اندازی
وقد کان اجتمع ذالك فی اوس	اچھی طرح جانتا تھا، یہ سب باتیں اوس
بن خولی[1]	بن خولی میں پائی جاتی تھیں!

اس لیے صحابہ میں بھی جو بزرگ ان چیزوں میں مہارت رکھتے تھے، وہ کامل کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، چنانچہ حضرت اسید بن حضیرؓ، حضرت سعید بن عبادہؓ اور حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہم کامل کے لقب سے مشہور تھے[2]

چونکہ کامل کے لقب میں صرف علوم دین ہی میں مہارت و کمال کا تصور نہیں بلکہ دوسرے فنون بھی شامل تھے، اس لیے بعد میں اس کا استعمال علمائے اسلام کے لیے خاص نہیں رہا اور نہ اس کا رواج ہوا، بلکہ بطور صفت کے ہر علم و فن کے ماہر کو کامل کہا جانے لگا۔

کاتب کاتب کا لقب زمانۂ رسالت میں بہت باعظمت تھا، اور وہ حضرات کاتب کے لقب سے ملقب کیے جاتے تھے، جو وحی الٰہی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام و

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم دوم ص ۹۱ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ قسم اول بالترتیب ص ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۴۹

فرامین اور خطوط کی کتابت کیا کرتے تھے، جماعت صحابہ میں یوں تو بہت سے کاتب تھے مگر حضرت حنظلہ بن ربیعؓ خاص طور سے کاتب کے لقب سے مشہور تھے، علامہ ابن سعدؒ ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

کتب للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ کتابًا لذلک الکاتب۔ حنظلہ بن ربیعؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہؐ کے لیے ایک تحریر لکھی تھی اس وقت سے وہ کاتب کے نام سے مشہور ہو گئے۔[۱]

صحابۂ کرام میں جو بزرگ وحی و احکام رسول کے خصوصی کاتب تھے ان کے نام علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں درج کئے ہیں (۱) حضرت ابو بکرؓ (۲) حضرت عمرؓ (۳) حضرت عثمانؓ (۴) حضرت علیؓ (۵) حضرت زبیرؓ (۶) حضرت عامر بنؓ فہیرہ (۷) حضرت عمرو بنؓ عاص (۸) ابیؓ بن کعب (۹) حضرت عبد اللہ بنؓ ارقم (۱۰) حضرت زیدؓ بن ثابت بن قیس بن شماس (۱۱) حضرت حنظلہ بن ربیع اسدی (۱۲) حضرت مغیرہؓ بن شعبہ (۱۳) حضرت عبد اللہ بنؓ رواحہ (۱۴) حضرت خالدؓ بن ولید (۱۵) حضرت خالد بنؓ سعید بن عاص، کہا جاتا ہے کہ کتابت وحی کی خدمت سب سے پہلے انہی نے انجام دی (۱۶) حضرت امیر معاویہؓ (۱۷) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم آپ تمام کاتبین وحی و احکام میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔[۲]

خلفائے راشدین کے زمانہ تک جو لوگ مکاتیب و فرامین لکھنے پر مامور تھے ان کو بھی کاتب کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اور بعد میں بعض علماء و مصنفین کے شاگرد جو استاد کا لکھنے کا کام انجام دیتے تھے وہ بھی کاتب کے نام سے مشہور رہے، جیسے واقدی کے کاتب علامہ محمد بن سعد صاحب طبقات کاتب الواقدی سے مشہور ہیں۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے دور میں کتابت و انشار کا عہدہ سکریٹریٹ کا ہم معنی بن گیا اور سرکاری دفاتر میں کام کرنے والوں کو کاتب اور منشی کہنے لگے، اموی دور میں عبد الحمید الکاتب

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۶۔ [۲] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۔

نے اس میں بڑی شہرت حاصل کی، وہ اس درجہ کا کاتب تھا کہ اس نے کتابت کے اعتبار سے عربی رسم الخط میں کئی شکلیں ایجاد کیں اور طرز تحریر میں نئے نئے اسلوب ایجاد کئے، اسی طرح ابو العباس احمد بن محمد الکاتب متوفی ۲۷۰ھ، ابن العمید الکاتب، ابو الفضل محمد بن عمید الکاتب، ابو عبد اللہ حسین ابن سعد الکاتب متوفی ۳۶۶ھ، ابن العماد الکاتب، ابو علی محمد بن علی بن حسین بن مقلہ الکاتب متوفی ۳۲۸ھ، ابن ابجان الکاتب، اور ابو الفواز بن حسین بن علی بن حسین الکاتب متوفی ۵۰۲ھ وغیرہ فن کتابت و انشاء میں اتنے مشہور ہوئے کہ ان کے نام کے ساتھ یہ لقب بھی استعمال کیا جانے لگا[1]

بعد میں یہ لقب ان لوگوں کے لیے بولا جانے لگا جو انشاء پردازی اور خوشنویسی میں درجۂ کمال رکھتے تھے، آج کل لغوی معنوی کے ساتھ عربی اخبارات و رسائل کے مدیر اور مقالہ نگاروں کو بھی کاتب اور منشی کہتے ہیں،

مُکتِبْ مکتب کے لقب سے وہ لوگ پکارے جاتے تھے جو عربی رسم الخط کی کتابت میں کمال رکھتے تھے، اور بچوں کو اس کی تعلیم بلکہ عربی رسم الخط کی تعلیم کے ساتھ ادب و لغت کی بھی تعلیم دیتے تھے، علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے،

هذه النسبة الى تعليم الخط ومن يحسن ذالك ويعلم الصبيان الخط والادب[2]

مکتب کی نسبت عربی رسم الخط کی طرف ہے اور جو آدمی خوشنویس ہوتا ہے اور بچوں کو رسم الخط اور ادب کی تعلیم دیتا ہے اس کو مکتب کہتے ہیں۔

جو لوگ ابتداء میں مکتب کے لقب سے مشہور ہوئے علامہ سمعانی نے ان کے یہ نام بتائے ہیں:۔ ابو سالم المکتب کوفی، حسین بن زکوان المعلم المکتب بصری، عتبہ بن عمرو المکتب کوفی، ابو الطیب محمد بن جعفر بن یزید المکتب بغدادی، ابو بکر محمد بن علی بن حسن المکتب عنبری بغدادی اور عبید بن عمرو المکتب، ہمارے خیال میں مکتب کا لقب قدیم زمانہ میں اسی معنی کو ظاہر کرتا

[1] ان کے حالات کے لیے تاریخ ابن خلکان میں ان کے تذکرے ملاحظہ ہوں، [2] کتاب الانساب لفظ مکتب

Marfat.com

تھا جیسے ہمارے زمانہ میں "میاں صاحب" اور "میاں جی" کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں؛

مودّب مسلمان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم کے لیے محلوں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب ہوا کرتے ان میں تعلیم دینے والوں کو معلم اور مکتب وغیرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، خلافت راشدہ اور اس کے کچھ بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا، ان مکاتب میں عام مسلمانوں کے بچے پڑھتے تھے، مگر بعد میں جب خلفاء اور امراء کے بچوں کو ان کے گھروں پر تعلیم دینے کا رواج ہوا اور ان کی مخصوص ضرورت کے مطابق دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تاریخ، شعر و ادب اور اخلاق وغیرہ کی بھی تعلیم دی جانے لگی تو اس قسم کے معلمین مودّب کے لقب سے پکارے جانے لگے، یہ لوگ عام طور سے علم الانساب، تاریخ و ثقافت اور شعر و ادب میں ماہر ہوا کرتے تھے، فقہا و محدثین خلفاء و امراء کے بچوں کو عام تعلیمی حلقوں سے الگ تعلیم دینا پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے وہ اس سے عام طور سے الگ رہے، علامہ سمعانی کا بیان ہے:-

المودب ھذا اسم لمن یعلم الصبیان والناس الادب واللغۃ۔[1] — مودب اس شخص کا نام ہے جو بچوں اور عام لوگوں کو ادب اور لغت کی تعلیم دیتا ہے۔

مندرجۂ ذیل مودّب اپنے اپنے دور میں خاص شہرت کے مالک ہوئے (۱) صالح بن کیسان المودب مدنی، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے مودّب تھے (۲) ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن قیس المودب مصری بنی جعفر کے مودب تھے (۳) ابواسمٰعیل ابراہیم بن سلیمان بن رزین المودب آل عبیداللہ کے مودب تھے (۴) ابوسعید المودب، مشہور مودبوں میں سے ہیں[1]

ماہر انساب وعربیت شرقی بن قطامی کا خلیفہ منصور نے اپنے لڑکے مہدی کا مودب مقرر کیا تھا[2]، امام ادب مفضل ضبی بھی مہدی کو لغت و ادب کی تعلیم دیتے تھے، امام کسائی نحوی ہارون رشید کے لڑکے امین کے مودّب تھے، ابومحمد یزیدی، خلیفہ مہدی کے ماموں یزید بن منصور کو تعلیم دیتے تھے اسی لیے یزید کی نسبت سے مشہور ہوئے[3] فراء نحوی خلیفہ مامون

[1] کتاب الانساب لفظ مودب [2] فہرست ابن ندیم ص ۱۰۲ [3] ایضاً ص ۴۷؛

Marfat.com

کے دونوں لڑکوں کو پڑھاتے تھے امام ابن سکیت امیر ابن طاہر کے لڑکے کو ادب کی تعلیم دیتے تھے، چونکہ اس زمرہ میں فقہاء و محدثین بہت کم شامل ہوئے اور اس میں ادیبوں ہی کا زیادہ حصہ رہا اس لیے یہ لقب زیادہ رواج نہ پاسکا۔

منشی | علامہ سمعانی منشی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

هذه النسبة الی انشاء الکتب الدیوانیة والرسائل[1] | منشی کی نسبت سرکاری دفتروں اور خطوط و فرامین لکھنے کی طرف ہے۔

منشی کے لقب سے یہ حضرات مشہور ہوئے۔

۱۔ ابو اسمٰعیل حسین بن علی بن عبدالصمد المنشی اصفہانی عراق کے صدر دیوان تھے، اور اس فن میں دنیا میں مشہور تھے (۲) ابو الفضل محمد بن عاصم المنشی سلطان سنجر بن ملک شاہ کے یہاں انشاء کی خدمت پر مامور تھے، ۵۴۱ھ یا ۵۴۲ھ میں انتقال کیا (۳) ابو الفرج عبداللہ بن احمد حضرمی ابن المنشی متقدمین میں مشہور تھے[2]

بعد میں یہ لقب خاص طور سے انشاء پردازوں کے لیے استعمال ہونے لگا، آج کل عربی اخبارات و رسائل کے ایڈیٹر اور رئیس التحریر کو بھی منشی کہتے ہیں۔

خطیب | خطیب کا لفظ خطبہ اور خطابت سے ماخوذ ہے، ابتدا میں ان فصحاء و بلغاء کو خطیب اور خطباء کہا جاتا تھا جو فن خطابت میں کمال رکھتے تھے اور زبان دانی و زبان آوری میں مشہور تھے۔ اور تقریر کے ذریعہ سحر بیانی کرتے تھے، مگر بعد میں یہ لقب ایسے علماء کے لیے مخصوص ہوگیا جو منبروں پر جمعہ کا خطبہ دیتے تھے، اور وعظ کہتے تھے، علامہ سمعانی کا بیان ہے۔

هذه النسبة الی الخطابة علی المنابر[3] | خطیب کی نسبت منبروں پر خطابت و تقریر کرنے کی طرف ہے۔

جمعہ کے خطیب عام طور سے امامت بھی کیا کرتے تھے، چند خطیبوں کے نام یہ ہیں (۱) ابوبکر

---

[1] کتاب الانساب لفظ منشی [2] کتاب الانساب لفظ منشی [3] کتاب الانساب ورق ۲۰۴۔

Marfat.com

احمد ابن علی بن ثابت خطیب بغدادیؒ صاحب تاریخ بغداد (۲) شکیب بن شیبہ خطیب بصریؒ یہ خطیب منبر نہیں تھے، بلکہ فصیح و بلیغ خطیب تھے (۳) ابو محمد عقیل بن عمرو بن ابکر بن سلیمان خطیب نیشاپوریؒ سب سے پہلے ان کے دادا ابکر بن سلیمان کو خطیب کا لقب ملا، پھر ان کے والد عمرو بن بکر خطیب ہوئے، ابو محمد عقیل نیشاپور کے حاکم بھی تھے، اور اپنی حکومت کے زمانہ میں خطابت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ ۲۸۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

چوتھی صدی میں خطیبوں کا خاص لباس ہوتا تھا۔ اور وہ عبا، وقبا پہن کر خطبہ دیتے تھے، مگر خراسان کے خطیب ان کے بجائے دراعہ نامی لباس استعمال کرتے تھے، مقدسی کا بیان ہے۔

ولا یرتدی الخطیب ولا یتقلس	خراسان کا خطیب جمعہ کا خطبہ دیتے وقت چادر اور قبا ہو
انما علیہ دراعۃ ولا یسرع	استعمال نہیں کرتا بلکہ اس کے جسم پر دراعہ ہوتا ہے،
الخروج[1]	نیز خطیب اپنے حجرہ سے نکلنے میں جلدی نہیں کرتا۔

ان خطیبوں اور اماموں کے لیے صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ ساتھ مؤثر انداز خطابت رکھنا ضروری تھا،

مذکّر مذکّر کا لفظ تذکیر سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یاد دلانے والے اور نصیحت کرنے والے کے ہیں، یہ لقب سب سے پہلے قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال کیا ہے: اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ دوسری جگہ فرمایا گیا، وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ بعد میں یہ لقب ان وعظ و نصیحت کرنے والے علماء کے لیے بولا جانے لگا جو عام مسلمانوں کو دینی احکام بتاتے اور عذاب و ثواب اور جنت و جہنم وغیرہ کو یاد دلاتے تھے، علامہ سمعانی لکھتے ہیں

ھذہ اللفظۃ لمن یذکر	یہ لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے
ویعظ[2]	جو وعظ و نصیحت کرتا ہے۔

---

[1] احسن التقاسیم ص ۳۲۷، بڑی بڑی مسجدوں میں امام اور خطیب مسجد سے متصل اپنے حجروں میں رہتے تھے اور خطبہ اور نماز کے قریب نکلتے تھے دہلی کی جامع مسجد میں آج تک یہ دستور قائم ہے [2] کتاب الانساب ورق،

جو علمائے دین خاص طور سے مذکر کے لقب سے مشہور ہوئے، ان میں سے چند یہ ہیں :۔

(۱) ابو محمد عبد الواحد ابن احمد زہری المذکر صائم الدہر تھے، ہر دوسرے دن قرآن ختم کرتے ے مشہور صحابی حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی اولاد میں سے تھے، ۳۸۲ھ میں انتقال فرمایا (۲) بکر محمد بن عبد اللہ بن عبد العزیز بن شاذران المذکر رازیؒ بڑے شیریں زبان اور ہنس مکھ بزرگ ے علم حدیث کے ساتھ تصوف کے اسرار و حقائق کے بھی عارف تھے، ۳۷۶ھ میں وفات پائی۔ (۳) ابوبکر محمد بن علی بن حسین المذکر نیساپوری، آپ کوچہ عیسیٰ بن ماسر جس کی مسجد میں وعظ و تذکیر رماتے تھے، ۳۴۰ھ میں وفات پائی (۴) ابو العباس احمد بن محمد بن علی بن عمر المذکر نیساپوری وفی ۳۶۴ھ (۵) ابو محمد عبد اللہ بن ابی القاسم عمر بن عبد اللہ ابن ہیثم المذکر اصفہانی ے دیندار اور فاضل بزرگ تھے، حدیث کے بھی بڑے عالم تھے[1]

بعد میں یہ لقب واعظ کے ہم معنی ہو گیا، اور چوتھی صدی تک وہ واعظ "مذکر" کے خطاب ے یاد کئے جانے لگے جو فن وعظ و تذکیر میں مہارت رکھتے تھے، علامہ مقدسی بشاری نے احسن التقاسیم ں (جو ۳۷۵ھ کی تصنیف ہے) ہر اقلیم اور ہر مقام کے مذکّروں کا حال بیان کیا ہے، مثلاً لیم شام کے شہر ایلیا کے بیان میں لکھتے ہیں :۔

والمذکرون بہ قصاص[2] — ایلیا کے مذکر قصہ گو ہوتے ہیں۔

اقلیم خراسان کے بیان میں لکھتے ہیں :۔

وللمذکرین بہ صیت عجیب[3] — یہاں مذکروں کی بڑی شہرت ہے۔

اقلیم دیلم کے بیان میں لکھتے ہیں :۔

ورسمہم بجرجان ان التذکیر للفقہاء واہل الروایات[4] — جرجان میں رسم ہے کہ وعظ و تذکیر فقہاء اور اہل روایات کے لیے مخصوص ہے۔

رے کے بیان میں ہے :۔

---

[1] کتاب الانساب ورق ۵۱۸ [2] احسن التقاسیم ص ۱۸۲ [3] ص ۳۲۳ [4] ص ۳۸۶

Marfat.com

ولمذکویہم فنّ [1]	یہاں کے مذکروں کو تذکیر کا فن آتا ہے۔

اقلیم سندھ کے بیان میں ہے:۔

ولیس للمذکورین بہ صیت	یہاں پر مذکروں کا چرچا نہیں ہے اور نہ
ولا لھم رسوم تذکیر [2]	یہاں کے باشندوں میں اس کا رواج ہے

چوتھی صدی کے بعد مذکر کا رواج کم ہو گیا اور اس کی جگہ واعظ کے لقب نے لے لی۔

واعظ مذکر اور واعظ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں، مگر واعظ کی اصطلاح مذکر کے مقابلہ نئی ہے، علامہ سمعانی نے چند مشہور واعظوں کے نام لکھے ہیں، جیسے (۱) ابو القا بکر بن شاذان الواعظ، متوفی ۴۰۵ھ (۲) ابو نصر عبد الرحمن بن محمد بن جعفر عقیلی الواع متوفی ۴۳۲ھ [3]

واعظوں کی فہرست بہت طویل ہے، اور بڑے بڑے علماء اس لقب سے مشہور رہے

محتسب محتسب کا لفظ ان حضرات کے لیے بولا جاتا ہے جو عام مسلمانوں کے احتساب حسبہ کی خدمت انجام دیتے تھے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری تھے، علامہ سمعانی لکھتے ہیں:۔

ھو ان یامر الناس وینھی	احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
عن المنکر۔	کا نام ہے۔

اس خدمت پر مامور حضرات محتسب کے لقب سے پکارے جاتے تھے، چنانچہ (۱) ابو ع بن حسن بن یحییٰ بن اشعث بخاری المحتسب (۲) فقیہ ابو حفص احمد بن احمد بن حمران المحت (۳) ابو نصر منصور بن محمد بن احمد بن حرب المحتسب (۴) ابو الحسن احمد بن علی بن حسین المحتسب اس خدمت کو انجام دیا کرتے تھے۔ [4]

مسلمانوں کے دورِ اقبال میں محکمۂ احتساب ہر سلطنت میں رہتا تھا، آج کل

---

[1] احسن التقاسیم ص ۳۹۱ [2] ص ۴۸۱ [3] کتاب الانساب ورق ۵۷۷، [4] کتاب الانس

ب میں محتسب کو مطوّع کہتے ہیں، ہمارے ملک ہندوستان میں بھی مسلمان بادشاہوں کے دور
ں یہ محکمہ قائم تھا۔

اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی گئیں، جن میں احتساب کے حدود و شرائط اور اس کے آداب
ان کیے گئے، ہمارے علم میں اس موضوع پر سب سے پہلی اور جامع کتاب امام یحییٰ بن عمر الکنانی
دلسی قیروانی متوفی ۲۸۹ھ کی احکام السوق ہے جس میں اسلام کے شہری حقوق اور بازار کے
ظام کے احتساب کا مفصل بیان ہے، نیز حضرت شیخ سنانی دہلویؒ کی کتاب نصاب الاحتساب
س فن میں مشہور ہے، اور حال میں محتسب اسلام کے نام سے اس موضوع پر اردو میں ایک
اب لکھی گئی ہے؛

مزکّی مزکّی کا لفظ تزکیہ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی صفائی کرنے اور اسلامی عدالت کے گواہوں کے
بارے میں صحیح معلومات بہم پہونچاکر ان کی توثیق کرنے کے ہیں علامہ سمعانی کا بیان ہے:

هذا الاسم لمن يزكي الشهود ويبحث عن حالهم ويبلغ القاضي حالهم۔	مزکّی اس شخص کو کہتے ہیں جو گواہوں کی تحقیق کرکے ان کے صحیح حالات معلوم کرتا ہے اور قاضی کو ان کی خبر دیتا ہے۔

مزکیوں میں یہ حضرات زیادہ مشہور ہیں (۱) ابو حامد احمد بن ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی،
ان کے والد بھی مزکی تھے، نہایت صالح اور اپنے زمانہ کے عبّاد و زہّاد میں سے تھے (۲) ابو الفضل
مزکی مشہور مزکی اور محدث عصر تھے (۳) ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المزکی، نیشاپور کے
سب سے بڑے عالم تھے (۴) اور ان کے بیٹے یحییٰ بن ابراہیم المزکی بھی اسی عہدہ پر فائز تھے،
یہ عہدہ ذاتی قابلیت کی بنا پر دیا جاتا تھا، مگر بعض خاندان کے افراد نسلاً بعد نسلٍ اس
دمت پر مامور ہوا کرتے تھے، علامہ سمعانی کا بیان ہے:۔

واشتهر بهذا انيسابور بيت كبير فيهم جماعة من المحدثين	مزکی کے عہدہ میں نیساپور کا ایک بڑا خاندان مشہور ہے جس میں بڑے بڑے

الکبار ؒ[1] محدث ہوئے ہیں۔

ابواسحٰق ابراہیم مزکی اور ان کے صاحبزادے یحییٰ بن ابراہیم مزکی اسی خاندان کے افراد تھے

تزکیہ کی صورت یہ ہوتی تھی کہ جو لوگ اس عہدہ پر رکھے جاتے تھے وہ اسلامی عد

کے گواہوں کے حالات اور معاملات کی تحقیق کرتے اور ان کے ظاہری اور باطنی امور

بھی تفتیش کرتے، ان کے دفتروں میں علاقہ وار لوگوں کے نام، پتے اور حالات کی تفصیل

ہوتی اور بوقت ضرورت عدالتیں گواہوں کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کیا کرتی

علامہ مقدسی بشاری خراسان کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

ویشھد کل واحدٍ فی کل شیٔ	اس ملک میں ہر شخص ہر معاملہ میں گواہی دیتا ہے
غیران فی کل بلد عدۃ من	البتہ ہر شہر میں متعدد مزکی ہوا کرتے ہیں جن کا
المزکین، فان طعن الخصم	کام یہ ہے کہ اگر ایک فریق دوسرے فریق
علی الشاھد سئل عنہ	کے گواہ کو جھوٹا کہتا ہے یا اس میں عیب
المزکی ولا یتحنك فیہ الا	نکالتا ہے تو اس کے بارے میں مزکی سے
فقیہ او رئیس[2]	سوال کیا جاتا ہے اور اس مرتبہ پر فقیہ یا
	رئیس فائز ہوتا ہے۔

چونکہ یہ عہدہ اس اعتبار سے بہت اہم اور ذمہ دارانہ ہوا کرتا تھا کہ عامۃ المسلمین کے

میں اچھے برے ہونے کی رائے قائم کی جاتی تھی اور اسی کے مطابق فیصلہ ہوا کرتا تھا، اس

اس منصب کے لیے بہت ہی ثقہ اور معتبر حضرات منتخب کئے جاتے تھے۔

معدّل معدّل بھی تقریباً مزکّی کے ہم معنی ہے۔ علامہ سمعانی لکھتے ہیں:۔

ھذا الاسم لِمَن عدّل وزکی	معدل اس شخص کا نام ہے جو تعدیل و تزکیہ کر
وقبلت شھادتہ عندالقضاۃ	اور اس کی شہادت قاضیوں کے نزدیک معتبر و مقبول

[1] کتاب الانساب ورق ۵۲۶ [2] احسن التقاسیم ص ۳۲۷۔

Marfat.com

معدلین ہیں (۱) ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ المعدل اور (۲) ابونصر احمد بن عبد الباقی المعدل زیادہ مشہور ہیں[1]۔

مولانا یہ لقب دو لفظوں سے مرکب ہے، "مولا اور متکلم کی ضمیر "نا" مولا کے معنی یہاں پر آقا، سردار اور محترم کے ہیں۔ یہ لقب اس ترکیبی شکل میں عہدِ رسالت میں نظر نہیں آتا عہدِ صحابہ و تابعین میں علمائے دین اور امرا کے لیے یہ رائج ہوا، چنانچہ علامہ ابن سعد نے حضرت امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے حال میں لکھا ہے:۔

ان انس بن مالک سئل عن مسئلۃ فقال علیکم مولانا الحسن، فقالوا یا ابا حمزۃ نسئلك وتقول سلوا مولانا الحسن فقال انا سمعنا وسمع فحفظ و نسینا[2]

حضرت انس بن مالکؓ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے سائلوں سے فرمایا کہ تم لوگ مولانا حسنؓ کے پاس جاؤ، اس پر انہوں نے کہا کہ اے ابوحمزہ! ہم آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ مولانا حسن سے پوچھو، اس پر آپ نے فرمایا کہ ہم نے اور حسن نے علم پڑھا اور سنا، مگر انہوں نے یاد رکھا اور ہم بھول گئے!

اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حسن بصری کے لیے مولانا کا لقب استعمال فرمایا ہے اور سائلوں نے بھی اسے دہرایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کے دور میں اس کا استعمال شروع ہو چکا تھا البتہ عام رواج نہیں ہوا تھا۔

اسی طرح ابن ندیم نے ایک شیعی فقیہ حسن بن محبوب سراد (زراد) کے تذکرے میں لکھا ہے

من اصحاب مولانا الرضا و محمد ابنہ[3]

یہ فقیہ مولانا رضا اور ان کے صاحبزادے محمد کے شاگردوں میں سے ہے۔

امام رضا کو مولانا کے لقب سے یاد کرنا ان کے دور میں اس کے رواج کی شہادت ہے

[1] کتاب الانساب ورق ۵۶۶ [2] طبقات ابن سعد جلد ۷ قسم اول ص ۱۲۸۔ [3] کتاب الفہرست ص ۳۰۹

البتہ اس زمانہ میں یہ لقب صرف علمائے دین کے لیے خاص نہ تھا، بلکہ خلفاء، سلاطین، امرار، وزرار اور دوسرے اکابر کے لیے بطور تعظیم کے استعمال ہوتا تھا، چنانچہ امیر مصر کافور اخشیدی متوفی ۳۵۶ھ کے تذکرے میں علامہ ابن خلکانؒ نے ابوالفضل بن سجاس کا یہ دعائیہ جملہ نقل کیا ہے:۔

ادام اللہ ایام مولانا[1] — مولانا کے اقبال کو اللہ تعالے ہمیشہ قائم رکھے۔

اسی طرح ابواحمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ نے ایک موقع پر صاحب بن عباد کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

تفاولت عن السقوط بحضرۃ مولانا۔ — یعنی میں نے یہ لفظ دوسری طرح مولانا کے سامنے بدفالی کے خیال سے استعمال کیا ہے۔

مگر بعد میں اس کا عام استعمال علمائے دین کے لیے رہ گیا اور امراء و سلاطین کے لیے بہت کم استعمال ہوا:

مولوی علمائے دین اور ارباب عزت و شرف کے لیے مولوی کا لقب غالباً چھٹی صدی کی پیداوار ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خالص عجمی اور ترکی ذہن کی پیداوار ہے۔ صاحب غیاث اللغات نے لفظ مولوی کی تحقیق میں لکھا ہے:۔

"مولوی بفتح میم و فتح لام منسوب بمولا بمعنی خداوندا ست، بعد الحاق یائی نسبت الفے کہ رابع بود بواو بدل شد، زیرا کہ الف مقصورہ در آخر کلمہ سہ حرفی بوقت نسبت بواؤ بدل می شود[2]"

"یعنی مولوی مولا کی طرف منسوب ہے اور نسبت کے وقت آخر کا الف واؤ سے بدل گیا۔"

گویا جس طرح مولانا میں مضاف مضاف الیہ کی ترکیب ہے، اسی طرح مولوی میں بھی ہے، اور مولانا کے آخر میں جمع متکلم کی ضمیر ہے اور مولوی میں واحد متکلم کی، جو صحیح نہیں ہے، اس کی دلیل یہ کہ اگر مولوی مضاف اور مضاف الیہ سے مل کر بنا ہوتا تو پھر اس کے شروع میں الف اور لام

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۲ [2] غیاث اللغات لفظ مولوی۔

Marfat.com

نہیں ہوسکتے تھے، حالانکہ عام طور سے "المولوی" لکھا جاتا ہے، چلپی نے کشف الظنون میں جگہ جگہ مصنفین کے نام کے ساتھ المولوی لکھا ہے۔ چنانچہ جلال الدین رومی المولوی اور شیخ اسمٰعیل انقروی المولوی الف اور لام کے ساتھ درج ہے[1] اس قسم کی اور بہت سی مثالیں کشف الظنون اور دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔

ابتدا میں مولانا کی طرح مولوی کا لقب امراء و سلاطین کے لیے بھی بولا جاتا تھا، چنانچہ جب سلطان مصر محمد بن قلاؤوں نے ابوالفداء کو حماۃ (شام) کی سلطنت دی تو ان کو جن القاب سے نوازا ان میں مولوی کا بھی لقب شامل تھا، ملاحظہ ہو۔

المقام الشریف العالی المولوی السلطانی العمادی الملکی المؤیدی[2]

میں ابوالفداء صاحب حماۃ کے سلطانی القاب میں المولوی ہے اور الف لام کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

لفظ مولوی کی عظمت و اہمیت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ سلطان مصر محمد بن قلاؤون نے اپنے تمام امراء کو حکم دیا تھا کہ وہ الملک المؤید ابوالفداء کے القاب میں لفظ مولوی بھی استعمال کیا کریں، مگر خود محمد بن قلاؤوں جب کبھی ابوالفداء کو خط لکھتا تو "مولوی" کا لفظ نہیں لکھتا تھا، اس لیے کہ اس نے ابوالفداء کو حماۃ کی حکومت دی تھی، اس لقب کی عظمت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مولانا جلال الدین رومی جیسے زبردست عالم کو مولوی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مولانا روم خود فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم — تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شد

ہماری زبان کے ایک شاعر نے کہا ہے:

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۹ [2] تاریخ صلاح صفدی۔

Marfat.com

علم مولیٰ ہو جسے، ہے مولوی — جیسے حضرت مولوی معنوی

آٹھویں صدی کے بعد سے مولوی کا لقب خاص طور سے علمار اور مدرسین کے لیے استعمال ہونے لگا اور اس کا رواج زیادہ تر علمائے روم میں ہوا حتیٰ کہ بعض علمار "مولوی زادہ" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

ملاّ، منلا اور مُولی ملا، منلا اور مولی کے القاب بھی مولوی کے ساتھ کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں ان کا استعمال بھی اہل علم کے لیے علمائے روم سے شروع ہوا، یہ القاب بھی بڑے باعظمت شمار کیے جاتے تھے، اور ان کا استعمال اساطین علم وفضل کے لیے ہوا کرتا تھا، کشف الظنون میں متاخرین میں سے بڑے بڑے ماہرین علم وفن اور مصنفین کے لیے یہ القاب ملتے ہیں چنانچہ حضرت شیخ عبدالرحمٰن جامی کو ملا اور منلا کہا جاتا ہے، ملا جلال اور بیضاوی کے محشی ملا عوض کے ساتھ یہ لقب لازمی طور سے بولا جاتا ہے، نیز متاخرین میں ملا محمود جونپوری، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا مبین، ملا محب اللہ بہاری، ملا مسکین اور ملا علی قاری وغیرہ مشاہیر علم وفن گزرے ہیں۔

استاذ استاد عجمی لفظ ہے، اس کو عربی میں عام طور سے استاذ بالذال لکھتے ہیں، غا[لباً] اس کا استعمال تیسری صدی سے شروع ہوا ہے، ابتدا میں ہر فن وعلم کے سکھا[نے] والے کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا، بلکہ بعض امرا کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ علامہ سمعا[نی] کتاب الانساب میں لکھتے ہیں کہ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن جرف بخاری سبذمو[نی] ..... کا لقب استاذ ہے، وہ امیر اسماعیل بن احمد سامانی کے دربار میں علمی سوالات [کے] جوابات دیا کرتے تھے:۔

عرف بالاستاذ لانه کان	آپ استاذ کے لقب سے اس لیے مشہور ہوئے
یختص بدار الامیر الجلیل	کہ امیر اسمٰعیل بن احمد سامانی کے دربار میں
اسماعیل بن احمد السامانی	لوگ ان سے ہر قسم کی باتیں دریافت کرتے

Marfat.com

ویسئلونه فیها عن اشیاء فیجیب فعرف بالاستاذ[1] — تھے اور وہ ان کے جوابات دیا کرتے تھے، اسی لیے وہ استاذ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

علامہ ابن جبیر نے بغداد کے خلیفہ ابوالعباس احمد الناصر لدین اللہ کے حال میں لکھا ہے کہ اس خلیفہ کا ایک قیم اور امین ہے جو دار الخلافہ اور حرم کے جملہ امور کو انجام دیتا ہے۔ اور تمام سامان اور ضروریات کا ذمہ دار ہے۔

یعرف بالصاحب مجد الدین استاذ الدار وھذا لقبہ[2]۔ — یہ شخص صاحب مجد الدین استاذ الدار کے لقب سے مشہور ہے۔

استاذ سبد موئی اور صاحب مجد الدین استاذ الدار کے علاوہ اور کئی اہلِ فن اور امراء اس لقب سے مشہور ہیں مثلاً (۱) استاذ ابو اسمٰعیل حسین بن علی بن عبد الصمد اصفہانی (۲) استاذ ابراہیم موصلی (۳) استاذ ابواسحٰق ابراہیم بن احمد بن مہران اسفرائینی (۴) استاذ رکن شافعی فقیہ متوفی ۴۱۸ھ، (۵) استاذ ابو منصور عبد القاہر بن محمد بغدادی شافعی فقیہ متوفی ۴۲۹ھ (۶) شیخ محی الدین ابوسعد محمد ابن یحیٰی نیشاپوری شافعی متوفی ۵۴۸ھ کے متعلق علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ:۔

استاذ المتاخرین واوحدھم علماً وزھداً۔ — وہ متاخرین کے استاذ اور علم و تقویٰ میں یکتا ہیں۔

(۷) استاذ ابوالمنصور بغدادی (۸) امام عبد القادر بن ظاہر بن محمد شافعی متوفی ۴۲۹ھ[3] وغیرہ اس لقب سے مشہور ہیں، امراء میں استاذ کافور ابوالمسک بن عبد اللہ اخشیدی زیادہ مشہور ہے، جو مصر کا امیر تھا، اور امیر کافور اخشیدی کے نام سے مشہور تھا، یہ لقب اس قدر عام تھا کہ اہل علم وفضل اور امراء و سلاطین سے لے کر گانے بجانے کے استادوں تک کو اس سے یاد کیا

---

[1] کتاب الانساب لفظ سبد موئی۔ [2] رحلۃ ابن جبیر ص ۱۷۵، [3] ان حضرات کے تذکرہ کے لیے تاریخ ابن خلکان ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

جاتا تھا، اور اب تک اس کی یہ عمومیت باقی ہے۔

شیخ الاسلام وغیرہ ابتدا میں شیخ کا لقب عام طور سے اہل علم وفضل کے لیے کسی خاص فن یا خاص علم یا خاص مقام وقوم کی طرف نسبت کے ساتھ یہ لفظ بولا جاتا تھا، مثلاً شیخ الحرم امام ابن ابی ملیکہؒ، شیخ الحرم حضرت فضیل بن عیاضؒ، شیخ الکوفہ امام ابوعمر حکم بن عقیلہ کندیؒ، شیخ الدیار المصریہ امام لیث بن سعدؒ، شیخ السنۃ امام ابوبشیر ورقاء بن یشکریؒ وغیرہ۔

پہلی صدی ہی میں شیخ کا لقب قرآن وحدیث اور فقہ کے معلمین واساتذہ کے لیے بھی استعمال ہونے لگا اور اس کی جمع عام طور سے شیوخ استعمال کی گئی۔ اس کے بعد جب اس کا استعمال امت کے عبّاد وزہّاد اور صلحاء و اولیاء کے لیے ہونے لگا تو اس کی جمع عموماً مشائخ استعمال ہونے لگی۔

عہد تابعین وتبع تابعین میں شیخ کی نسبت مقام وفن سے ترقی کرکے اسلام کی طرف بھی ہونے لگی، اور اعیان علم وفضل اور ائمہ وقت کے لیے شیخ الاسلام کی ترکیب رائج ہوئی، علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں اس کو استعمال کیا ہے،[1] اور (۱) شیخ الاسلام حضرت عبداللہ بن مبارک (۲) شیخ الاسلام امام حماد بن سلمہؒ (۳) شیخ الاسلام ابوبسطام شعبہ بن حجاجؒ (۴) شیخ الاسلام امام مالکؒ (۵) شیخ الاسلام امام سفیان ثوری رحمہم اللہ کے لیے یہ لقب ملتا ہے۔

ابتدائی دور میں یہ لقب حقائق پر مبنی ہوا کرتا تھا اور جن بزرگانِ دین اور ائمہ اسلام کے لیے استعمال ہوتا تھا وہ اس کے اہل ہوا کرتے تھے، مگر بعد میں اس میں افراط وتفریط ہونے لگی اور ایسے لوگوں کو یہ لقب دیا جانے لگا جو اس کے اہل نہیں تھے، پانچویں صدی کا واقعہ ہے جس کو علامہ ابن خلکان نے شیخ الاسلام ابوالحسن علی بن احمد بن یوسف ہکّاری متوفی ۴۸۶ھ کے تذکرے میں لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

وسمعت ان بعض الأکابر   میں نے سنا ہے کہ بعض اکابر نے امام ہکّاری سے کہا کہ

---

[1] ان حضرات کے تذکرے کے لیے تذکرۃ الحفاظ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

قال له انت شیخ الاسلام آپ شیخ الاسلام ہیں توانہوں نے فرمایا کہ میں شیخ الاسلام

فقال انا شیخ فی الاسلام[1] (اسلام کا شیخ) نہیں ہوں، البتہ شیخ فی الاسلام

(اسلام میں ایک شیخ) ہوں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ہکاری کے نزدیک اس لقب کی کیا عظمت و اہمیت تھی اور وہ اپنی ذات کو اس لقب کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

چھٹی صدی میں شیخ الاسلام کی طرح شیخ الشیوخ کا ایک لقب جاری ہوا اور اس کی ترویج زاویوں اور خانقاہوں سے یوں ہوئی کہ مصر میں خانقاہوں کی تولیت و شیخیت کے لئے علماء و فقہاء اور محدثین کا انتخاب ہوتا تھا، اور علماء و صوفیا کی تعلیم و تربیت سے لے کر خانقاہوں کے جملہ انتظامات تک ان کے سپرد ہوتے تھے، چنانچہ قاہرہ کی خانقاہ صالحیہ کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ایک شیخ کو مقرر کیا اور ان کا لقب شیخ الشیوخ رکھا، اس کے بعد سے خانقاہوں کے ہر شیخ کو شیخ الشیوخ کہنے لگے[2]، خانقاہ صالحیہ کے شیخ الشیوخ قاضی القضاۃ تقی الدین عبد الرحمٰنؒ جیسے یگانہ، روزگار بھی رہ چکے ہیں، خانقاہ بیشتاک کے شیخ الشیوخ ۷۳۶ھ میں حضرت شہاب الدین مقرر کئے گئے، خانقاہ شیخو کے شیخ الشیوخ حضرت شیخ اکمل الدین محمد بن محمود تھے، سریاقوس کی خانقاہ سلطان الملک الناصر محمد بن قلاوون نے ۷۲۵ھ میں بنوائی، اور اس میں شیخ مجد الدین موسیٰ ابن احمد بن محمود اقصرائی کو شیخ الشیوخ مقرر کیا، اس سے پہلے خانقاہ سعید السعداء کے شیخ کو شیخ الشیوخ کہا جاتا تھا، خانقاہ ارسلان کے شیخ الشیوخ حضرت تقی الدین ابو البقاء محمد بن جعفر ابن محمد بن عبد الرحیم حسینی قنائی شافعی متوفی ۷۲۸ھ مقرر کئے گئے اسکے شیخ الشیوخ قاضی القضاۃ صدر الدین عبد الوہاب بن احمد اخنائی متوفی ۷۸۹ھ اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ شمس الدین محمد بھی رہ چکے تھے، اسی طرح خانقاہ بکتمر (جس کی تعمیر ۷۲۶ھ میں ہوئی) کے پہلے شیخ الشیوخ شمس الدین رومی تھے، خانقاہ قوصون (جس کی تعمیر ۷۳۶ھ میں ہوئی) کے شیخ الشیوخ

---

[1] تاریخ ابن خلکان ج ۱ ص ۳۷۷ [2] کتاب الخطط والآثار مقریزی ج ۴ ص ۲۷۳۔

شمس الدین ابوالثنار محمود بن ابو القاسم احمد اصفہانی منتخب ہوئے۔ ان کو اس خانقاہ کی طرف سے سالانہ تنخواہ کے علاوہ کھانا، صابون، تیل، حتیٰ کہ ان کے سائز کا کپڑا بھی ملتا تھا، اور یہ تمام چیزیں ان کے بعد ہر شیخ الشیوخ کے لیے جاری رہیں، خانقاہ طغائی نجمی کے شیخ الشیوخ حضرت برہان الدین رشیدیؒ تھے، اور خانقاہ خردبیہ میں امام شمس الدین محمد بن حمتی دمشقی حنبلی کو شیخ الشیوخ مقرر کیا گیا تھا۔[1]

اخیر دور میں ترکی میں مشیخۃ الاسلام کا ایک خاص عہدہ مقرر ہوا، اور وقت کے جلیل القدر عالم کو اس عہدہ پر فائز کر کے "شیخ الاسلام" کے لقب سے پکارا جانے لگا، یہ منصب سرکاری ہوتا تھا اور سلطان کے بعد سب سے بڑا مرتبہ شیخ الاسلام سمجھا جاتا تھا، ہندوستان میں آج کل شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، شیخ الفقہ اور شیخ الادب کا اطلاق ان علوم وفنون کے پڑھانے والے مدرسین پر ہوتا ہے، یہ اصطلاح خالص ہندوستانی معلوم ہوتی ہے، شیخین (تثنیہ) کی اصطلاح امت مسلمہ کی برگزیدہ ہستیوں کے لیے استعمال ہوتی ہے، مثلاً حضرات خلفائے راشدین میں شیخین حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما، محدثین میں امام بخاری وامام مسلم رحمہما اللہ، ائمہ احناف میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ ہیں۔

قطب الدین اور شمس الدین وغیرہ

قطب الدین، شمس الدین وغیرہ دین کی نسبت کے القاب بہت بعد کی پیداوار اور اس ذہن کا نتیجہ ہیں جو اسلامی علوم ومعارف پر عجمی خیالات وتصورات کے رنگ میں چوتھی صدی ہجری اور اس کے بعد سے چھانے لگا تھا، صدر اسلام سے لے کر صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے دور تک علماء و امراء کے لیے اس قسم کے القاب کا کوئی نشان نہیں ملتا، مگر پانچویں صدی کے بعد سے اس کی بھرمار ہوگئی، طوائف الملوکی کے امیروں، مذاہب کے عالموں اور طریقت کے مشائخ میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو "الدین" کی نسبت کے لقب سے ملقب نہ ہو۔

---

[1] کتاب الخطط والآثار مقریزی ج ۴ ص ۲۷۵، ۲۸۳، ۲۸۵، ۲۸۹، ۲۹۲۔

Marfat.com

تیسری صدی تک جس طرح اربابِ علم وفضل اب، ابن، ام کی نسبت، یا مقام دفن کی نسبت یا کسی مخصوص عرفیت کے ساتھ مشہور ہوا کرتے تھے، اسی طرح پانچویں صدی کے بعد سے ان کے لیے دین کی طرف نسبت سے ان کی شہرت ہونے لگی، اس کے مقابلہ میں خال خال لوگ کنیت، نسبت اور عرفیت سے مشہور ہوئے، اس سلسلہ میں علامہ محمد بن جبیر اندلسیؒ متوفی ۶۱۴ھ کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے۔ جنہوں نے چھٹی صدی کے وسط میں اندلس سے بلاد مشرق کا سفر کر کے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ ملک شام کے شہر دنیصر کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

وصاحب هذه البلدة قطب الدين، وهو ايضاً صاحب مدينة دارى، ومدينة ماردين، وراس العين، وهو قريب لابنى بابك، وهذه البلدة السلاطين شتّٰى كملوك طوائف الاندلس كلهم قد تحلّٰى بحلية تنسب الى الدين، فلا تسمع الا القاباً هائلة وصفات لذى التحصيل غير طائلة، قد تساوى فيها السوقة والملوك واشترك فيها الغنى والصعلوك، ليس فيهم من اتسم بسمة به تليق، او اتصف بصفة هو بها خليق الّا صلاحُ الدِّين	دنیصر کا مالک قطب الدین ہے نیز یہ داری، اور ماردین اور راس العین کا بھی مالک ہے، یہ بادشاہ ابنائے بابک کا قریبی رشتہ دار ہے، یہ علاقہ مختلف بادشاہوں کا ہے، جیسے اندلس میں طوائف الملوکی کے بادشاہ ہیں یہ سب کے سب القاب کے ایسے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں جس کی نسبت دین کی طرف ہوتی ہے، تم کو ہر طرف پرشکوہ القاب اور بے جوڑ صفات سننے میں آئیں گی، ان القاب و صفات میں عوام اور بادشاہ برابر ہوتے ہیں، اور مالدار و غریب میں فرق نہیں ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی بھی ان میں سے کسی صفت کا قائل نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کے لائق ہوتا ہے، البتہ شام و مصر اور حجاز و یمن کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی جو کہ

Marfat.com

صاحب الشام وديار مصر والحجاز
واليمن، المشتهر بالفضل والعدل
فهذا اسم وافق مسماه ولفظ طابق
معناه، وماسوى ذالك فى سواه
فزعازع ريح وشهادات يردها
التجريح ودعوى نسبة للدين بريئة حت تلويح

بزرگی اور انصاف میں مشہور ہے، یہ نام
اس کی ذات کے موافق اور یہ لفظ صحیح
معنی کے مطابق ہے، اس کے علاوہ ہوا کے
جھونکے، مجروح شہادتیں اور دین کی
نسبت کے بے کیف وکم دعوے ہیں اور
ان پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

القاب مملكة فى غير موضعها
كالهر يحكى انتفاخا صولة الاسد[1]۔

حکومت و مملکت کے القاب کا بیجا استعمال جس پر ہوتا ہے وہ
اس بلی کے مانند ہو جو بھاری بھرکم بن کر شیر کے حملہ کی نقل کرے

علامہ ابن جبیر اہل دمشق کے یہاں مردوں کی تجہیز وتکفین کے مراسم میں لکھتے ہیں کہ جب تعزیت کے لیے اعیان واشراف آتے ہیں اور اپنے اپنے القاب کے ساتھ پکارے جاتے ہیں تو ان القاب کا استعمال اس طرح ہوتا ہے:۔

ونقباء الجنائز يرفعون اصواتهم بالنداء
لكل واصل للعزاء من محتشمى البلدة و
اعيانهم ويحلونهم بخططهم الهائلة التى
قد وضعوها لكل واحد منهم بالاضافة
الى الدين فتسمع ماشئت من صدر الدين
اوشمسه، او بدره، او نجمه او زينه، او
بهائه، او جماله او مجده، او فخره او شرفه او
معينه، او محييه، او زكيه او نجيبه، الا
مالاغاية له من هذه الالفاظ الموضوعة

جنازے کے نقیب تعزیت میں آنے والے شہر
کے اعیان واشراف کے نام بلند آواز سے پکارتے
ہیں اور دین کی نسبت کے جو پرشکوہ القاب
ہر ایک کے ہوتے ہیں ان کا مظاہرہ کرتے ہیں
چنانچہ تم اس طرح کے بے انتہا بنائے
القاب سن سکتے ہو جیسے صدر الدین، شمس الدین
بدر الدین، نجم الدین، زین الدین، بہاء الدین
جمال الدین، مجد الدین، فخر الدین، شرف الدین
معین الدین، محیی الدین، زکی الدین،

[1] رحلۃ ابن جبیر اندلسی طبع مصر ص ۱۸۶۔

Marfat.com

وتتبعها، ولا سیما فی الفقهاء بما شئت ایضًا من سید العلماء وجمال الائمۃ، وحجۃ الاسلام و فخر الشریعۃ و شرف الملۃ و مفتی الفریقین الی مالا نہایۃ لہ من ھذہ الالقاب المحالۃ[۱]

نجیب الدین وغیرہ، اور ہر طبقہ خصوصًا فقہاء میں دوسرے شاندار قسم کے بے موقع اور بے محل القاب پاؤ گے۔ مثلاً سید العلماء، جمال الائمہ، حجۃ الاسلام، فخر الشریعۃ، شرف الملۃ، مفتی الفریقین، وغیرہ۔

دالدین کی نسبت کے القاب کا رواج اس قدر زیادہ اور عام ہو گیا کہ بہت سے علماء کے اصل نام پر پردہ پڑ گیا، چنانچہ شیخ جلال الدین رومیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، امام فخرالدین رازیؒ اور اسی طرح کے بہت سے مشہور علماء کے اصل نام کتابوں کی مراجعت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔

آخر میں ان القاب سے عوام و خواص کی اس قدر دلچسپی بڑھ گئی کہ لوگوں نے ان کو مستقل نام بنا لیا اور یہ صورت آج تک قائم ہے، جس کی وجہ سے ان القاب کی عظمت و اہمیت ختم ہو گئی اور ہر چھوٹے بڑے، جاہل اور عالم کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

صاحب صاحب کا لفظ ابتدا میں عام طور سے تلمیذ اور شاگرد کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور اس کی جمع اصحاب، تلامذہ کے معنی میں آتی تھی، جیسے عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج متوفی ۱۱۷ھ صاحب ابی ہریرہؓ، اشعث بن عبدالملک متوفی ۱۴۶ھ صاحب الحسن بصریؒ معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ صاحب عبدالرزاق، غندر متوفی ۱۹۴ھ صاحب شعبہؒ، اور اصحاب ابی حنیفہؒ، اصحاب شافعیؒ، اور اصحاب مالکؒ وغیرہ، اس کے مقابلہ میں استاذ کے لیے شیخ اور شیوخ بولا جاتا تھا۔

صاحب کے لفظ کے ذریعہ علماء کے خاص خاص علوم و فنون کو بھی ظاہر کیا جاتا تھا، مثلاً محمد بن اسحاق صاحب المغازی، ابو صالح صاحب التفسیر، امام زفر صاحب الرائے وغیرہ اسی طرح

---

[۱] رحلہ ابن جبیر اندلسی طبع مصر ص ۲۲۷

محدثین کو اصحاب الحدیث اور فقہار کو اصحاب لرائے کہتے تھے۔

اور اس کے ذریعہ علمار کی نسبت ان کی اہم تصنیفات کی طرف بھی کی جاتی تھی، مثلاً بخاری صاحب الصحیح، حمیدی صاحب الجمع بین الصحیحین، خطیب صاحبِ تاریخ بغداد، میدانی صاحبِ مجمع الامثال وغیرہ،

بعض مرتبہ اس کے ذریعہ مقامات و بلاد کی نسبت بھی ظاہر کی جاتی تھی، مثلاً محمد بن عبادہ صاحبِ قرطبہ اور عزالدین مسعود صاحب موصل وغیرہ۔

صاحب کے لقب کو نسبت اور شاگردی کے مفہوم سے الگ کرکے سب سے پہلے ابوالقاسم اسمٰعیل بن عباد کے لیے استعمال کیا گیا، وہ مؤیدالدولہ بن بویہ کا معتمد و منصرم تھا، مؤیدالدولہ ابن بویہ کی صحبت و ہم نشینی کی وجہ سے اس کو یہ لقب ملا اور صاحب بن عباد مشہور ہوا، غالباً اس وقت سے امرار و خلفار کے دربار و حرم سرا کے امور و معاملات کے امین و قیم کو صاحب کہنے لگے، کیونکہ وہ ہروقت اس کی صحبت و معیت میں رہتے تھے، اور ان کو باہر نکلنے تک کی فرصت نہیں ملتی تھی، جیساکہ ابن جبیر نے خلیفہ بغداد کے امین و قیم کے متعلق لکھا ہے کہ:-

یعرف بالصاحب مجد الدین استاذ الدار وھذا القیم ویدعی له اثر الدعاء للخلیفة وھو قل ما یظھر للعامة اشتغالاً بما ھو بسبیله من امور تلك الدیار وحراستھا والتکفل بمغالقھا وتفقدھا لیلاً ونھاراً[۱]	یعنی یہ شخص صاحب مجد الدین استاذ الدار کے لقب سے مشہور ہے، اور خلیفہ کے حق میں دعا کرنے کے بعد ہی اس کے لیے دعا کی جاتی ہے، یہ شخص عوام میں بہت کم آتا ہے، کیونکہ وہ شاہی مکانات کے معاملات اور ان کی نگرانی اور تحقیق و تلاش میں رات دن مشغول رہتا ہے۔

پھر صاحب کا لفظ علمار اور دوسرے اعیان و اکابر کے ناموں کے شروع میں اضافت

---

[۱] رحلۃ ابن جبیر ص ۱۷۵

Marfat.com

کے ساتھ استعمال ہونے لگا جیسے صاحب الفضیلة، صاحب العزة، اور صاحب الجلالة وغیرہ، پھر ناموں کے آخر میں بغیر اضافت کے اس کا استعمال اخیر دور کی پیداوار ہے اور اس کا رواج غالباً ہندوستان میں زیادہ ہوا، کیونکہ تاریخ و رجال کی کتابوں میں دوسرے ملکوں کے متاخرین کے نام کے آخر میں یہ لفظ نہیں ملتا، البتہ نسبت کے ساتھ غیر ممالک میں آج بھی جاری ہے اور ہندوستان میں عام طور سے مضاف الیہ حذف کر دیا جاتا ہے۔

جناب ناموں کے شروع میں جناب کا استعمال بالکل نیا ہے، عربی کے قدیم محاورے میں اس لفظ کا اطلاق اس طریقہ پر کسی دور میں نہیں ملتا، البتہ قرونِ وسطیٰ میں اعیان واشراف کے ناموں کے شروع میں اُن کی عظمت و اہمیت ظاہر کرنے کے لیے اس کا استعمال ہوا جیسے الی الجناب العالی اور الی جنابکم مگر اس کا رواج عام طور سے امرار و سلاطین اور وزرار وغیرہ کے لیے ہوتا تھا، کیونکہ یہ لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے ان ہی لوگوں کے لیے مناسب تھا، جناب کے لغوی معنی یہ ہیں:۔

الجناب بالفتح الفناء وما قرب من محلة القوم[1] — جناب بفتح الجیم دروازہ کے باہری صحن اور محلہ کے آس پاس کی جگہ کو کہتے ہیں۔

گویا ابتدا میں جناب کا لفظ دربار اور ڈیوڑھی کے لیے استعمال ہوا مگر ہمارے یہاں ناموں کی ابتدا میں اس کا رواج محترم اور گرامی قدر کے معنی میں ہوتا ہے۔

حضرت اور حضور حضرت اپنے لغوی معنی میں ہر دور میں بولا جاتا تھا، اور آج بھی عربی میں اس کا استعمال اس طرح ہوتا ہے، اور اس کے معنی موجودگی، سامنے اور خدمت کے لیے لیے جاتے ہیں، مگر ناموں کے شروع میں تعظیم و تکریم کے طور پر تیسری صدی کے بعد استعمال ہونے لگا، اس کی ابتدا غالباً امرار، وزرار اور خلفار و سلاطین سے ہوئی، جیسا کہ مولانا کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ابو احمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ نے ایک موقع پر صاحب بن عباد سے مشہور

---

[1] مختار الصحاح

Marfat.com

جملہ سقطت علی الجنید کے بجائے "الجنید صادقت" کہا صاحب بن عباد نے اس پر اعتراض کیا تو ابو احمد نے جواب میں کہا
"تفاءلت عن السقوط بحضرۃ مولانا"[1] حضور کا بطور تعظیم استعمال بعد کی بات ہے۔

خاص خاص القاب مذکورۂ بالا القاب وخطابات عمومی ہیں اور ان کا اطلاق عام طور پر ہوتا ہے، ان کے علاوہ ایسے القاب بھی ہیں جو خاص خاص علمائے دین اور ارباب علم وفضل کے لیے استعمال ہوئے اور ان ہی تک محدود رہے، جیسے۔

ترجمان القرآن، ربانی الامت، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما،

حکیم الامت، حضرت ابو درداؓ اور حضرت ابو مسلم خولانیؒ،

باقر، امام محمد بن علی ابوجعفرؒ

زین العابدین، امام علی بن حسینؒ

صادق، امام جعفر بن محمدؒ

فقیہ الامت، امام مالکؒ

فقیہ العراق، امام ابراہیم نخعیؒ

فقیہ المدینہ، امام ابو الزنادؒ اور حضرت امام سعید بن مسیبؒ

مسند العراق، امام علی بن عاصم واسطیؒ

مفتی المدینہ، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ

مفتی مصر، امام مرثد بن عبد اللہؒ

امام اعظم، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ

اسد السنۃ، امام اسد بن موسیٰؒ

خیاط السنۃ، امام زکریا سجستانی

امام الحرمین، امام ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ جوینی شافعیؒ

جار اللہ، علامہ ابو القاسم محمود بن عمر زمخشریؒ وغیرہ۔

---

[1] مقدمہ کتاب المصون فی الادب ص ۵ طبع کویت

Marfat.com

(۸)

امام محمدؒ کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ

امہاتِ کتب سے احناف کی غفلت

لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنے مخلص بانی اور صدر حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی کے تعاون سے ائمۂ احناف کی امہاتِ کتب کو پہلی بار شائع کر کے حدیث و فقہ کے ذخیرہ میں بڑا قابل قدر اضافہ کیا ہے، اور کہنا چاہیئے کہ فقہ حنفی کو براہ راست اس کے بانیوں اور اماموں کی کتابوں سے معلوم کرنے اور سمجھنے کی راہ پیدا کی ہے، ورنہ عام طور سے علمائے احناف نے اپنے اصلی ماخذوں سے ہٹ کر متاخرین علمائے عجم خصوصاً فقہائے ماوراء النہر کی کتابوں ہی کو سب کچھ سمجھ لیا تھا، جس سے اس الزام کو بڑی مدد ملی کہ فقہ حنفی احادیث و آثار سے ہٹ کر قیاس اور رائے پر مبنی ہے، قدیم علمائے حجاز و عراق کی معاصرانہ چشمک اور بعض متاخرین کی الزام تراشی کے بعد فقہ حنفی پر سب سے بڑا ظلم خود احناف نے یہ کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ وغیرہ رحمہم اللہ کی اُن تصانیف و کتب کو بہت کم ہاتھ لگایا، جن میں دوسرے مکاتب فقہ کی طرح حنفی فقہ کے اصول و فروع کو کتاب و سنت اور آثار کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے، اور صرف ضرورت کی حد تک قیاس اور رائے سے کام لیا گیا ہے۔

لجنۂ احیاء المعارف النعمانیہ نے ۱۳۴۸ھ سے دنیائے اسلام اور یورپ و ایشیا کے مختلف کتب خانوں کو کھنگال کر ائمۂ احناف کی گیارہ امہات کتب شائع کی ہیں، امام ابویوسفؒ کی کتاب الآثار، کتاب الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب اختلاف ابی حنیفہؒ و ابی لیلیؒ، امام محمد بن

ؒ قیمت ۲۵ ملنے کا پتہ: لجنۂ احیاء المعارف النعمانیہ ۵-۶-۴ جلال کوچہ، حیدرآباد ۲

Marfat.com

حسن شیبانیؒ کی الجامع الکبیر، کتاب النکت للسرخسی، شرح زیادات الزیادات للامام محمد، مختصر

الطحاوی فی الفقہ، اور آخیر میں کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ للامام محمدؒ جیسی بیش بہا اور نادر و نا

کتابیں دنیا کو پہلی بار اسی ادارے کی بدولت نصیب ہوئیں، اس کے صدر محترم اور ارکان اپنی

اس خاموش اور ٹھوس علمی و دینی خدمت پر پوری دنیائے اسلام کے شکریہ کے مستحق ہیں، خصوصاً

ایسی حالت میں جبکہ اس ادارہ کے پاس نہ کوئی خاص سرمایہ ہے، نہ اس کا کوئی پروپیگنڈا ہے

اور نہ اس کے ممبروں اور بہی خواہوں کی کوئی جماعت ہے، صرف توکل اور خدمت اس کا سرمایہ

ہے۔ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ کا تازہ شاندار کارنامہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی متوفی

۱۸۹ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ کی اشاعت ہے، اس کا پہلا حصہ حال ہی

میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔

کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور فقہ حنفی کے ثالثۃ الاثافی امام محمدؒ کوفہ میں امام ابوحنیفہؒ سے تعلیم حاصل کر

مدینہ منورہ گئے، تاکہ وہاں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ مدینہ سے فقہ و

حدیث کی تعلیم حاصل کریں، مدینہ منورہ میں تین سال رہ کر امام مالکؒ سے مؤطا کا سماع کیا،

اس دوران میں ان سے اور اہل مدینہ سے فقہی مسائل پر جو بحث و مناظرے ہوئے ان کے جج و دلائل

کو قلمبند کر کے اس مجموعہ کا نام کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ رکھا، جب مدینہ سے عراق واپس ہوئے تو

کے تلامذہ نے ان سے اس کتاب کی روایت کی، جن میں قاضی بصرہ امام عیسیٰ بن ابان ابن صد

متوفی صفر ۲۲۱ھ کی روایت زیادہ مشہور ہے۔ علمائے کوفہ نے اس کتاب کو بڑی اہمیت دی

اور اس سے نفع اٹھایا، اور مدتوں عالم اسلام میں اس کا چرچا رہا۔ مگر ائمۂ احناف کی بہت

کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی متاخرین کی لاپروائی کی ایسی نذر ہوئی کہ اہل علم کی تلاش

باوجود اس کا پتہ نہیں چلتا تھا، مگر اب فقہ اسلامی کا یہ عظیم الشان ذخیرہ علمائے امت

سامنے آگیا ہے۔

Marfat.com

قلمی نسخے اور ان کی تحقیق و تعلیق

اب سے بیس[۲۰] سال پہلے لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ نے اس کی تلاش و جستجو شروع کی تھی، اور صرف مدینہ منورہ کے کتب خانہ محمودیہ میں اس کا ایک ناقص، نامکمل اور سقیم مخطوطہ مل سکا تھا، مزید تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس کے دو قلمی نسخے اور ہیں، ایک آستانہ کے کتب خانہ نور عثمانیہ میں، دوسرا حیدر آباد کے جامعہ نظامیہ کے کتب خانہ میں جسے مولانا انوار اللہ صاحب نے اپنے لیے مدینہ منورہ کے نامکمل نسخے سے نقل کرایا تھا، آستانہ کے نسخہ کا فوٹو منگایا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی مدینہ منورہ کے نسخہ ہی کی نقل ہے، اس طرح کتاب الحجۃ کے یہ تینوں نسخے درحقیقت ایک ہی تھے، مولانا انوار اللہ صاحب حیدر آبادی کے نسخہ کو اصل قرار دے کر اس کی تحقیق و تعلیق کی خدمت جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے سپرد کی گئی، موصوف فقہ حنفی کے اہل نظر علماء میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں، مفتی صاحب نے اپنے علمی و دینی، تعلیمی اور تصنیفی مشاغل کے ساتھ اس کتاب کی تصحیح و تعلیق کو جاری رکھا اور کامل بیس سال میں یہ شاہکار مکمل کیا، اور حق یہ ہے کہ مفتی صاحب نے اپنے ذوق و شوق سے اس عظیم فقہی ذخیرہ کی خدمت کا پورا حق ادا کیا ہے، یہ تعلیق و تحشیہ درحقیقت مکمل شرح ہے، مستقل شرح شاید اس سے بہتر نہیں ہو سکتی تھی، اس حاشیہ یا شرح کی وجہ سے کتاب بہت طویل ہو گئی ہے، اور ایک جلد کے بجائے تین چار جلدوں میں مکمل ہو گی، لیکن اس طویلِ غیر مملّ نے کتاب کی اہمیت و افادیت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے، جگہ جگہ حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی نے بھی اپنے محققانہ حواشی سے اسے مزین فرمایا ہے۔ اس طرح ہندوستان کے دو بلند پایہ حنفی محقق علماء کی توجہ سے کتاب الحجۃ علم و تحقیق کی بزم میں شمع فروزاں بن گئی ہے، خوشی کی بات ہے کہ حکومت ہند کی وزارت تعلیم نے بھی اس کی اشاعت میں اعانت کی ہے، اس لیے وہ بھی شکریہ کی مستحق ہے،

اس کتاب کی پہلی جلد مع تعلیقات کے ۴۵۹ صفحات میں آئی ہے۔ اوپر کتاب الحجۃ کا متن جلی حرفوں میں اور نیچے اس کی تعلیق و تحقیق باریک حرفوں میں ہے، طباعت بہترین مصری ٹائپ

Marfat.com

ہیں کی گئی ہے، اس جلد میں طہارت، صلوٰۃ، صوم اور زکوٰۃ کے مباحث ہیں، آئندہ جلدوں میں مناسک
بیوع، مضاربہ، وقف، شفعہ، نکاح، طلاق، مساقات، مزارعت اور فرائض کے ابواب ہونگے
قصاص ودیت کا تکملہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الام سے لیا گیا ہے، امام شافعیؒ نے کتاب
القصاص والدیۃ میں امام محمدؒ کا رد کرنے کے لیے انکے اقوال نقل کئے ہیں۔ وہیں سے یہ حصہ لیا گیا ہے

امام محمدؒ کا اسلوبِ بیان

اس کتاب میں امام محمدؒ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں پہلے اپنے
شیخ امام ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں، پھر اس کے مقابلہ میں
اہل مدینہ کا قول نقل کر کے امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید میں اپنے طرق سے احادیث و آثار بیان
کرتے ہیں، اور اہل مدینہ پر ان ہی کے اصولوں کے مطابق حجت قائم کرتے ہیں اور احادیث و آثار اور
قیاس کی رو سے فقہ و حدیث کی باریکیوں کو بیان کرتے ہیں، مگر اس علمی و دینی مباحثہ میں حق و
انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، اور بہت سے مسائل میں اہل مدینہ کی تائید کی ہے
اور ان کے مسلک کو اپنا مسلک قرار دے کر امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے، اس کتاب میں
امام محمدؒ فقہائے اہل الحدیث کے صدر نشین نظر آتے ہیں، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر امام محمدؒ اور
امام ابو یوسفؒ اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے تو یہ دونوں حضرات بھی امام
ثوری، امام اوزاعی، اور امام حسن بصری کی طرح اپنے مستقل مکتبِ فقہ کے مالک ہوتے، اور ان
کا فقہی مسلک بھی دنیائے اسلام میں اسی طرح صدیوں جاری رہتا، جس طرح فقہ اوزاعی
فقہ ثوری اور فقہ حسن بصری کا رواج رہا ہے۔

احادیث کے بارے میں فقہ حنفی کا موقف

کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ سے فقہ حنفی کا یہ اصول
پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث ضعیف، اور
خبر مرسل کے ہوتے ہوئے قیاس سے کام نہیں لیا جا سکتا، اور ایک صحابی کا قول و فعل بھی جب تک
صحابہ میں سے کوئی مخالف نہ ہو قیاس سے اولیٰ ہے، امام مالکؒ اور اہل مدینہ حدیث مرسل و
منقطع بلاغات (بلغنا و بلغنی) اور قول صحابی کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں، اور ان کی موجود

ہیں قیاس سے کام نہیں لیتے۔

ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ رائے اور قیاس میں زیادہ مشہور ہیں، اور دونوں اپنے شرائط کے مطابق شدید ضرورت کے وقت قیاس سے کام لیتے ہیں، یہ دونوں فقہی مکاتب صحابہ کرامؓ میں فقہائے سبعہ (حضرات عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، زیدؓ، عائشہؓ) کے فقہی مسلک کے آئینہ دار ہیں، امام ابوحنیفہ قرآن وحدیث اور اجماع کے بعد حضرت علیؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ کو حجت مانتے ہیں، اور امام مالکؒ قرآن وحدیث اور اجماع کے بعد حضرت علیؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ کو حجت مانتے ہیں،

حنفیہ کے یہاں قرآن وحدیث اوراجماع کے بعد حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حجت ہیں

امام محمدؒ نے کتاب الحجۃ میں ان دونوں مسلکوں سے ان کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر بحث کی ہے، چنانچہ باب افتتاح الصلوٰۃ وترک الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم، میں امام ابوحنیفہ کا قول نقل کرنے کے بعد اہل المدینہ کا قول نقل کیا ہے کہ حسب روایت ابن عمرؓ افتتاح صلوٰۃ کی طرح رکوع، قومہ اور سجدہ کے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے، پھر لکھتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن: جاء الثبت عن علی بن ابی طالب، وعبد الله بن مسعود، انهما كانا لا يرفعان فی شئ من ذلك الا فی تكبيرة الافتتاح فعلی بن ابی طالب وعبد الله بن مسعود كانا اعلم برسول الله صلی الله عليه وسلم من عبد الله

امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: ثقہ وثابت بات حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور ان دونوں حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے زیادہ علم و واقفیت حاصل تھی، کیونکہ ہم کو خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "جب نماز کھڑی ہو تو عقل و فراست رکھنے والے لوگ میرے قریب رہیں، پھر اسی طرح

Marfat.com

بن عمر لانه بلغنا ان رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال اذا اقيمت الصلوٰة
فليلينى منكم اولوا الاحلام والنهٰى ثم
الذين يلونهم ثم الذين يلونهم فلانرى
ان احداً كان يتقدم على اهل بدر مع
رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى فلنرى
ان اصحاب الصف الاول والثانى
اهل بدر ومن اشبههم فى مسجد المسلمين
وان عبد الله بن عمر رضى الله عنهما
ودونه من فتيانهم خلف ذٰلك،
فلنرى ان علياً وابن مسعود رضى الله عنهما
ومن اشبههما من اهل بدر اعلم بصلوٰة
رسول الله صلى الله عليه وسلم لانهم
كانوا اقرب اليه من غيرهم وانهما
اعرف بما يأتى من ذٰلك وما يدع
مع ان فقيههم مالك بن انس
قد روى عن نعيم بن عبد الله المجمر
وابى جعفر القارى انهما اخبراه
ان ابا هريرة رضى الله عنه كان يصلى
بهم فيكبر كلما خفض ورفع، قالا
وكان يرفع يديه حين يكبر ويفتتح

درجہ بدرجہ لوگ کھڑے ہوں۔" ایسی صورت
ہم یہ کسی طرح باور نہیں کر سکتے کہ جو لوگ آپ
کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک تھے ان سے اس
وقت جب آپ نماز پڑھاتے تھے، کوئی شخص آگے
رہتا رہا ہوگا، اس لیے ہمارا خیال ہے کہ مسجد میں
پہلی اور دوسری صف کے اندر شرکائے بدر اور
ان کے ہم پایہ اشخاص ہی ہوتے تھے۔ اور حضرت
عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے نوجوان صحابہ کی
صفیں ان کے بعد ہوتی تھیں، اس لیے حضرت
علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان جیسے دوسرے
بدری صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق زیادہ
آگاہی تھی، کیونکہ یہ لوگ دوسروں کے مقابلہ
میں نماز کے اندر آپ سے زیادہ قریب رہتے تھے
اور ان باتوں کی زیادہ خبر رکھتے تھے جن کو آپ
نماز میں اختیار یا ترک فرماتے تھے، اس کے
علاوہ خود اہل مدینہ کے فقیہ امام مالک بن
انس نے نعیم بن عبداللہ مجمر اور ابو جعفر قاری سے
روایت کی ہے کہ ان لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابو
ہریرہؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو اٹھتے بیٹھتے
ہر موقع پر تکبیر کہتے تھے مگر وہ صرف نماز کی ابتدا میں
تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے، اسطرح

Marfat.com

الصلوٰۃ فھذا حدیثکم موافق لعلی	خود تمہاری حدیث بھی حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے
وابن مسعود رضی اللہ عنہما لاحاجۃ	مسلک کے مطابق ہے۔ گو کہ ہمارے لیے ان
بنامعھما الی قول ابی ھریرۃ رضی	دونوں بزرگوں کے مسلک کی موجودگی میں حضرت
ونحوہ ولکنا احتججنا	ابوہریرہؓ وغیرہ کے قول کی کوئی ضرورت نہیں
علیکم بحدیثکم۔	رہ جاتی تھی، تاہم ہم نے تمہارے خلاف خود تمہاری
(از ص ۹۴ تا ۹۶)	ہی حدیث سے حجت و دلیل فراہم کردی ہے۔

اس طرح "باب الذی یفوتہ بعض الصلوٰۃ" کے تحت امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے، اس کے بعد اہل مدینہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر مصلی کو گمان ہو کہ صف تک جاتے جاتے امام رکوع سے سر اٹھائے گا تو صف کے پیچھے ہی رکوع میں چلا جائے، پھر آہستہ آہستہ کھسک کر صف میں مل جائے، اہل مدینہ نے فقہائے عراق پر الزام دیتے ہوئے کہا ہے کہ بلغنا ان عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کان یدب کعا ان کے اس استدلال پر امام محمدؒ نے لکھا ہے:

قیل لھم: ما اسرعکم	اہل مدینہ سے یہ کہا جائے گا کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی
الی حدیث ابن مسعود	حدیث تمہاری تائید میں ہوتی ہے تو کس قدر جلد اس سے
رضی اللہ عنہ اذا کانت	استدلال کرتے ہو، لیکن جب وہ تمہارے خلاف ہوتی ہے
لکم منہ حجۃ وما	تو اس سے استدلال کرنے میں پس و پیش اور گریز سے کام
ابطأکم عنہ اذا خالفکم	لیتے ہو، دراصل ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طرز
انا نحن اعلم بامر عبداللہ	عمل سے تم لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ واقف ہیں کہ وہ کس
بن مسعود رضی اللہ عنہ	طرح آہستہ آہستہ چل کر صف میں شامل ہوئے تھے، حقیقت یہ
منکم کیف دبّ حتی	ہے کہ جب وہ اپنے گھر سے نکلے تو ان کے ہمراہ انکے اصحاب بھی
وصل الصف ان خرج	تھے، چنانچہ جب انہوں نے تکبیر کہی تو رفقاء نے بھی تکبیر کہی
من دارہ ومعہ اصحابہ فکبر	اس طرح وہ لوگ ایک صف میں ہوگئے اور آہستہ آہستہ

Marfat.com

وکبروا معہ فصار وا صفا ثم دبوا حتی لحقوا الصفوف ولم یخرج عبد اللہ من دارہ وحدہ، ولم یبلغنا انہ دب وحدہ (ص ۲۱۶)

چل کر نماز کی صفوں سے جا ملے، اس سے ظاہر ہوگیا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے گھر سے تنہا نہیں نکلے تھے، اور نہ ہم کو اس کی خبر ملی کہ وہ تنہا آہستہ آہستہ چل کر نماز کی صف میں شامل ہوگئے تھے۔

اہل مدینہ کا جواب ان ہی کے اصولوں سے

امام محمدؒ نے جگہ جگہ اہل المدینہ کو الزامی جوابات دئے ہیں اور ان کے اصول و مرویات کی روشنی میں ان کے اقوال کو مرجوع قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں فقہ حنفی کے احادیثِ رسول اور آثارِ صحابہ سے قریب تر ہونے کے واضح دلائل ملتے ہیں، چنانچہ مسح علی الخفین کی بحث میں اہلِ مدینہ کے مقابلہ میں لکھتے ہیں

وقال محمد بن الحسن: الآثار فی المسح للمقیم یوما ولیلۃ، وللمسافر ثلاثۃ ایام ولیالیہا کثیرۃ معروفۃ، وما کنت اظن ان احدا ممن نظر فی الفقہ یشکل علیہ الآثار فی ھذا۔ (ص ۲۴)

امام محمدؒ بن حسن فرماتے ہیں کہ مقیم کے لیے ایک شب و روز اور مسافر کے لیے تین شب و روز کے مسح کی روایتیں اور آثار اس قدر زیادہ اور مشہور ہیں کہ میرے خیال میں فقہ پر نظر رکھنے والے کسی شخص کو ان کے بارے میں کوئی اشکال نہیں ہوسکتا ہے۔

اسی بحث میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وکیف قال ھذا اھل المدینۃ فما نعلم احدا یبصر شیئا یتکلم بمثل ھذا فقد جاء الحدیث المعروف عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ الخ۔

حیرت ہے کہ اہل مدینہ نے یہ بات کیسے کہی؟ اور ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی معمولی بصیرت رکھنے والا بھی اس قسم کی بات کہتا ہو، کیونکہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی اس سلسلہ میں مشہور روایت موجود ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

فھذا قول عروۃ بن الزبیر وھو کان افقہ واعلم بالروایۃ والسنۃ

یہ عروہ بن زبیرؒ زبیر کا قول ہے جو روایت و سنت کے معاملہ میں ابن شہابؒ سے زیادہ صاحبِ علم و فقہ

من ابن شهاب فکیف ترك هذا	تھے، آخر امام مالکؒ بن انس وغیرہ نے اس کو کیسے
مالك بن انس وغیره وهم الذین	ترک کر دیا ہے، جبکہ انھوں نے اس کی روایت
رووه وعنوا الی رأی ابن شهاب	بھی کی ہے، اور اس کے متعلق اور آثار بھی موجود
مع ما قد جاء فی هذا من الاثار	ہیں، پھر بھی وہ ابن شہابؒ کے قول کی جانب
اخبرنا الخ (ص ۳۹)	مائل ہوگئے،

احادیث و آثار کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں کیا جا سکتا

اس کتاب میں احناف کے اس مسلک کی پوری ترجمانی موجود ہے کہ احادیث و آثار کے ہوتے ہوئے قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور فقیہ کی نظر روایت و درایت پر کس قدر زیادہ ہونی چاہئے، وہ نہیں حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت سعید بن جبیر کے مسلک کے خلاف ابن مسیبؒ کے مسلک کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهولاء احق ان ناخذ بقولهم	ان لوگوں کے قول پر عمل کرنا سعید بن مسیبؒ کے
من سعید ابن المسیب (۱۷۳)	قول کے مقابلہ میں زیادہ بہتر اور مناسب ہے،

باب الضحك فی الصلوٰة - میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

وقال محمد بن الحسن: لولا ما جاء	امام محمد بن حسن فرماتے ہیں کہ اگر آثار نہ ہوتے تو
من الاثار کان القیاس علی	قرین قیاس اہل مدینہ ہی کا مسلک تھا، لیکن اثر
ما قال اهل المدینة ولکن	کی موجودگی میں قیاس کا کوئی سوال نہیں اور اثر
لا قیاس مع اثر ولیس ینبغی الا	وحدیث کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے علاوہ
ان ینقاد للاثار (۲۰۴)	اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

"باب المرور بین یدی المصلی" میں اہل مدینہ کو ان کی احادیث سے دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهذه احادیث اهل المدینة	اہل مدینہ کی حدیثیں ہیں، جن سے ان کے خلاف
یحتج علیهم بها، وهم یاخذون	حجت قائم کی جائے گی، کیونکہ ان لوگوں کا مسلک

Marfat.com

بخلافها، وممن اخذ بخلافها مالك
بن انس، وهو الذی رواها فكيف
يكونون اصحاب آثار وهم يدعون
عيانا ما يروون ولو اردنا ان نحتج
عليهم باحاديث كثيرة من الاحاديث
فی هذا ونحوه لاحتججنا بها عليهم
لكن احتجاجنا باحاديثهم
اوجب فی الحجة عليهم وهذا
مما يدل علی غيره من اقوالهم
انما تركوا فيه الآثار واخذوا
فيه بما استحسنوا بما لم ياتوا
فيه باثر ولا سنة (ص ۲۲۳)

ان کے خلاف ہے، امام مالکؒ بھی ان ہی لوگوں میں
ہیں، جو ان حدیثوں کی مخالفت کرتے ہیں، درآں
حالیکہ وہ ان کے راوی بھی ہیں، ایسی صورت
میں اہل مدینہ کو صاحبِ آثار کس طرح کہا جاسکتا
ہے جبکہ علانیہ وہ اپنی ہی مرویات کو ترک کردیتے
ہیں اور اگر ہم چاہتے تو اس مسئلہ اور اس طرح
کے دوسرے مسائل میں متعدد حدیثوں سے ان
کے خلاف حجتیں قائم کرتے لیکن ہمارا ان ہی کی
حدیثوں سے ان کے خلاف استدلال کرنا زیادہ
موثر اور موجب حجت ہوگا یہ اور ان کے دوسرے
اقوال اس کی دلیل ہے کہ انہوں نے ان میں آثار
کو ترک کرکے ان چیزوں کو اختیار کرلیا ہے جن کو
وہ پسند کرتے تھے، اور اپنی تائید میں کوئی سنت و
اثر نہیں پیش کرسکے۔

باب المسح علی الخفین میں ایک مقام پر اہل مدینہ کو خطاب کرتے ہوئے یوں قیاس کی بحث کرتے ہیں:۔

قيل لهم: فانما يقاس ما لم
يات فيه اثر علی ما جاءت فيه الآثار
فقد رويتم اثرين فی مسح الراس
والمسح علی الخفين ولم تقيسوا علی
واحد منهما فلای شئ اختلف هذا

اہل مدینہ کے خلاف یہ کہا جائے گا کہ جس چیز کے
بارہ میں کوئی اثر نہ ہوتا تو اس کو اس چیز پر قیاس
کیا جاتا ہے جس کے متعلق آثار وارد ہوتے ہیں، پس
تم نے مسح راس اور مسح علی الخفین کے متعلق دو اثر
بیان کئے ہیں، لیکن ان میں سے کسی پر بھی قیاس نہیں

Marfat.com

وغیرہ من مواضع الوضوء	کیا آخر اس میں اور دوسرے وضو میں فرق و
وقد زعمتم انہ لا اثر عندکم	اختلاف کا سبب کیا ہے، جبکہ تم لوگوں کا خود
فی غیر ھذا من الاعضاء فینبغی	خیال ہے کہ اس کے علاوہ کسی عضو کے بارہ میں
لمن قاس علی السنۃ والآثار	تمہارے پاس کوئی اثر وحدیث نہیں ہے، اس
ان یقیس علی السنۃ مالم یات	بنا پر سنت پر قیاس کرنے والے کو چاہئے کہ
فیہ اثر لما قد جاءت فیہ	وہ ایسی چیز کو سنت پر قیاس کرے جس کے
الآثار مما یشبھہ۔	بارے میں کوئی ایسا اثر نہ ہو جو مقیس علیہ آثار
(ص ۴۴ و ۴۵)	کے مشابہ ہو۔

مشہور احادیث وآثار کے ہوتے ہوئے ایک صحابی کی روایت حجت نہیں ہے	کسی ایک صحابی کی روایت کو مشہور احادیث و آثار کے مقابلہ میں حجّت قرار نہیں دیا جا سکتا،

اس پر بحث کرتے ہوئے "باب الخطاء والنسیان والسھو" میں لکھتے ہیں :۔

قیل لھم: لم یات فیما قلتم	ان لوگوں کے خلاف یہ دلیل دی جائے گی کہ تم
من الاحادیث الاحدیث واحد	لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس کے متعلق صرف ایک
حدیث عبد اللہ بن بحینۃ عن النبی	ہی حدیث ہے، اور وہ یہ کہ عبد اللہ بن بحینہ آنحضور
صلی اللہ علیہ وسلم انہ قام من الرکعتین	صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ
ولم یجلس فسجد سجدتین وھو	دوسری رکعت میں کھڑے ہو گئے اور قعدہ نہیں
جالس قبل السلام، قالوا نعم ھذا	کیا اس لیے آپ نے آخری قعدہ میں سلام سے
حدیث عبد اللہ بن بحینۃ وبہ اخذنا	پہلے دو سجدے کیے، اہل مدینہ کا بیان ہے کہ
قیل لھم فھل رویتم عن عبد اللہ	یہ عبد اللہ بن بحینہ کی حدیث ہے اور اسی پر ان کا
ابن بحینۃ اوروی فقیہ قط حدیثا	عمل ہے، لیکن جب ان سے یہ پوچھا جائے کہ تم
غیر ھذا الحدیث قالوا لا نعلم	لوگوں یا کسی اور فقیہ نے بھی ان سے اس کے

Marfat.com

انہ قد جاء عنہ حدیث غیر
ھذا، قیل لھم افنقبل ھذا بترك
السنۃ والآثار المعروفۃ
بقول رجل لا یروی عنہ غیر
حدیث واحد، وقد روینا
حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ھذا بعینہ عن امام کان
من ائمۃ المسلمین یأمنہ عمر
بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی الامصار
ویستعملہ علیھا اعرف بالروایۃ
واعلم بھا واشھر بصحبۃ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم من عبد اللہ
ابن بحینۃ وذلك المغیرۃ بن
شعبۃ رضی اللہ عنہ انہ صلی باھل
الکوفۃ فقام من رکعتین، ولم
یجلس فلما تشھد سلم، ثم سجد
سجدتین للسھو، ثم روی ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فعل ھذا بعینہ
فلو کان الرجلان کلا ھما ثقۃ و
کلا ھما مامون علی ما رویا لکان
الذی قال سمعت رسول اللہ صلی

علاوہ کبھی کوئی اور حدیث بیان کی ہے تو وہ کہیں
گے کہ ہم کو کسی روایت کا علم نہیں ہے۔ ایسی صورت
میں ان سے کہا جائے گا کہ کیا ہم لوگ مشہور سنن و
آثار کو محض ایک ایسے شخص کے قول کی بنا پر
ترک کر کے جس سے اس کے علاوہ اور کوئی بھی
حدیث مروی نہیں ہے اس کو قبول کر لیں جبکہ
ہمارے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی
بعینہ یہی حدیث مسلمانوں کے ایک امام کے
واسطہ سے موجود ہے جن کو حضرت عمرؓ بن الخطاب
نے امصار و بلاد میں امین مقرر کیا تھا، اور جو
روایات و آثار کے بہت بڑے عالم اور عبد اللہ
بن بحینہؓ کے مقابلہ میں صحبت رسولؐ میں
زیادہ شہرت بھی رکھتے تھے، یہ حضرت مغیرہؓ
بن شعبہ ہیں، جنہوں نے کوفہ والوں کو نماز
پڑھائی۔ اور دوسری رکعت میں بغیر قعدہ
کئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آخری قعدہ میں تشہد
کے بعد سلام پھیرا اور سہو کے دو سجدے کئے اس
کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
بھی بعینہ ایسے ہی کیا تھا، اس لیے اگر دونوں
ہی آدمی اپنی روایت میں ثقہ و مامون ہوں جب
بھی اس شخص کا قول جو کہتا ہے کہ اس نے اس کو

Marfat.com

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فعلہ فھو احق أن یوخذ بقولہ من الذی قال لم اسمعہ یسلم حتی سجد سجدتین لان من قال لم اسمعہ یسلم حتی سجد سجدتین لیست تقبل شھادۃ فی الاشیاء علی مثل ھذا، وانما تقبل الشھادۃ اذا قال سمعت ورأیت فاما من قال لم اسمع ولم ار فلیس یوخذ بقولہ وعندنا فیما قلنا بعینہ آثار علی خلاف ماروی عبد اللہ ابن بحینۃ۔	رسول اللہ سے سنا ہے۔ اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ قابل قبول ہوگا جو کہتا ہے کہ اس نے یہ نہیں سنا کہ آپ نے دو سجدے کرنے سے پہلے سلام نہیں پھیرا، اس لیے کہ اس قسم کے مسائل میں ایسی شہادت قبول نہیں کی جاتی، جو یہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں سنا کہ آپ نے دو سجدے کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا ہو بلکہ اس کی شہادت قبول کی جاتی ہے جو کہتا ہے کہ میں نے سنا اور دیکھا، اس شخص کے قول کا اعتبار نہیں کیا جاتا جو یہ کہتا ہے کہ میں نے نہ سنا اور نہ دیکھا اور ہمارے پاس تو ہمارے قول و مسلک کی تائید میں اسی طرح کے اور بھی آثار ہیں اور وہ عبد اللہ بن بحینہ کی روایت کے خلاف ہیں۔
(ص ۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷)	

احادیث و آثار کے مقابلہ میں تابعی کا قول حجت نہیں ہے

احادیث رسول اور آثار صحابہ کے مقابلہ میں تابعین یا ان کے بعد کے اہل علم کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا اور اسلاف کے مقابلہ میں اخلاف کا قول مرجوح ہے، اسے "باب صلوٰۃ الجمعہ" میں مسجد سے متصل مکانات میں نماز جمعہ پڑھنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

قیل لھم، وکیف جاز ھذا فی ذلک الزمان، ولم یجز فی ھذا الوقت؟ ماجاء غیر الاول (؟) اوجاء قوم افقہ من الاولین	اہل مدینہ کے خلاف یہ کہا جائے گا کہ یہ اس زمانہ میں کیسے جائز تھا اور اس زمانہ میں یہ کیوں جائز نہیں ہے؟ کیا پہلے کے مقابلہ میں کوئی اور روایت ہے، یا سلف سے زیادہ صاحب فقہ لوگ

Marfat.com

ما العلم الا علم الاولين الذين رخصوا فی ذلك، وما الفقه الا فقههم وهم كانوا اعلم بامر رسول الله صلى الله عليه وسلم واقرب به جهدا امنا، فلو رأوا ذلك قبيحا ما فعلوه۔ (ص ۲۹۰ و ۲۹۱)

پیدا ہو گئے ہیں؟ فقہ وعلم تو در اصل ان اسلاف ہی کا معتبر سمجھا جائے گا جنہوں نے اس کی رخصت واجازت دی ہے، کیونکہ ان لوگوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معاملات سے زیادہ واقفیت تھی اور اس لیے سعی وکوشش میں ہم سے زیادہ قریب تھے، پس وہ اگر اس کو برا سمجھتے تو کبھی نہ کرتے۔

احادیث وآثار کے ہوتے ہوئے حنفیہ کے یہاں قیاس جائز نہیں ہے۔ "باب قیام الرجل حین ینہض الی الصلوٰۃ" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

وقال محمد بن الحسن: السنة والآثار فی هذا معروفة مشهورة لا يحتاج معها الى نظر وقياس (ص ۳۱۶)

اس سلسلہ میں سنن وآثار بکثرت اور معروف ہیں، اور ان کی موجودگی میں نظر وقیاس کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو غلط قرار دیتے ہوئے "کتاب الصوم" کے باب الرجل یاکل او یشرب ناسیاً" میں لکھتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن، كيف قال اهل المدينة هذا القول ما سمعنا ان احدا ايزعم انه من اكل او شرب ناسيا ان عليه القضاء، ولقد جاءت الآثار فی ذلك والناس يجمعون عليها ان من اكل ناسيا او شرب ناسيا فانما ذلك طعمة اطعمها الله اياه وسقاه، وان اهل المدينة ليعلمون

محمدؒ بن الحسن بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ یہ کس طرح کہتے ہیں کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں سنا جو یہ خیال کرتا ہو کہ اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لے تو اس پر روزے کی قضا لازم ہو گی کیونکہ اس بارہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اور جن پر لوگوں کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ جس نے بھول کر کھا پی لیا تو اس کو اللہ تعالےٰ نے کھلایا اور پلایا اور اہل مدینہ اس سے خوب واقف ہیں کہ

Marfat.com

ان ھذا لا ینبغی ان یوخذ بالرأی للآثار التی جاءت مما لا یقدر علی ردہ احد، وقال ابو حنیفۃ لولا ماجاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء (ص ۳۹۲)	ان حدیثوں اور آثار کے مقابلہ میں جن کی تردید کوئی شخص نہیں کرتا رائے اور قیاس کو اختیار کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اسی لیے امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد ہے کہ اگر اس بارہ میں حدیث و آثار نہ ہوتے تو میں بھی قضا کا حکم دیتا۔

یہ اقتباسات اگرچہ طویل ہو گئے ہیں، مگر ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فقہ حنفی کی بنیاد احادیث و آثار پر ہے، اور روایت کے ساتھ درایت سے بھی بھرپور کام لیا گیا ہے، اور یہ کہ قیاس کو بدرجۂ مجبوری خاص حالات میں بقدر ضرورت کام میں لایا گیا ہے۔

امام محمد کی مجتہدانہ انصاف پسندی

اوپر کی مثالوں میں روئے سخن چونکہ اہل مدینہ کی طرف ہے، اس لیے ایک گونہ مقابلہ کی شکل معلوم ہوتی ہے، مگر اس مقابلہ میں حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا ہے، بلکہ بہت سے مسائل میں امام محمدؒ نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں اہل مدینہ کا ساتھ دیا ہے اور ان کے مسلک کو راجح قرار دے کر اپنا مسلک بنایا ہے، چنانچہ امام جالس کی امامت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

قال محمد بن الحسن: قول اھل المدینۃ فی ھذا احب الی من قول ابی حنیفۃ وان کنت احتججت لابی حنیفۃ بحجۃ ثابتۃ لم تر اھل المدینۃ بمخرج منھا ولکنہ بلغنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	امام محمدؒ بن حسن کہتے ہیں کہ اس بارہ میں میرے نزدیک اہل مدینہ کا قول امام ابو حنیفہؒ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے، گو میں نے ان کی تائید میں ایسی قاطع دلیل پیش کر دی ہے جس کے بعد اہل مدینہ کے لیے مفر کی کوئی صورت نہیں رہ گئی ہے لیکن چونکہ ہم کو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ خبر

Marfat.com

انہ قال: لا یؤم الناس احد بعدی جالسا، ولم یبلغنا ان احدا من ائمة الهدی ابی بکر ولا عمر رض وعثمان رض ولا علی رض ولا غیرهم أمّوا جلوسًا فاخذنا بهذا لانه اوثق الخ (ص ۱۲۸)

ملی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میرے بعد کوئی شخص بیٹھ کر نماز نہ پڑھائے اور ہم کو ائمۂ ہدیٰ ابوبکر رض عمر رض، عثمان رض اور علی رض وغیرہ میں سے کسی کے بارہ میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ انہوں نے بیٹھ کر نماز پڑھائی ہو، اس لیے ہم نے اس کو اختیار کر لیا جو قابل وثوق واعتماد ہے۔

صلوٰۃ کسوف میں امام ابوحنیفہؒ اور اہل مدینہ کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وقال محمد بن الحسن: قد جاءت فی قول ابی حنیفة آثار علی ما قال وجاءت فی قول اهل المدینة آثار علی ما قالوا (ص ۳۱۹)

محمدؒ بن حسن فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کی تائید میں جیسا کہ ان کا بیان ہے آثار وارد ہیں اور اہل مدینہ کا بھی خیال ہے کہ انکی تائید میں آثار و روایات موجود ہیں۔

"باب ما یقسم للمصدق من الورق" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

وقال محمد بن الحسن: القول الاول احسن القولین وهو المعمول الذی اجمع علیه اهل الکوفة واهل المدینة (ص ۴۹)

محمد بن الحسن کا بیان ہے کہ دونوں اقوال میں پہلا قول زیادہ بہتر ہے، اور وہی زیادہ قابل اعتماد بھی ہے اور اسی پر اہل کوفہ اور اہل مدینہ کا اجماع ہے

باب زکوٰۃ اموال الیتیمی میں امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جب یتیم بچے پر نماز فرض ہوتی ہے تو اس کے مال میں زکوٰۃ بھی فرض ہوتی ہے۔ اور اہل مدینہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یتیم کے مال کی زکوٰۃ نکالنی چاہیئے، اس پر امام محمدؒ لکھتے ہیں:۔

وقال محمد بن الحسن: قد جاءت فی هذه آثار مختلفة واحبها الینا ان لا یزکی حتی یبلغ (ص ۷۵)

امام محمد بن حسن کا ارشاد ہے کہ اس کے بارہ میں مختلف روایات ہیں لیکن میرے نزدیک زیادہ بہتر مسلک یہ ہے کہ بلوغ سے پہلے زکوٰۃ نہیں دی جائے گی

Marfat.com

ایام تشریق میں تکبیرات میں اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کے قول کو یوں مرجوح قرار دیتے ہیں:

قال محمد بن الحسن: وھذا القول احب الینا من قول ابی حنیفة - (ص ۳۱۰)

محمد بن الحسن کہتے ہیں کہ یہ قول ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے قول سے زیادہ عمدہ ہے۔

باب زکوٰۃ النخل والحبوب میں ایک مقام پر کھل کر اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کے قول کا انکار کیا۔

ولسنا ناخذ بھذا من قول ابی حنیفہ و ابراھیم ولکنا ناخذ بما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ قال الخ (ص ۵۰۲-۵۰۴)

ابراہیم اور امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہمارے نزدیک قابل اختیار نہیں بلکہ ہم اس کو اختیار کرتے ہیں جو آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

اسی باب میں ایک جگہ اہل مدینہ کی موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وکذالك قولنا، ونحن نری ایضاً ان توخذ الصدقة الخ (ص ۵۱۲)

یہی ہمارا بھی مسلک ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ زکوٰۃ لی جائے گی۔

الغرض پوری کتاب فقہ اسلامی کے نکات و اسرار سے معمور ہے، اور امام محمدؒ کو اسلامی تفقہ و تشریع میں جو مقام حاصل ہے، اور ان کی دوسری کتابوں میں جو بالغ نظری پائی جاتی ہے، اس کتاب میں بھی موجود ہے، اسلامی قوانین و تشریعات کے سلسلے میں اسلام کا یہ قدیم ترین دور حاضر کی فقہی جدوجہد میں بڑے کام کی چیز ہے، اور فقہ اسلامی پر کام کرنے والے اہل تحقیق کے لیے ایک قدیم ترین دستاویز ہے۔

Marfat.com

(۹)

امام محمدؒ کی کتاب الآثار

حضرت امام محمدؒ بن حسن شیبانی کی کتاب الحجۃ علیٰ اہل المدینہ" کا تعارف کرایا جا چکا ہے، جس کی پہلی جلد حال ہی میں لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، اب امام محمدؒ کی کتاب الآثار کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جس کی پہلی جلد حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی صدر مجلس مذکور کی تصحیح و تعلیق کے بعد مجلس علمی ڈابھیل و کراچی نے شائع کی ہے۔

کتاب الآثار کی حیثیت یہ درحقیقت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے جس کے بارے میں امام محمد بن شجاع نے تصریح کی ہے کہ امام صاحب نے چالیس ہزار احادیث و آثار سے انتخاب فرمایا ہے، اور ان کے تلامذہ نے اس کی روایت کر کے اپنی طرف سے اضافہ و ترمیم کیا، جس کی وجہ سے بعد میں اس کے نسخے ان کے نام سے مشہور ہوئے، چنانچہ امام زفر بن ہذیل عنبریؒ، امام حسن بن زیاد لولویؒ، حفص بن غیاث نخعیؒ، امام محمد بن خالد وہبیؒ اور امام حماد بن ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار درحقیقت امام صاحب کی کتاب الآثار ہے، جو بعد میں ان کے تلامذہ کے نام سے مشہور ہوئی، اس طرح کتاب الآثار امام ابویوسفؒ جو اس سے پہلے مولانا ابوالوفا صاحب کی تعلیق و تصحیح کے ساتھ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ سے شائع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آ چکی ہے، اور کتاب الآثار امام محمد جو ہمارے سامنے ہے، امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار ہے، مگر ان دونوں حضرات نے امام صاحب سے اس کی روایت کرنے کے بعد اپنے اضافہ کے ساتھ مدون کیا، اس لیے ان کی طرف منسوب ہو گئی۔

Marfat.com

مطبوعہ اور قلمی نسخے

امام محمدؒ کی دو کتابیں خاص طور سے ہندوستان میں بہت زمانہ سے رائج و متداول رہی ہیں، ایک مؤطا امام محمدؒ جس کی بہترین شرح التعلیق الممجد کے نام سے مولانا عبد الحئیؒ فرنگی محلیؒ نے شائع کی تھی، اور دوسری کتاب الآثار جو مولانا مرحوم کی توجہ سے پہلی بار لکھنؤ سے چھپی تھی، اس طباعت کا نسخہ راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے، دوسری بار پھر لکھنؤ میں چھپی اور جب وہ اڈیشن بھی ختم ہوگیا تو تیسری بار لاہور میں چھپی، وہ بھی ایک مدت سے نایاب ہو چکی تھی، مگر چونکہ یہ داخل درس نہیں تھی اس لیے اس کی تعلیق و تحقیق اور تصحیح و تحشیہ کی طرف مؤطا امام محمد کی طرح توجہ نہ ہوسکی، حتی کہ کتابت و طباعت اور کاغذ نہایت ردی استعمال کیا گیا، یہ تینوں اڈیشن اغلاط سے پر تھے، اس لیے اس اہم کتاب کو اس کے شایان شان شائع کرنے کی شدید ضرورت تھی۔ اور اہل علم اس کے انتظار میں تھے، چنانچہ مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے اراکین نے امام ابو یوسفؒ کی کتاب الآثار کی اشاعت کے بعد ہی امام محمدؒ کی کتاب الآثار کو نئی آب و تاب کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کیا، اور جب اس کے صدر محترم نے ہندوستان کے مطبوعہ نسخوں کے ساتھ قلمی نسخوں کی تلاش و جستجو شروع کی تو دو نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں دستیاب ہوئے، نیز ایک نسخہ آستانہ کے کتب خانہ یحیٰ جامع میں تھا، جو ۳۴۳ھ کا لکھا ہوا تھا، اس کا عکسی فوٹو منگایا اور ان تینوں قلمی نسخوں سے اصل کتاب کا مقابلہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ موصل کے ایک کتب خانہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس سے مقابلہ کے لیے ایک افغانی عالم کی خدمت حاصل کی جو وہیں رہتے تھے، اور یہاں سے اصل نسخہ بھیج کر مقابلہ کرایا، اس طرح مدت کی محنت شاقہ کے بعد یہ نسخہ تصحیح و مقابلہ اور تعلیق و تحشیہ کی تمام خوبیوں کے ساتھ طباعت و اشاعت کے قابل ہوگیا، مگر اس کے لیے زر کثیر کی ضرورت تھی، جس کی بظاہر فی الحال کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، اور معاملہ لیت و لعل میں پڑ گیا کہ مجلس علمی ڈابھیل و کراچی کے محسن خاص مرحوم مولانا محمد بن موسیٰ میاں (افریقہ) نے مجلس علمی کی طرف سے اس کی طباعت و اشاعت کی پیش کش کی، اس طرح امام محمدؒ کی کتاب الآثار اہل علم کے سامنے بڑی آب و تاب کے ساتھ آگئی، اور ماضی میں اس کتاب کی جو حق تلفی ہوئی تھی،

سب کا تدارک ہوگیا۔

امام محمدؒ کا اسلوب بیان

حضرت امام محمدؒ نے اس کتاب میں عام طور پر صحابہ اور تابعین کے آثار کو فقہی ابواب پر جمع کیا ہے، اسی لیے اس میں احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں آثار موقوفہ بہت زیادہ ہیں، اس کتاب کا مقصد صحابہ اور تابعین کے آثار کو یکجا کر کے یہ دکھانا ہے کہ جن احادیث کے آثار سے موافقت ہوتی ہے وہ معمول بہا ہیں، گویا صحابہ اور تابعین کے آثار احادیث رسول کے لیے شواہد و دلائل ہیں، جن کو جمع کیا گیا ہے! کیونکہ مختلف فیہ احادیث کے بارے میں صحابہ اور تابعین کا تعامل معیار و حکم کی حیثیت رکھتا ہے، اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اختلاف ہوگا تو فیصلہ کے لیے صحابہ کے اقوال و افعال کو معیار ماننا پڑے گا۔ کیونکہ وہ منشائے رسول اور احکامِ دین کے زیادہ عالم تھے، اور انھوں نے اولیٰ اور اصح پر عمل کیا، اسی طرح اگر صحابہ کے اقوال میں اختلاف ہو تو تابعین کا مسلک معیار ہوگا اور ان کے آثار کی روشنی میں صحابہ کے اقوال کو دیکھا جائے گا، اور جب تابعین کے اقوال و افعال میں اختلاف ہوگا تو وجوہ ترجیح کی بنا پر بعض صحابہ کے اقوال کو ترجیح دی جائے گی، اسی مقصد کے لیے ائمہ نے علمائے صحابہ و تابعین کے آثار کو مستقل طور سے مدون کیا چنانچہ کتاب الآثار امام محمدؒ بھی اسی سلسلۂ زریں کی ایک اہم کڑی ہے۔

اس کتاب میں ان اکابر داعیانِ صحابہ کے اقوال و افعال اور فیصلے مروی ہیں جو جماعت صحابہ میں مرجع و حجت تھے، چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرات خلفائے اربعہؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے اقوال و فتاویٰ درج ہیں جو ان کے کبار تلامذہ سے مروی ہیں، جیسے امہات المومنین میں حضرت ام حبیبہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ان کے علاوہ صحابیات میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ، حضرت ام سلیمؓ اور حضرت ام عطیہؓ وغیرہ کی مرویات ہیں اور تابعین میں امام ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ، امام حسن بصریؒ، امام بن سیرینؒ، امام سعید

بن جبیرؒ، امام سعید بن مسیبؒ، امام علی زین العابدین، امام محمد بن حنفیہؒ جیسے کبار تابعین کے فتاوے اور اقوال ہیں، خاص طور سے امام نخعیؒ سے زیادہ تر روایات جو حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہیں؛

جب کسی مسئلہ میں صحابہؓ سے متضاد و مختلف روائتیں ہوتی ہیں، تو وہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں، جو اقرب الی التفقہ ہوتا ہے، اور تابعین کے اختلاف میں ان ہی کی طرح خود بھی تفقہ فی الدین اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں، جو ان کے شیخ امام ابو حنیفہؒ کے طریقہ پر ہوتا ہے، اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کے اس مسلک کو اختیار کرتے ہیں جو ابراہیم نخعی سے مروی ہوتا ہے، لیکن اگر اس میں اپنی فقہی صوابدید اور تفقہ کے خلاف کوئی بات ہوتی ہے تو پھر امام نخعیؒ کے قول کو بھی ترک کر دیتے ہیں، اور صاف طور سے لا تاخذ بقول ابراھیم بل بقول فلان و فلانؒ کہتے ہیں، جیسا کہ کتاب الآثار میں جگہ جگہ اس کی صراحت ملتی ہے، اور ان کی دوسری کتابوں میں بھی یہ اجتہادی شان اور فقیہانہ فکر پائی جاتی ہے؛

تحقیق و تعلیق کا معیار یہ تو اصل کتاب کے متعلق چند معلومات تھیں، حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی کی تعلیق کی افادیت و اہمیت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں، جنھوں نے ان کی علمی و فقہی کاوشوں کو ائمہ احناف کی متعدد امہات کتب کی اشاعت میں دیکھا ہے، مولانا نے نہایت عقیدت اور بڑی دقت نظر سے اس کا تحشیہ فرمایا ہے، آثار کی تخریج، ان کی اسانید کی تحقیق، متضاد آثار میں تطبیق، غریب لغات کا حل، نیز یہ کہ امام محمدؒ نے اپنی دوسری تصنیفات میں فلاں باب میں کیا ذکر ہے، اور ائمہ فقہاء کی تفریعات کیا ہیں، رواۃ احادیث و آثار کے تذکرے، الغرض مولانا کی فقہی بصیرت اور تحقیقی کدوکاوش نے کتاب کی افادیت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے۔

Marfat.com

(۱۰)

امام ابوبکر حمیدیؒ کی مسند حمیدی

مسانید کی تاریخ

تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں جب احادیث رسول ﷺ کی باقاعدہ تدوین و تالیف کا دور شروع ہوا تو عام طور سے جوامع وسنن اور معاجم ومسانید کی ترتیب و تدوین ہوئی، مسندیں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء پر احادیث یوں مرتب کی گئیں کہ ایک صحابی کی جس قدر روایات مصنف تک اس کے سلسلۂ روایت سے پہونچ سکیں ان کو یکجا کر دیا، پھر اسی طرح دوسرے صحابی کی احادیث کو درج کیا، اس طرح احادیث کی باقاعدہ فقہی ترتیب و تدوین سے پہلے مسانید کا معتد بہ سرمایہ حزم واحتیاط کے ساتھ جمع ہوگیا، مسانید کے مرتبینِ اولین میں امام اسد السنۃ متوفی ۲۱۲ھ، امام عبید اللہ بن موسیٰ متوفی ۲۱۳ھ، امام ابوبکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ امام یحییٰ بن عبد الحمید حمانی متوفی ۲۲۸ھ، اور امام مسدد مسرہد متوفی ۲۲۸ھ وغیرہ ہیں، ان کے بعد بہت سے علماء نے اپنی اپنی مسانید جمع کیں، مثلاً مسند عبد بن حمید کشی، مسند نعیم بن حماد، مسند اسحٰق بن نصر، اور مسند امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، اور جب بعد میں باقاعدہ فقہی ترتیب پر احادیث کی تدوین کا دور آیا تو قدما کی تقریباً یہ تمام مدونات بعد کی کتابوں میں آگئیں، اور ان کے مصنفین نے اپنے سلسلۂ روایت سے ان حدیثوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا، اس کے بعد وہ قدیم مسانید یا تو نابید ہوگئیں یا عالم اسلام کے خال خال کتب خانوں میں اور اہل علم کے پاس محفوظ رہیں، اور ان کے نام بعد کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان کی احادیث کتابوں میں آج بھی ملتی ہیں مگر خود وہ کتابیں عام طور سے مفقود ہوگئیں یا متداول نہیں رہیں، البتہ مسند امام احمد اپنی جامعیت وضرورت اور جلالتِ شان

Marfat.com

کی وجہ سے مستعمل و متداول رہی، اور علمائے اسلام نے اس کے ساتھ پورا پورا اعتنا کیا، اس کے علاوہ مسانید میں جہاں تک ہمیں علم ہے مسند ابو داؤد طیالسی اور مسند ابو عوانہ کی اشاعت ہمارے ملک ہندوستان سے ہو سکی ہے مگر قدیم مسانید میں سے کوئی اب تک شائع نہیں ہوئی تھی اور اب مسند حمیدی کی اشاعت کی باری یہیں سے آئی ہے۔ یہ مسند مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے لکھی گئی اور اس کے مصنف امام حمیدی اپنے معاصرین میں اسد السنۃ اور عبید اللہ بن موسی کے بعد اور حمانی اور مسدد سے پہلے فوت ہوئے ہیں، آج کی مجلس میں ہم امام حمیدیؒ اور ان کی مسند کے بارے میں کلام کرنا چاہتے ہیں۔

امام حمیدیؒ

حضرت امام حافظ الحدیث فقیہ ابو بکر عبد اللہ بن زبیر بن عیسی قرشی، اسدی، حمیدی، مکی متوفی ۲۱۹ھ رحمۃ اللہ علیہ، اسلام کے محاسن و مفاخر میں سے ہیں، علم حدیث میں ان کا مقام بہت بلند ہے، ساتھ ہی تفقہ میں بھی بڑے مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، ان کے شیوخ میں امام سفیان بن عیینہؒ جیسے امام اسلام ہیں بلکہ آپ ان کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، نیز امام مسلم بن خالد زنجی، امام فضیل بن عیاض، اور امام عبد العزیز بن محمد دراوردی سے احادیث کی روایت کی، آپ کے تلامذہ میں امام بخاری جیسے امام حدیث شامل ہیں، نیز امام ذہلی، امام ابو زرعہ دمشقی، امام ابو حاتم رازی امام ابو اسمعیل سلمی اور امام بشر بن موسی وغیرہ نے آپ سے حدیث کی روایت کی، آپ کا شمار امام شافعی کے اصحاب کبار میں ہوتا ہے، صرف ایک استاد امام ابن عیینہ کی دس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں، ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ ابن عیینہ کی احادیث کے بارے میں حمیدی سب سے زیادہ اثبت و معتبر ہیں، ابن حبان نے کہا ہے کہ حمیدی بیس برس تک ابن عیینہ کی خدمت میں رہے ہیں۔ امام بخاری اپنے اس استاد کی ثقاہت و عدالت پر اس درجہ اعتماد رکھتے تھے کہ جب امام حمیدی سے ان کو کوئی حدیث پہونچتی تھی تو پھر کسی دوسرے سے اس کی روایت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ حمیدی حدیث کے امام ہیں ان کی جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ امام ابن عیینہ کی مجلس درس میں وہ اور امام شافعی

Marfat.com

ایک ساتھ بیٹھا کرتے تھے، اور ان کو امام شافعی کی معاصرت ہی حاصل نہیں تھی بلکہ وہ ان کے استاد بھائی بھی ہیں، اور امام شافعیؒ کی وفات کے بعد ان کے حلقۂ درس کے صدر نشین بنا کر بیٹھنا چاہا مگر امام صاحب کے تلمیذ رشید ابن عبد الحکم آڑے آگئے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بلغمی بدن کے کسی آدمی کو حمیدی سے زیادہ حافظہ والا نہیں دیکھا، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ حمیدی ہمارے نزدیک امام ہیں؛ فسوی نے کہا کہ میں نے حمیدی سے زیادہ اسلام اور اہل اسلام کا خیر خواہ کسی کو نہیں پایا، حاکم کا قول ہے کہ حمیدی اہل مکہ کے مفتی و محدث ہیں؛ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ ائمۂ دین ہمارے زمانہ میں شافعی، حمیدی اور ابو عبید ہیں؛ محمد بن عبد الرحمن ہروی کا بیان ہے کہ امام ابن عیینہ کی وفات کے فوراً ہی بعد میں مکہ مکرمہ گیا اور ان کے اجلِّ اصحاب کے بارے میں پوچھا تو سب لوگوں نے حمیدی کا نام لیا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام بخاری کے تذکرہ نگاروں میں سے ہر ایک نے تصریح کی ہے کہ حمیدی فقہ اور حدیث میں ان کے استاد ہیں؛

اسی طرح امام حمیدی کے بہت سے اقران و معاصرین نے ان کے فضل و کمال اور امامت کا اعتراف کیا، اور ان کے بارے میں سب ہی رطب اللسان ہیں، البتہ بعض واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغلوب الغضب تھے اگر کوئی شخص ان کی مرضی کے خلاف کچھ کہتا تو اس کے رد میں نہایت شدت اختیار کرتے اور اپنی جلالتِ شان کے خلاف بات کرتے، اس سلسلہ میں واقعہ بہت مشہور ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے انتقال کے بعد ان کے دو خصوصی تلامذہ یوسف بویطی اور ابن عبد الحکم میں ان کی جانشینی اور ان کے حلقۂ درس کی صدر نشینی کے بارے میں اختلاف پڑ گیا اور ہر ایک نے کہا کہ میں زیادہ مستحق ہوں، امام حمیدی نے جو اتفاق سے ان دنوں مصر ہی میں اس قضیہ کے وقت موجود تھے، کہا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ یوسف بویطیؒ سے زیادہ نہ کوئی دوسرا میری جانشینی کا مستحق ہے اور نہ ہی میرے تلامذہ میں ان سے بڑا کوئی عالم ہے، یہ سن کر ابن عبد الحکم نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو، اس کے جواب میں حمیدی نے کہا کہ تم جھوٹے، تمہارے باپ جھوٹے

Marfat.com

اور تمھاری ماں جھوٹی، اسی قسم کے ایک اور واقعہ کو امام احمد نے بیان کیا ہے کہ بشر بن سری الأفوہ نے ایک موقع پر کہہ دیا کہ ناضِرَۃٌ إلیٰ ربّھا ناظرۃ میں مجھے معلوم نہیں کہ کیا ہے یا اسی قسم کے الفاظ کہے تو اہل مکہ اور امام حمیدیؒ ان کے درپے ہوگئے اور سخت سست کہا، بشر بن سری الأفوہ نے اس بات پر معذرت بھی کی مگر انھوں نے ایک نہ سنی، بلکہ دارقطنی نے یہاں تک لکھا ہے کہ جب بشر بن سری الأفوہ کے خلاف یہ بات ہوئی تو انہوں نے قسم کھا کر حمیدی سے معذرت چاہی، مگر اس پر بھی انہوں نے ان کو معاف نہیں کیا اور کہا کہ بشر بن سری جہمی ہیں، ان سے احادیث کا لکھنا جائز نہیں ہے، حالانکہ یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ میں نے بشر بن سری کو دیکھا ہے کہ قبلہ رو ہو کر ان لوگوں کے لیے بددعا کر رہے ہیں، جنھوں نے ان کو جہمی ہونے کا الزام لگایا اور کہتے تھے کہ میں جہمی ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، ان دونوں واقعات سے امام حمیدی کی تند مزاجی اور خفگی و سختی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے، اسی ذہن مزاج سے انہوں نے امام ابو حنیفہؒ اور فقہاء عراق کو اپنا نشانہ بنایا، ان کے بارے میں کھل کر زبان کھولی اور اس سلسلہ میں ان کی ایک مستقل تصنیف کتاب الرد علی النعمان بھی ہے، مگر علماء و محدثین نے ان کی ان باتوں کا خیال نہیں کیا، چنانچہ علماء نے بشر بن سری أفوہ کو نہایت ثقہ راوی قرار دے کر ان کی احادیث کو قبول کیا حتیٰ کہ خود امام حمیدی کے تلمیذ خاص امام بخاری نے الجامع الصحیح میں بشر سے روایت کی ہے، اور بلا کسی نکیر کے ان کو مقبول و ثقہ مانا ہے۔

امام حمیدی ۲۱۹ھ میں مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے، ان کی تصانیف میں کتاب المسند بہت زیادہ مشہور متداول رہی، اس کے علاوہ ابن ابی حاتم رازی نے لکھا ہے کہ ابوبکر محمد بن عیسیٰ طبری نے امام حمیدی سے انکی کتاب الرد علی النعمان اور کتاب التفسیر روایت کی ہے۔

مسند حمیدی کی اہمیت و افادیت

مسند حمیدی کو ان کے متعدد تلامذہ نے ان سے روایت کی ہے جن میں بشر بن موسیٰ اسدی متوفی ۲۸۸ھ زیادہ مشہور ہیں، دوسرے راوی ابو اسمٰعیل سلمی متوفی ۲۸۰ھ ہیں، ان دونوں حضرات

Marfat.com

کے علاوہ بقول ابن حجر "غیر واحد" نے حمیدی سے اس کی روایت کی ہے، مگر آج دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مسند حمیدی کا جو مخطوطہ محفوظ ہے وہ صرف بشر بن موسی کی روایت کا ہے، اور اسی نسخہ کو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے مرتب و مدوّن فرمایا اور مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۸۲ھ و ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء) میں پہلی بار شائع کیا، مولانا کو اس کے چار قلمی نسخے مل سکے تھے، ایک کتب خانہ دار العلوم دیوبند میں جو ۱۳۲۴ھ کا مکتوبہ تھا، دوسرا کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد میں جو ۱۳۱۱ھ میں لکھا گیا تھا، تیسرا کتب خانہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد میں جو ۱۲۹۵ھ کا مکتوبہ تھا اور چوتھا دار الکتب الظاہریہ دمشق میں جو مائیکروفلم کے ذریعہ مسند حمیدی کی طباعت کے دوران ملا، اور مولانا نے اس سے بھی استفادہ کیا، ویسے دیوبندی اور سعیدی نسخوں کو اصل قرار دے کر کتاب کی تصحیح و تعلیق کی ہے۔

جیسا کہ معلوم ہوا جب حدیث کی باقاعدہ تدوین فقہی ترتیب پر کی گئی تو قدماء کی جوامع و مسانید اور معاجم کی احادیث جدید کتابوں میں آگئیں اور ان کی اکثر و بیشتر احادیث جدید تدوین کے مختلف ابواب میں داخل کرلی گئیں، اس کے بعد ان کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہی، مگر ان کی اشاعت کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ جو لوگ احادیث کے موجودہ سرمایہ کو تیسری اور چوتھی صدی کی پیداوار بتاتے ہیں، اور مستشرقین کی دسیسہ کاریوں کا شکار ہو کر تشکیک و تشکک میں مبتلا ہیں، اگر وہ عقل و انصاف سے کام لے کر احادیث کے ان قدیم ترین ماخذوں کو دیکھیں جن سے بعد میں احادیث کی کتابیں مرتب ہوئی ہیں، اور ان کے رواۃ و متون پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو جائے کہ مسلمان قوم کا یہ فخر ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور دنیا کی کوئی دوسری قوم اس بارے میں بھی مسلمان قوم کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی ہے، اور احادیث کے ان قدیم ذخیروں میں اور بعد کی کتابوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا، دوسرا فائدہ ان قدیم کتابوں کی اشاعت میں یہ ہے کہ ان میں جگہ جگہ احادیث کے متون و الفاظ پر اور رجال و رواۃ کے احوال پر ان کے مصنفین اور ان کے شیوخ کی آراء ملتی ہیں جن سے احادیث کی روایت و درایت کے

بارے میں سلف صالحین کے نظریات و افکار کا پتہ چلتا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ بعد کے کسی محدث نے اپنے سلسلہ سے کوئی حدیث بیان کی ہے اور قدماء کی کتابوں میں وہی حدیث ان کے سلسلۂ سند سے بعض الفاظ و تعبیرات میں مختلف ملتی ہے تو اس اختلاف سے بعض اوقات اہم مسائل حل ہو سکتے ہیں اور چوتھی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عہدِ رسالت سے قریب تر زمانے کے اسلامی علوم کا معتد بہ سرمایہ بلا کم و کاست ہمارے پاس آجاتا ہے جس میں دین اور دینی معاملات و مسائل کی صحیح روح نہایت سیدھے سادے انداز میں مل جاتی ہے، اور بعد کے عجمی اثرات یا نقطہائے نظر کے اختلافات کی آمیزش ان میں نہیں ہے۔

تعلیق و تصحیح

مولانا نے اس کتاب کی تصحیح ہی نہیں کی ہے بلکہ اس کی احادیث کی تخریج بھی ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ اس کی احادیث بعد کی کتبِ احادیث میں سے کن کن کتابوں میں کہاں موجود ہیں، کن طرق سے آئی ہیں اور ان میں کیا اختلاف ہے اس طرح کی تخریج کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کتاب کے دیکھنے سے ایک حدیث کے بارے میں بہت سی معلومات ہو جاتی ہیں یہ کام بڑا دقت طلب ہے، ساتھ ہی جہاں ضرورت محسوس ہوئی حدیث کے غریب الفاظ کی شرح و توضیح بھی کر دی ہے، ابتدا میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترتیب وار فہرست ہے جس کی مسانید اس کتاب میں موجود ہیں۔ پھر فقہی ترتیب پر احادیث کی فہرست بڑی عرق ریزی سے مرتب کی گئی ہے، اور مختلف مسانید کی احادیث کو ایک باب میں بیان کیا گیا ہے، اس کے بعد اعلام و امکنہ کی فہرست ہے پھر پُر مغز مقدمہ ہے جس میں امام حمیدی اور مسند حمیدی کے رواۃ کے حالات وغیرہ درج ہیں، آخر میں بتایا گیا ہے پوری کتاب میں کل ۱۳۰۰ حدیثیں ہیں جن میں اکثر و بیشتر مرفوع ہیں اور کچھ ایسے آثار ہیں جو صحابہ اور تابعین پر موقوف ہیں، مختلف فہارس اور مقدمہ وغیرہ کے علاوہ پوری کتاب دو جلدوں میں ۵۴۶ صفحات پر نہایت روشن ٹائپ میں طبع ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے اس نادر و نایاب کتاب کی تعلیق و تحقیق اور تصحیح میں موجودہ طرز

اوراس کی آسانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی وقتِ نظر سے کام لیا ہے، امام حمیدی اورمسند
حمیدی کے بارے میں اکثر باتیں اس کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں، مزید کے لیے تذکرۃ الحفاظ
ج ۲ صفحہ ۲ و ۳، طبقات الشافعیۃ الکبری، سبکی ج ۱ صفحہ ۲۶۲ و ۲۲۳ و ۲۷۵، تہذیب التہذیب
ابن حجر ج ۵ صفحہ ۲۱۵، فتح الباری ج ۱ صفحہ ۱۱، وج ۳ صفحہ ۳۲۷ وج ۹ صفحہ ۳۳ کتاب الجرح
والتعدیل ج ۱ قسم ۱ صفحہ ۴۰، وغیرہ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

(۱۱)

امام سعید بن منصور خراسانیؒ کی کتاب السنن

حضرت امام ابوعثمان سعید بن منصور خراسانی رحمہ اللہ، متوفی ۲۲۷ھ محدثین کرام کے طبقۂ اول سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کی کتاب السنن احادیثِ رسول کے ابتدائی سرمایہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور ہمیشہ سے علمائے اسلام میں مقبول و متداول رہی ہے، مگر حدیث کی بعض دوسری قدیم کتابوں کی طرح یہ بھی اب تک طبع ہو کر سامنے نہ آسکی تھی، اب محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدر آبادی ثم فرنساوی کی کوشش سے اس کی تیسری جلد ۱۳۸۵ھ میں ترکی کے کتب خانہ محمد پاشا کوپریلی سے دستیاب ہوئی ہے، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی تعلیق و تصحیح کے ساتھ اس کی طباعت و اشاعت مجلس علمی ڈابھیل و کراچی کے ذریعہ ہو رہی ہے[1]، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ امام سعید بن منصور، ان کی کتاب السنن اور اس کی تعلیق و تصحیح کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کر دی جائیں، تاکہ اہل علم اس کتاب کی عظمت و اہمیت کا اندازہ کر سکیں۔

امام سعید بن منصور کی جلالتِ شان کے لیے کافی ہے کہ ایک طرف ان کے اساتذہ شیوخ میں امام مالک، امام لیث بن سعد، امام سفیان بن عیینہ اور امام حماد بن زید جیسے ائمہ حدیث ہیں، تو دوسری طرف ان کے حلقۂ درس سے امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم اور ابوداؤد جیسے ائمہ پیدا ہوئے۔ ان کی کتاب السنن کی شہرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی نسبت سے صاحب السنن مشہور ہوئے، سنن پر ایسی کتاب بہت کم محدثین نے لکھی ہے، ہر موضوع پر احادیث

---

[1] دو جلدوں میں شائع ہو گئی۔

Marfat.com

رسول کے ساتھ آثار صحابہ کا جو سرمایہ اس کتاب میں ملتا ہے اس کی مثال دوسری کتابوں میں نہیں ملتی، اس کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے اس کی تیسری جلد کا جو ناقص نسخہ دستیاب ہوا ہے وہ تعلیق وتحشیہ کے بعد تقریباً نوسو ۹۰۰ صفحات میں آیا اور طباعت کے بعد اس کی ضخامت بارہ ۱۲ سو صفحات ہوگی۔

سعید بن منصور سعید بن منصور بن شعبہ نام، ابو عثمان کنیت، اور مجاور مکہ لقب ہے، خراسانی مروزی، بلخی اور طالقانی کی نسبت سے مشہور ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ خراسان کے شہروں مرو، بلخ اور طالقان سے ان کا اقامتی تعلق رہا، ایک قول کی بنا پر ان کی ولادت خراسان کے شہر جوزجان میں اور نشو ونما بلخ میں ہوئی، دینی وعلمی اسفار اور احادیث کے اخذ و روایت میں زندگی کا بیشتر حصہ گذرا، آخر میں مکہ مکرمہ میں اقامت و مجاورت اختیار فرمائی جہاں ۲۲۷ھ میں وفات پائی۔

امام سعید بن منصور کا تذکرہ یوں تو رجال و تواریخ کی تقریباً تمام کتابوں میں ہے، مگر سب سے اہم تذکرہ ان کے دو معاصروں کی کتابوں میں ہے، ایک امام ابن سعد ۲۳۰ھ کی طبقات کبیر میں، دوسرا امام بخاری ۲۵۶ھ کی تاریخ کبیر اور تاریخ صغیر میں، ان دونوں کے بعد تیسرا اہم تذکرہ امام ابن ابی حاتم رازی ۳۲۷ھ کی کتاب الجرح والتعدیل میں ہے، جو ان کے متقدم تذکرہ نگاروں میں سب سے مفصل ہے، ابن ابی حاتم رازی کی ولادت امام سعید بن منصور کی وفات کے کل تیرہ سال بعد ہوئی ہے، اس لیے اس کی اہمیت پہلے دونوں تذکروں سے کم نہیں ہے، بعد کے مورخوں اور تذکرہ نگاروں میں امام ابن جوزی ۵۹۷ھ نے المنتظم میں، امام ذہبی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ اور العبر فی خبر من غبر میں، امام ابن کثیر ۷۷۴ھ نے البدایہ والنہایہ میں، امام حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب میں اور ابن العماد ۱۰۸۹ھ نے شذرات الذہب میں امام سعید بن منصور کا تذکرہ کیا ہے، ان میں ذہبی، ابن کثیر اور ابن حجر کے تذکرے مفصل ہیں۔

Marfat.com

امام سعید بن منصور کا نام و نسب اور اجمالی حال ان کے معاصر مورخوں نے یہ لکھا ہے۔ ابن سعد لکھتے ہیں:۔

سعيد بن منصور، يكنى اباعثمان توفي بمكة سنة ۲۲۷ھ

سعید بن منصور کی کنیت ابوعثمان ہے ۲۲۷ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:۔

سعيد بن منصور مات بمكة سنة تسع وعشرين ومائتين ۲۲۹ او نحوها، ابوعثمان، خراسانی سكن مكة، وسمع عبيد الله بن اياد، وحجر بن الحارث[1]

سعید بن منصور نے ۲۲۹ھ میں یا اس کے قریب مکہ میں وفات پائی، ان کی کنیت ابوعثمان ہے خراسان کے رہنے والے تھے، مکہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، عبید اللہ بن ایاد اور حجر بن حارث سے احادیث کا سماع کیا؛

امام بخاری نے تاریخ صغیر میں سعید بن منصور کی وفات ۲۲۷ھ ہی بیان کی ہے، ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں؛

سعيد بن منصور، ابو عثمان سكن مكة ومات بها[2]

ابوعثمان سعید بن منصور نے مکہ میں سکونت اختیار کی اور وہیں وفات پائی۔

اس کے بعد ابن ابی حاتم نے اساتذہ و تلامذہ اور توثیق کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔
امام ذہبی لکھتے ہیں۔

سعيد بن منصور بن شعبة الحافظ، الامام الحجة، ابو عثمان المروزي، ويقال الطالقاني ثم البلخي، المجاور بمكة صاحب السنن[3]

سعید بن منصور بن شعبہ، حافظ حدیث امام اور حجت ہیں، ابوعثمان کنیت ہے، مروزی، طالقانی اور بلخی کی نسبت سے مشہور ہیں مجاور مکہ ہیں، ان کی تصنیفات میں کتاب السنن ہے

---

۱ تاریخ کبیر ج ۲، ق ۱ ص ۴۷۲ ۲ کتاب الجرح والتعدیل ج ۱ ق ۱ ص ۶۸ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵

Marfat.com

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

سعید بن منصور صاحب السنن المشهورة التی لا یشارکه فیها الا القلیل۔ (البدایة ۱۰/۲۹۹)

سعید بن منصور کتاب السنن کے مصنف ہیں، جس میں بہت کم لوگ ان کے مقام کو پہونچ سکے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

سعید بن منصور بن شعبة الخراسانی ابو عثمان المروزی ویقال الطالقانی یقال ولد بجوزجان ونشأ ببلخ وطاف البلاد، وسکن مکة ومات بها۔[1] (۴ - ص۸۹)

سعید بن منصور بن شعبۃ خراسانی کی کنیت ابو عثمان ہے، مروزی اور طالقانی کی نسبت سے مشہور ہیں ایک قول کے مطابق جوزجان میں پیدا ہوئے اور بلخ میں نشوونما ہوئی اور طلبِ علم میں بہت سے شہروں کا چکر کاٹا؛ آخر میں مکہ میں سکونت پذیر ہو کر وہیں فوت ہوئے

ابن العماد لکھتے ہیں:۔

ابو عثمان سعید بن منصور الخراسانی الحافظ، صاحب السنن[2] (۶۲)

ابو عثمان سعید بن منصور خراسانی حافظ حدیث اور کتاب السنن کے مصنف ہیں

اساتذہ وتلامذہ امام سعید بن منصور کی علمی زندگی دوسری صدی ہجری کے وسط سے شر[وع] ہوئی جس میں علوم حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہو گئی تھی، اور عالمِ اسلام ایک دارالعلم کی حیثیت رکھتا تھا، علمائے اسلام بڑے جوش کے ساتھ دنیائے [اسلام] میں گھوم گھوم کر احادیثِ رسول کی روایت میں مشغول تھے، امام سعید بن منصور نے [خراسان] طالقان، بلخ، مکہ مکرمہ اور دوسرے اسلامی ملکوں کے محدثین سے فیض اٹھایا، حافظ ا[بن]

[1] کتاب الجرح والتعدیل ج۲ ق۱ ص۶۸ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۵

Marfat.com

ان کے ان اسفار کو طاف البلاد کے جامع الفاظ سے تعبیر کیا ہے، ذہبی نے ان کے چند شیوخ کے نام لکھ کر وخلق اور ابن حجر نے جماعۃ لکھا ہے، جن اساتذہ کے نام تصریح کے ساتھ تراجم ورجال کی کتابوں میں آئے ہیں، وہ یہ ہیں، امام مالک، لیث بن سعد، عبید بن ایاد، حجر بن حارث، طعمہ بن عمرو، فلیح بن سلیمان، ابو معشر نجیح سندی، ابو عوانہ، حماد بن زید، ابو قدامہ، حارث بن عبید، داود بن عبد الرحمن، ابو الاحوص، سفیان بن عیینہ، مہدی بن میمون، ہشیم اور جریر بن عبد الحمید وغیرہ رحمہم اللہ۔

آپ کے تلامذہ واصحاب کی فہرست بھی بہت طویل ہے، ذہبی نے کچھ شاگردوں کے نام لکھ کر وخلق اور ابن حجر نے وطائفۃ اور ابن کثیر نے جماعۃ لکھ دیا ہے، چند کے نام یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، ابو زرعہ رازی، ابو زرعہ دمشقی، ابو بکر الاثرم، ابو داود، بشر بن موسیٰ، ابو شعیب حرانی محمد بن علی الصائغ، یحییٰ بن موسیٰ، ابو ثور، عبد اللہ دارمی، محمد بن علی بن میمون رقی، عباس ابن عبد اللہ سندی، عمرو بن منصور نسائی، ذہلی، حرب بن اسمٰعیل کرمانی، حسن بن محمد زعفرانی، احمد بن نجدہ بن عربان، احمد بن خلید حلبی، محمد بن خلیفہ بن صدقہ، ابو جعفر عنبر دیر عاقولی، عبد اللہ بن محمد بن اسمٰعیل بن لاحق بزاز، اور جعفر بن محمد بن قنقاع ابو محمد بغوی وغیرہ رحمہم اللہ،

ذہبی نے العبر میں اور ابن عماد نے شذرات الذہب میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری بھی ایک واسطہ سے آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

وقد روی البخاری عن رجل عنہ[1]	بخاری نے ایک واسطہ سے آپ سے روایت کی ہے،

ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام احمد نے اپنے استاذ سعید بن منصور کی زندگی ہی میں ان کے حوالہ سے روایت کی۔

واحمد بن حنبل حدث عنہ	احمد بن حنبل نے سعید بن منصور سے پڑھی ہوئی

---

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۹۹ طبع کویت وشذرات الذہب ج ۲ ص ۶۲۔

Marfat.com

وھو حیّی۔ حدیثوں کی روایت ان کی زندگی ہی میں کی:

کسی استاذ کے لیے یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ اس کی زندگی ہی میں اس کی بیان کی ہوئی احادیث اس کا شاگرد اپنے حلقۂ درس میں بیان کرے، ان کے تلامذہ میں محمد بن علی الصائغ اور احمد بن نجدہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنے استاذ کی کتاب السنن کی روایت کی ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

ومحمد بن علی بن زید الصائغ	محمد بن علی بن زید صائغ اور احمد بن نجدہ ابن
واحمد بن نجدۃ بن العریان	عریان ان دونوں نے سعید بن منصور کی
وھما راویا کتاب السنن عنہ	کتاب السنن کو ان سے روایت کیا، اور
(تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۰)	دوسروں کو پڑھایا۔

چنانچہ سنن سعید بن منصور کا جو نسخہ دستیاب ہوا ہے، وہ محمد بن علی بن زید الصائغ ہی کی روایت سے ہے:

حافظہ، ثقاہت اور تبحر ہمارے محدثین کرام کا حافظہ احادیث رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ ہے، امام سعید بن منصور کو بھی اس سے حصۂ وافر ملا تھا، ان کے شاگرد حرب بن اسمٰعیل کرمانی کا بیان ہے:۔

املی علینا نحواً من عشرۃ الآف	انھوں نے ہم کو تقریباً دس ہزار حدیثیں زبانی
حدیث من حفظہ ثم صنف بعد ذلک (ایضاً)	املا کرائیں، اس کے بعد تصنیف کا کام کیا۔

احمد بن صالح اور عبدالرحمٰن بن ابراہیم کا بیان ہے:۔

انھما حضرا یحیٰی بن حسان	ان دونوں نے یحیٰی بن حسان اور سعید بن
یقدمہ، ویری لہ حفظہ وکان	منصور کو سب پر ترجیح دیتے ہوئے دیکھا
حافظاً۔	ہے اور یحیٰی بن حسان خود ان کے حافظہ کے
(ایضاً)	قائل تھے، اور وہ حافظ حدیث تھے:

Marfat.com

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے،۔

حافظ، الامام، الحجۃ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵) سعید بن منصور حافظ، امام اور حجت ہیں،۔

ابن العماد نے بھی ان کو الحافظ کے لقب سے یاد کیا ہے، (شذرات الذہب ج ۲ ص ۶۲)

امام سعید بن منصور کے تبحر اور حافظہ کے لیے اتنی شہادتیں کافی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ان کو دس ہزار حدیثیں یاد تھیں، اور حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا تھا،

ان کے تبحر علمی کا اندازہ ذیل کی تصریحات سے بھی ہوتا ہے،

سلمہ بن شبیب کا بیان ہے کہ،

ذکرت سعید بن منصور لاحمد بن حنبل فأحسن الثناء علیہ وفخم امرہ۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵ والبدایۃ والنہایۃ ج ۱۰ ص ۹۹)

میں نے ایک مرتبہ امام احمد کے سامنے سعید بن منصور کا تذکرہ کیا تو امام صاحب نے ان کی بڑی تعریف کی اور ان کے علمی کام کی بڑی اہمیت ظاہر کی۔

محدثین کرام میں امام اسمٰعیل بن علیہ بڑے پایہ کے محدث تھے، سعید بن منصور ان کی احادیث کے راوی و ناشر تھے، ابوعبداللہ حاکم کا بیان ہے۔

وکان راویۃ ابن علیۃ واحد ائمۃ الحدیث۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۰)

سعید بن منصور امام ابن علیہ کے علم کے راوی و ناقل اور ائمہ حدیث میں ایک امام ہیں،۔

علوم حدیث میں ان کی جامعیت کی شہادت ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے ان الفاظ میں دی ہے۔

کان ممن جمع وصنف۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵ وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۰)

سعید بن منصور ان علماء میں سے تھے جنہوں نے احادیث کو جمع اور مدون کیا ہے،۔

تقریباً سب ہی ائمہ جرح و تعدیل امام سعید بن منصور کے ثقہ، حجت، متقن اور ثبت

Marfat.com

ہونے پر متفق ہیں، اور ان کی توثیق کا اعتراف شاندار الفاظ میں کیا ہے، امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے، حرب بن اسمٰعیل کا بیان ہے:۔

سمعت احمد بن حنبل يحسن الثناء على سعيد بن منصور۔	میں نے امام احمد کو سعید بن منصور کی اچھے انداز میں تعریف کرتے ہوئے سنا ہے،

سلمہ بن شبیب کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ:۔

ذكرت سعيد بن منصور لاحمد بن حنبل فأحسن الثناء عليه وفخم امره۔	میں نے امام احمد کے سامنے سعید بن منصور کا تذکرہ کیا تو انھوں نے نہایت اچھے الفاظ میں ان کی تعریف کی اور ان کے علمی کام کو اہمیت دی،

امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے۔

هو من اهل الفضل والصدق	سعید بن منصور ارباب فضل اور اہل صدق میں سے ہیں

ابن ابی حاتم رازی نے لکھا ہے۔

سألت ابي عن سعيد بن منصور فقال ثقة۔	میں نے اپنے والد ابو حاتم رازی سے سعید بن منصور کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ان کو ثقہ بتایا،

عیسیٰ بن بشیر کا بیان ہے۔

سألت محمد بن عبد الله بن نمير عن سعيد بن منصور فقال ثقة۔	میں نے محمد بن عبد اللہ بن نمیر سے سعید بن منصور کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں۔

ابو حاتم رازی کا قول ہے،۔

ثقة من المتقنين الاثبات۔	سعید بن منصور متقن اور ثبت ہیں،

محمد بن ابراہیم کا حال یہ تھا کہ:۔

اذا حدث عنه اثنى عليه وكان	جب سعید بن منصور کی احادیث کی روایت کرتے

Marfat.com

یقول حدثنا سعید و   توان کی تعریف کرتے ہوئے کہتے کہ ہم سے سعید نے
کان ثبتاً ۔   یہ حدیث بیان کی ہے، اور وہ ثبت تھے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں یہی الفاظ لکھے ہیں۔

خلیلی نے کہا ہے۔

ثقۃ ، متفق علیہ[1]۔   سعید بن منصور ثقہ ہیں، انکی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے

اسی طرح ابن فراش، ابن قانع، ابوزرعہ دمشقی، مسلمہ بن قاسم اور دیگر ائمہ محدیث نے امام سعید بن منصور کو ثقہ اور ثبت کہا ہے۔

ان تمام جہابذۂ علم وفن اور ائمہ جرح و تعدیل کی ان تصریحات کے مقابلہ میں یعقوب بن سفیان نے امام سعید بن منصور کے بارے میں کہا ہے ۔

کان اذا رأی فی کتابہ خطأ   وہ جب اپنی کتاب میں کوئی غلطی دیکھتے تو اس سے
لم یرجع عنہ   رجوع نہیں کرتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے انتہائی دیانتداری کی بنا پر یہ قول بھی نقل کر دیا ہے، مگر دوسرا کوئی شخص بھی اس میں یعقوب کا ہمنوا نہیں ہے، اس لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں۔

وفات اور عمر | باتفاق مورخین امام سعید بن منصور کی وفات مکہ مکرمہ میں رمضان ۲۲۷ھ میں ہوئی، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ۲۲۹ھ لکھ کر "اونحوھا" لکھا ہے، مگر تاریخ صغیر میں ۲۲۷ھ ہی کو اختیار فرمایا ہے، ابن یونس نے جائے وفات مکہ مکرمہ کے بجائے مصر بتائی ہے، ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں رمضان ۲۲۷ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات کی تصریح کر کے لکھا ہے۔

قلت وھو فی عشر التسعین   اس وقت ان کی عمر نوے کی دہائی میں تھی۔

۲۲۷ھ میں وفات کے وقت اگر سعید بن منصور کی عمر اسی اور نوے کے درمیان میں تھی۔

---

[1] ان اقوال کے لیے کتب محولہ بالا ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

تو اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۴۰ھ کے قریب ہوئی ہوگی؛

کتاب السنن امام سعید بن منصور نے اس دور میں آنکھ کھولی جب پورے عالم اسلام میں احادیث کی تدوین ہو رہی تھی، ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کا درمیانی زمانہ احادیث کی تدوین وتالیف کا ابتدائی زمانہ ہے، ہر اقلیم کے ائمۂ حدیث نے اپنی مرویات واحادیث کو اسی دور میں مدون کیا اور اسی کے بعد محدثین کرام نے احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ ان کی جمع وتدوین کا سلسلہ بھی جاری رکھا، چنانچہ امام سعید بن منصور نے یہ دونوں کام انجام دیے، مگر کتاب السنن کے علاوہ ان کی اور کسی تصنیف کا تذکرہ نہیں ملتا، ان کی تصنیفی خدمت کا تذکرہ ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے اس طرح کیا ہے۔

وکان ممن جمع وصنّف - سعید بن منصور احادیث کے جامع ومصنف تھے۔

کتاب السنن اپنی زندگی کے آخری دور میں جب مکہ مکرمہ میں مقیم تھے، لکھی، مکہ مکرمہ میں ۲۲۷ھ میں وفات ہوئی، اس کے پہلے اور ۲۱۹ھ کے بعد یہ کتاب لکھی تھی، آپ کے شاگرد حرب بن اسمٰعیل کرمانی کا بیان ہے۔

کتبتُ عنہ سنۃ ۲۱۹ھ، املی علینا ‏ میں نے ان سے ۲۱۹ھ میں احادیث لکھیں،

نحواً من عشرۃ الاف حدیث من حفظہ ‏ انہوں نے ہمیں تقریباً دس ہزار حدیثیں

ثم، صنف بعد ذلک۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۹۰) زبانی لکھائیں، اس کے بعد تصنیف کا کام کیا

یہی وجہ ہے کہ کتاب السنن کی روایت آپ کے بہت سے تلامذہ میں سے صرف دو نے کی، جو آخر تک آپ کی خدمت میں رہے، یا بعد میں شاگرد ہوئے، ایک محمد بن علی بن زید الصائغ، اور دوسرے احمد بن نجدہ بن عربان؛

یہ تعجب انگیز ہے کہ سنن سعید بن منصور احکام میں حدیث کی بڑی جلیل القدر کتاب ہے، اور اس کا زمانۂ تصنیف صحیحین اور سنن اربعہ سے پہلے ہے، اس کے باوجود ان کے دو معاصر تذکرہ نگاروں ابن سعد اور امام بخاری میں سے کسی نے اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا، اور نہ

Marfat.com

ابن ابی حاتم رازی نے اس کا نام لیا، جو کہ سعید بن منصور کے تھوڑے دنوں بعد ہوئے ہیں، بعد میں اس کتاب کی اہمیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ امام سعید بن منصور اپنی اسی کتاب کی نسبت سے مشہور ہوئے، چنانچہ آٹھویں صدی ہجری میں ان کو اس کتاب کی نسبت سے صاحب السنن کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، سب سے پہلے امام ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ اور العبر فی خبر من غبر میں اور امام ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے البدایہ والنہایہ میں صاحب السنن لکھا[1] بلکہ ابن کثیر نے اس کتاب کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ:۔

صاحب السنن المشھورۃ... التی لا یشارکہ فیھا القلیل۔ — سعید بن منصور کی کتاب السنن وہ مشہور کتاب ہے جس میں بہت کم لوگ ان کی ہمسری کر سکے۔

ابن عماد متوفی ۱۰۸۹ھ نے بھی شذرات الذہب میں اسی نسبت سے آپ کا تعارف کرایا ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آٹھویں صدی سے پہلے سنن سعید بن منصور مشہور و متعارف نہیں تھی، سعید بن منصور کے دو شاگردوں نے اپنے زمانہ میں اس کی روایت کی تھی، اور سنن کی دیگر کتب کی طرح اس کا بھی رواج ہوا، اور علمائے اسلام نے اپنی تصنیفات میں اس کی احادیث وآثار کو درج کیا اور اس کو احادیث کی معتبر و مستند کتابوں میں شمار کر کے اپنا ماخذ بنایا، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث حافظ ابو العباس احمد بن عبد اللہ محب الدین، طبری، مکی رحمہ اللہ، متوفی ۶۹۴ھ نے حج و مناسک کی مشہور کتاب "القریٰ لقاصد ام القریٰ" میں سنن سعید بن منصور سے بہت زیادہ احادیث وآثار نقل کئے ہیں، اس کا شاید ہی کوئی صفحہ اس کی احادیث وآثار سے خالی ہو، اور بہت سے ابواب میں صرف اسی کی احادیث وآثار درج ہیں ساڑھے چھ سو صفحات کی اس کتاب میں جگہ جگہ اخرجہ سعید بن منصور، اخرجہ سعید بن منصور، اخرجہما سعید بن منصور، اخرجہن سعید بن منصور، خرج جمیع ذالک سعید بن منصور، اخرجہا سعید بن منصور فی سننہ کی تصریح موجود ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنن سعید بن منصور

[1] العبر ج اص ۲۹۹ میں "صاحب السیر" ہے جو صاحب السنن کی محرف شکل ہے اور یہ طباعت کی غلطی یا کتابت کی خطا ہے۔

Marfat.com

ہیں حج ومناسک سے متعلق کس قدر مستند اور کس کثرت سے احادیث و آثار درج ہیں، بعد کی کتابوں میں سنن سعید بن منصور کو سنن وصحاح کی دوسری مشہور و مستند کتابوں کی طرح معیاری کتاب قرار دے کر اس کو ماخذ بنایا گیا۔

سنن سعید بن منصور کا موجود نسخہ

جیسا کہ ابتدا میں کہا گیا ہے، اس نادر و نایاب کتاب کی تیسری جلد وہ بھی ناقص محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی کوشش سے ۱۳۸۰ھ میں ترکی کے مشہور کتب خانہ محمد پاشا کوپریلی سے دستیاب ہوئی، یہ مخطوطہ نہایت خوشخط ہے، اس کی پشت پر مصنف ابن ابی شیبہ درج تھا، مگر اندرونی شہادتوں سے پتہ چلا کہ یہ سنن سعید بن منصور کا ٹکڑا ہے، اس جلد میں حسب ذیل ابواب و کتب ہیں:۔

(۱) باب الحث علی تعلیم الفرائض، من کتاب الفرائض (۲) کتاب ولایۃ العصبۃ (۳) کتاب الوصایا (۴) کتاب النکاح (۵) کتاب الطلاق (۶) کتاب الجہاد

اس جلد کی ابتدا، بسم اللہ کے بعد اس عبارت سے ہوتی ہے:۔

اخبرنا الأنماطی، قال أبنأ الکرجی رحمہ اللہ، قال أبنأ ابوعلی بن شاذان قراءۃ علیہ وانا أسمع، قال آنا السجستانی قال آنا محمد بن علی الصائغ، قال ثنا سعید بن منصور، قال باب الحث علی تعلیم الفرائض۔ حدثنا ابوعوانۃ وابوالاحوص وجریر بن عبدالحمید عن عاصم الاحول عن مورق العجلی، قال قال عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تعلموا الفرائض الخ۔

یہ نسخہ ربیع الاول ۵۲۵ھ میں دمشق کے قریب عبادیۃ نامی قریہ میں محمد بن احمد بن علی خطیب کے قلم سے لکھا گیا ہے، آخری صفحہ کے خاتمہ پر ترقیمہ کی یہ عبارت ہے:۔

"آخر کتاب الجہاد، کتبہ العبد الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالیٰ محمد بن احمد بن علی الخطیب یومئذ بقریۃ العبادیۃ من مرج دمشق رحمہ اللہ وغفر لہ وکان الفراغ من کتابتہ العشر الاول من شہر ربیع الاول سنۃ خمس وعشرین

Marfat.com

وسبعمائۃ من الهجرۃ النبویۃ؛

اس جلد میں اسلام کے شخصی قوانین اور عائلی زندگی کے بارے میں بہت سے ایسے واقعات اور احادیث و آثار موجود ہیں جو حدیث کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتے، نکاح و طلاق وغیرہ معاشرتی زندگی کے متعلق صحابۂ کرام کے بہت سے آراء اور فتاوے ہیں کتاب الجہاد میں عہد صحابہ کے بین الاقوامی امور و معاملات سے متعلق عہد نامے پائے جاتے ہیں، جن سے رومیوں اور ایرانیوں اور خلافتِ اسلامیہ کے تعلقات و معاملات کی نوعیت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔

اس کے مکمل نسخہ کا اب تک پتہ نہیں چل سکا ہے، صرف تیسری جلد کا ناقص نسخہ دستیاب ہو سکا ہے، جو انشاء اللہ پوری کتاب کے لیے مقدمۃ الجیش ہوگا۔

Marfat.com

(۱۲)

فضل اللہ الصمد

توضیح الادب المفرد

تقسیم ہند کے بعد سے یہاں کے مسلمانوں میں انتشار و پریشان کا جو عالم برپا ہے اور جو پُر آشوبی شباب ہے اسے دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ یہاں اسلامی علوم وفنون کی ٹھوس خدمت انجام پاسکتی ہے، اور یہاں کے علماء وفضلاء بھی عالم اسلام کے ارباب علم وفضل کی طرح علمی وتحقیقی کام کرسکتے ہیں، مگر الحمد للہ کہ اس دور میں بھی اس ملک میں ایسے اساطین علم و تحقیق موجود ہیں جو رات دن علمی ودینی امور میں منہمک رہ کر اسلامی علوم کے خالص دینی موضوعات عربی زبان میں کام کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں حدیث ورجال کی قدیم کتابیں تعلیق وتصحیح کے بعد شائع کرنا، شروح وحواشی اور مستقل کتابیں لکھنا سب کچھ ہو رہا ہے، پھر اجتماعی طور سے زیادہ انفرادی طور سے کام ہو رہا ہے اور یہاں کے علماء اپنے طور پر وہ کام کر رہے ہیں جو آج دنیا کے علمی حلقہ میں ادارے، اکاڈمیاں اور جماعتیں کر رہی ہیں، اس دور میں ہندوستان کے اسلامی ادب عالی میں عربی زبان میں جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اور شائع ہوئی ہیں، ان میں فضل اللہ الصمد شرح الادب المفرد، از مولانا فضل اللہ صاحب گیلانی، مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح از مولانا عبید اللہ صاحب مبارک پوری، امانی الاحبار شرح معانی الآثار از مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، رجال السند والہند اور العقد الثمین از قاضی اطہر مبارکپوری خاص طور سے نمایاں ہیں اور پورے عالم اسلام کے علمی ودینی کارناموں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں، یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں ان کتابوں کے ساتھ اعتناء کیا گیا، ان کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے اس گئی گزری حالت میں بھی اس ملک میں ایسے اہل علم موجود ہیں جو پورے انہماک سے اپنا کام

Marfat.com

کر رہے ہیں اور ان کی علمی خدمات دنیائے اسلام میں سعی مشکور بن کر نمایاں ہو رہی ہیں، اس وقت ہم فضل اللہ الصمد پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

الادب المفرد کی اہمیت

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الجامع الصحیح حدیث کی وہ کتاب ہے جسے امت محمدیہ نے "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" مانا ہے، اس کے علاوہ بھی امام بخاریؒ کی متعدد قیمتی تصانیف ہیں جن میں الادب المفرد اپنی خصوصیت کے اعتبار سے خاص اہمیت و عظمت رکھتی ہے، اس کتاب میں امام صاحب نے ان احادیث رسول، آثار صحابہ اور اقوال و احوال تابعین کو چھوٹے چھوٹے ابواب کے ماتحت جمع کیا ہے، جو ایک مسلمان فرد کی دینی و اسلامی زندگی کے لیے معیار ہیں، یہ کتاب اسلامی اخلاقیات کے لیے جامع قوانین ہے۔ ہمارے علم میں اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے ایک مستقل کتاب خلیفہ ہارون رشید کی خواہش و فرمائش پر لکھی تھی جو "رسالۃ الامام مالک الی ہارون الرشید" کے نام سے مشہور ہے اور مصر میں چھپ چکی ہے، اردو میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے، راقم نے بھی "مسلمان" کے نام سے اس کی تلخیص و ترجمہ کیا ہے اور دو بار یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ نیز احادیث کی کتابوں میں کتاب الادب اور دیگر ابواب و فصول کے تحت اخلاقی احادیث موجود ہیں مگر اس موضوع پر الادب المفرد مستقل دستور حیات کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کتاب کی تقریباً نصف احادیث صحیح بخاری کے مرتبہ کی ہیں اور نصف احادیث سے کم صحیح مسلم کے مرتبہ کی ہیں اور باقی حدیثیں صحت میں سنن سے زیادہ مرتبہ کی ہیں، نیز اس میں امام بخاری نے ان بہت سی احادیث کو موصول بیان کر دیا ہے، جن کو صحیح بخاری میں تعلیقاً درج کیا ہے، اس میں وہ احادیث بھی ہیں جن کے کسی راوی یا کسی لفظ کے بارے میں محدثین کو ذہول ہو گیا تھا، امام بخاری نے ان کو اس کتاب میں نہایت واضح طور پر بیان کیا ہے، اور اس کی سب سے نمایاں اہمیت و خصوصیت یہ ہے کہ

Marfat.com

اس میں بہت سے ایسے آثار واخبار ہیں جو احادیث کی دوسری کتابوں میں نہیں ملتے، ان تمام خصوصیات کی وجہ سے الادب المفرد اسلامی اخلاق وآداب کے ساتھ احادیث وآثار کا مستند ترین مجموعہ ہے، اس کا ایک خلاصہ امام سیوطیؒ نے المنتقیٰ کے نام سے کیا تھا جیسا کہ چلپی نے کشف الظنون میں لکھا ہے، مگر اس اہمیت وعظمت کے باوجود یہ کتاب امام بخاری کی بعض دوسری کتابوں کی طرح ان کی الجامع الصحیح اور التاریخ الکبیر کی عظمت وشہرت کی وجہ سے ابھر نہ سکی اور اس کے ساتھ بہت کم اعتنار ہو سکا۔

طباعت واشاعت

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کی مقبولیت کا بھی ایک خطہ اور زمانہ ہوتا ہے، قدماء کی کتنی ہی اہم کتابیں ہیں جو ہمارے زمانہ میں رائج ہوئیں، الادب المفرد کا بھی یہی حال ہوا، اور آخری دور میں ہندوستان کے علماء اسے منظر عام پر لانے کا شرف رکھتے ہیں، جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس کی طباعت واشاعت، ترجمہ اور شرح کا فخر یہیں کے علماء کو حاصل ہے، البتہ دو بار قسطنطنیہ میں طبع ہوئی تھی، یہ کتاب ہندوستان میں پہلی بار ۱۳۰۶ھ مطبع خلیلی شاہ آباد (آرہ) میں چھپی، پھر ۱۳۴۹ھ میں مطبع الشیخ عبد الو التازی مصر میں دو قسم کے کاغذ پر طبع ہوئی، میرے کتب خانہ میں اسی طباعت کی ہے، ان د مصر سے اس کا جدید ایڈیشن نئے طرز کی تعلیق وتحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے جس میں فضل اللہ کے بھی حوالے موجود ہیں ـــ اس کا پہلا اردو ترجمہ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم توفیق الباری کے نام سے ۱۳۰۶ھ میں مطبع مفید عام آگرہ میں چھپوایا، دوسرا اردو ترجمہ مول عبد الغفار صاحب مہدانوی بہاریؒ نے مطبع خلیلی آرہ میں ۱۳۰۹ھ میں طبع کرایا، نیز کتاب کے قلمی نسخے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود تھے، چنانچہ تین ن کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد ہی میں موجود تھے، اور اس کا ایک مخطوط کتب خانہ ظاہریہ میں تھا، ان تمام مطبوعہ ومخطوطہ نسخوں کو سامنے رکھ کر حضرت مولینا فضل اللہ صاحب گی سابق استاذ تفسیر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اس کی بہترین شرح فضل اللہ الصمد شرح

Marfat.com

المفرد کے نام سے لکھی، اور اس اہم کتاب کو اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کا محور و مرکز بنا کر اس کا وہ حق ادا کیا جو اب تک علمائے امت کے ذمہ قرض کے طور پر باقی تھا، اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو دارین میں جزائے خیر دے۔

اس شرح کی خصوصیت

مولینا موصوف نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اور بہترین کوشش اس کی شرح کے لیے وقف فرمائی، مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں مقابلہ کیا، غیر ممالک سے بعض قلمی نسخوں کے فوٹو منگوائے، علمائے اسلام اور بعض مستشرقین سے خط و کتابت کی، اس میں اب تک جو غلطیاں چلی آرہی تھیں ان کی تصحیح کی سند کے رُواۃ و رجال کی تحقیق کر کے ان کے حالات لکھے، شرح میں قدما کی پیروی کرتے ہوئے جدید حالات کی پوری پوری رعایت رکھی، احادیث و آثار کی تخریج کر کے بتایا کہ الادب المفرد کی حدیثیں کن کتب احادیث میں موجود ہیں، اور کون ایسی احادیث ہیں جو صرف اسی کتاب میں ہیں۔ دوسری کتابوں میں نہیں مل سکتی ہیں، محدثانہ مباحث کے ساتھ فقہی مسائل اور دوسرے مسائل و مباحث حسب ضرورت بیان کئے، احادیث کی شرح میں جہاں حدیث و فقہ کی دوسری کتابوں اور شرحوں کے حوالے اور اقتباسات دیئے ہیں معمولی تصرف و تغیر سے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی، اور چونکہ شارح ایک علمی اور روحانی خانوادہ کے ممتاز فرد ہیں اور صلاح و تقویٰ اور علم و فضل کی وراثت رکھتے ہیں اس لیے احادیث کی شرح اور رواۃ و رجال کے تراجم میں روحانیت محسوس ہوتی ہے، محدثانہ اور فقیہانہ موشگافیاں اور علمی و فنی مباحث اس شرح کے جزء جزء سے ظاہر ہوتے ہیں، رواۃ و رجال کی تلاش و تحقیق میں سعی بلیغ کی ہے نیز ایک ایک حدیث اور اثر کی تعلیق و تصحیح کے ساتھ ان کے متعدد فہارس و جداول تیار کیے ہیں، اور فہرست میں صفحہ اور باب کے نمبر کے ساتھ اس باب میں جو احادیث اور آثار آئے ہیں ان کی الگ الگ تعداد بتائی ہے، احادیث و آثار کی تخریج اور ان کی فہرست سازی بڑی عرق ریزی سے کی گئی ہے اور تفصیل سے بتایا ہے کہ صحاح ستہ میں کس کس نمبر کی احادیث

Marfat.com

ہیں اور صحاح ستہ میں سے کس کتاب میں کون سی حدیث ہے، اور کس کتاب میں نہیں ہے، اور سنن، مسانید، اور جوامع کی کن کن کتابوں میں کون کون سی احادیث موجود ہیں اس جدول کے بعد ان اساتذہ و شیوخ کا جدول ہے جن سے امام بخاری نے الادب المفرد میں روایت کی ہے، پھر اسماء و اعلام، قبائل اور مقامات کی فہرست ہے، الغرض فضل اللہ الصمد سالہا سال کی محنت شاقہ کے نتیجہ میں اہل علم کے سامنے آئی ہے،

۱۳۸۱ھ میں حجاز کے مشہور مخیر تاجر یوسف زینلی علی رضا کے زیر اہتمام و انتظام مطبع سلیفہ مصر میں طبع ہوئی، اور مصر کے قدیم محقق و محشی شیخ محب الدین الخطیب کی نگرانی میں طباعت کا کام انجام پایا ہے، مگر بے شمار مطبعی اغلاط نے کتاب کی اہمیت پر بٹہ لگا دیا ہے، جس کے لیے شارح ہر طرح معذور اور اہل علم کی ہمدردی کے مستحق ہیں، بہترین سفید کاغذ پر دو جلدوں میں چھپی ہے، جلد اوّل کے کل صفحات ۶۴۸ - اور جلد ثانی کے ۷۳۶ ہیں، اس طرح تقریباً چودہ سو صفحات میں غالباً دنیا میں سب سے پہلے الادب المفرد کی شرح چھپ کر شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

(۱۳)

مصحف عثمانی کا ایک مطبوعہ ٹکڑا (سورہ یٰسین)

ماہ معارف (دسمبر ۱۹۶۰ء) میں محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (فرانس) کا ایک مکتوب شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے مجھ سے قاضی رشید بن زبیر اور راجہ رہمی کے بارے میں تحقیق کی خواہش ظاہر فرماتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ "چند سال قبل رسالہ معارف نے مجھ سے پوچھا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے نسخہ قرآن کی موجودگی کی کیا حقیقت ہے، اس پر میرا جواب بھی چھپا تھا کہ اس کا عکس لے کر زار روس نے چھاپا تھا، اب اس کی کچھ مزید تفصیلیں بھی ملی ہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس کا نسخہ برٹش میوزیم میں نہیں (جیسا کہ میں نے لکھا تھا) ڈرہام یونیورسٹی میں ہے، میں نے اس کا میکرو فلم منگایا ہے، اگر آ جائے تو انشاء اللہ کچھ تفصیل آئندہ عرض کروں گا۔"

اس مصحف کے بارے میں معلومات کی فراہمی بڑی اہم چیز ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق میرے جو معلومات ہیں میں بھی ان کو پیش کر دوں، یہ مصحف عثمانی زار روس کے زمانہ میں شہر پٹرس برگ کے شاہی کتب خانہ میں موجود تھا، ۱۹۰۵ء میں ایک روسی عالم عبداللہ بن الیاس بن احمد شاہ بورغانی قرمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقدس صحیفہ سے سورۂ یٰسین فوٹو بلاک کے ذریعہ چھاپی تھی، جس کا ایک نسخہ بمبئی کے مشہور فرنیچر تاجر جناب الحاج احمد غریب صاحب مرحوم کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ تھا، ہمارے علم میں ہندوستان میں اس کا صرف یہی ایک نسخہ تھا۔ ۱۹۲۵ء جب مرحوم احمد بھائی صاحب اور ان کے اخوان حج و زیارت کے لیے گئے تو مدینہ منورہ میں ایک روسی مہاجر عالم سے انھوں نے یہ نسخہ

Marfat.com

بہت بڑی رقم کے بدلے حاصل کیا جب فروری ۱۹۵۷ء میں سابق حاکم قطر الشیخ علی بن عبداللہ بن قاسم الثانی بمبئی آئے تھے تو انھوں نے بھی اس کی زیارت کی، اور زیادہ سے زیادہ قیمت پر اسے حاصل کرنے کا اشارہ کیا مگر اس کے مالکوں نے جدا نہ کیا میں اس محفل میں ترجمان تھا۔

ناشر کا تعارفی بیان

یہ سورۂ شریفہ ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، جدول کے اندر کی چوڑائی ۹½ انچ اور لمبائی ۱۰½ انچ ہے، ہر صفحہ میں ۱۱ سطریں ہیں، اور لمبائی میں ہے ٹائٹیل پر تین سطریں اس طرح ہیں۔

یٰسین شریف

طبع برخصۃ النظارۃ المطبوعات؟ فی بطر بورغ شہر اپریل ۱۹۰۵ء

طبع بمطبع الیاس میرزا البورغانی القریمی فی بطر بورغ۔

اس کے آخر میں خاتمۃ الطبع کے طور پر ترکستانی زبان میں ایک تحریر ہے جس میں تفصیل کے ساتھ مصحف عثمانی پر روشنی ڈالی گئی ہے، ہم نے بمبئی مقیم ایک ترکستانی مہاجر عالم سے اس کا ترجمہ عربی زبان میں کرایا، اسی کا اردو ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے اس ترجمہ در ترجمہ کے باوجود مصحف عثمانی کی پوری تفصیل معلوم ہوتی ہے، ملاحظہ ہو اس کے طابع و ناشر شیخ عبداللہ بن الیاس بن احمد شاہ بورغانی قریمی آخر میں لکھتے ہیں کہ ۲۶ء ۱۸۸۳ء کو میں نے اپنے وطن مالوف سے مقام پیٹرس برگ کی طرف ہجرت کی، اور اس شہر میں مستقل طور سے رہنے لگا، ۱۸۸۹ء کی بات ہے کہ میں نے پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانہ کی سیر کی اور اس کے شعبۂ مخطوطات کے قدیم قلمی نوادر کا مطالعہ کیا، اس نادر خزانہ میں ہر مذہب و ملت کی کتابیں ہیں، ایک دن حسن اتفاق سے ایک بڑی الماری کے اندر خط کوفی میں ایک قدیم مصحف شریف نظر پڑا، میں نے ادب و احترام کے ساتھ اس کی زیارت کی، بغور دیکھنے سے پتہ چلا کہ قرآن شریف کا یہ نادر و نایاب قلمی نسخہ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مبارک زمانہ کی باقیات صالحات میں سے

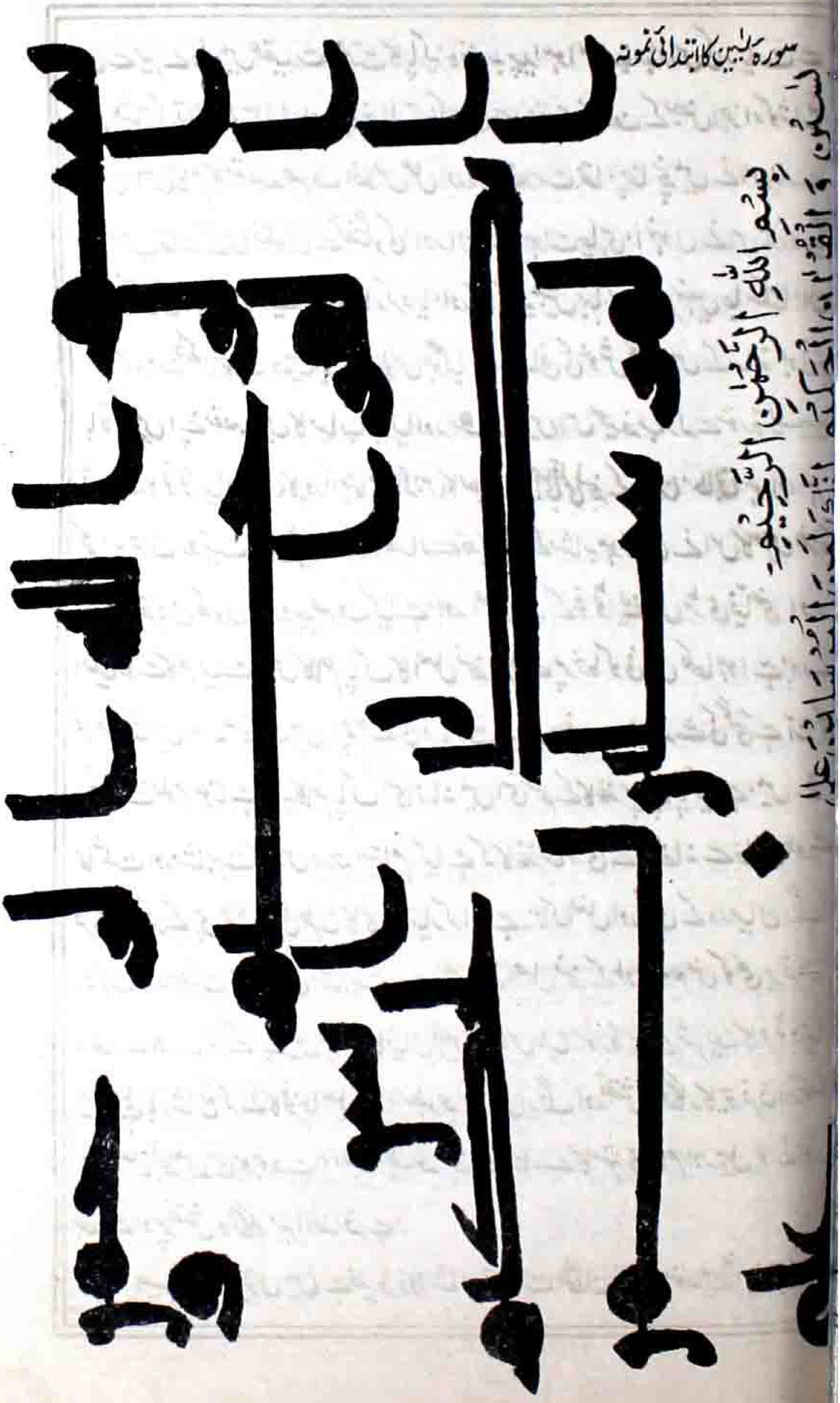

Marfat.com

اس سے میرے دل میں عقیدت و محبت کا پاکیزہ جذبہ پیدا ہوا، اور بار بار اس کی زیارت سے اپنے عشق کی تواضع کرتا رہا، اور مجھے خیال آیا کہ میں اس مقدس مصحف کے بعض اجزاء کو شائع کروں، اس کام کا مقصد صرف اخلاص عمل اور دینی خدمت تھا، چنانچہ میں نے اس بارے میں کتب خانہ کے محافظوں سے گفتگو کی، اور ان سے سہولت چاہی، انہوں نے اس نادر و نایاب نسخہ کی نقل کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ بیش بہا نسخہ باہر نہیں جا سکتا، ان کے اس ہمت شکن جواب سے میں ایک گونہ مایوس ہو گیا، مگر انسان کی خوش بختی اس کے ساتھ ہوتی ہے بالآخر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ۱۹۰۵ء میں اس صحیفہ مبارکہ سے سورۂ یٰسین شریف کا فوٹو لیا اور اس کا پورا اہتمام کیا کہ اس کا مطبوعہ نسخہ اصلی قلمی نسخہ کے عین مطابق ہو اور ہر کلمہ، ہر حرف رویت اور حیثیت کے اعتبار سے قدیم نسخہ کے مشابہ ہو، میں نے اس کام میں اخراجات سے قطع نظر دل کھول کر روپیہ صرف کیا ہے، اور اصل نسخہ کے فوٹو لینے میں بڑی فیاضی اور احتیاط سے کام لیا ہے، اس کلام پاک کا اصل نسخہ چمڑے پر خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، پورے کلام اللہ میں ۷۰۶ صفحات ہیں، چمڑے کی دباغت عجیب و غریب طریقہ سے کی گئی ہے آج بھی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام پاک اسی زمانہ میں اسی قسم کے کاغذ پر چھاپا گیا ہے، میں نے مماثلت اور مشابہت کا اس درجہ اہتمام کیا ہے کہ کاغذ سازی کے کارخانہ سے خاص طور پر فرمائش کر کے ہی چمڑے کی طرح کا کاغذ تیار کرایا ہے۔ تاکہ اصل اور نقل کے درمیان رنگ، رویت اور ہیئت میں بالکل مشابہت رہے، میں نے اصل نسخہ کے طول و عرض کو بھی برقرار رکھا ہے اور سائز کے بے میل ہونے کا خیال نہیں کیا اس طرح سورۂ یٰسین شریف کا فوٹو دنیا میں پہلی بار شائع کرنے کا فخر حاصل کیا، مطبوعہ نسخہ میں رنگ اور نقش و نگار کا جو فرق اور تنوع ہے، اصل نسخہ میں بھی موجود ہے، البتہ مطبوعہ نسخہ کے کنارے کا سنہری کام اور بیل بوٹے اور جلد کے اوپر نقش و نگار میرا اضافہ ہے۔

جیسا کہ تاریخوں میں ہے خلیفہ ذی شان حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اپنے حجرہ

میں قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے کہ آپ کی شہادت ہوگئی اور آپ کے خون کا قطرہ صحیفہ شریفہ کی آیت فَسَیَکْفِیکَهُمُ اللّٰهُ وهو السمیع العلیم پر پڑا، زیر بحث نسخہ وہی کلام پاک ہے، اور اس آیت شریفہ پر خون کے دھبے نظر آتے ہیں، شہادت عثمان کے اس مقدس خون کی وجہ سے یہ نسخہ شریفہ اہم ترین اسلامی آثار میں شمار ہوتا ہے، اس بنا پر ہمارا ارادہ ہے کہ کسی وقت ہم اس صفحہ کو بھی شائع کریں گے جس پر اس پاک خون کا نشان ہے۔

سورۂ یٰسین کی اشاعت کے بعد اگر ہمارے مسلمان بھائی اس کا احترام کر کے اس عاجز کی خدمت کریں گے اور معمولی مادی نفع پر اسے خرید کر ہمارے لیے مصارف کی آسانی بہم پہونچائیں گے تو ہم اس مقدس نسخہ کو بھی پوری کوشش کر کے شائع کر دیں گے"۔

(توضیح) اس چیز نے مجھے استعجاب و حیرت کے سمندر میں ڈال دیا کہ یہ قدیم کلام پاک خط کوفی میں تیرہ سو سال پہلے لکھا گیا ہے اس کے باوجود اس میں عجیب عجیب باریکیاں اور محاسن ہیں، جب ان صفحات کو کنارے کی طرف سے ٹیڑھا کر کے دیکھا جاتا ہے تو حروف شیشے کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اس کی روشنائی کی رنگت قہوہ جیسی ہے، (کتھئی رنگ کی) اس میں بہت سے صفحات کی کتابت انتہائی واضح اور روشن ہے، اس کا رنگ نہ بدلا ہے، اور نہ شکل و صورت میں کوئی فرق آیا ہے، حالانکہ ہمارے زمانہ میں جو صنعت و حرفت اور علم و فن کا زمانہ ہے، اور جس میں نقش و نگار اور رنگ و روغن نہایت پائدار اور عمدہ طور سے بنائے جاتے ہیں، اور اس زمانہ میں نہایت کاریگری سے تیار ہوا رنگ تین چار سال کے بعد بدل جاتا ہے، مگر یہ قدیم قرآن شریف اپنے رنگ و روغن کے اعتبار سے بھی بالکل اصلی حالت میں ہے، اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ یہ سورۂ یٰسین شریف ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، عبد اللہ الیاس بن احمد شاہ ابو رغانی القریمیؒ ساکن شہر پیٹرس برگ، حقوق طبع بحق صاحب استنساخ محفوظ ہیں"۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ روس کے شہر پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانہ میں

۱۹۰۵ء تک مصحف عثمانی کا وجود تھا، جس کے بارے میں یہ قیمتی معلومات ہیں، ایک مرتبہ اس مصحف شریف کا وہ حصہ جس پر خون کے دھبے ہیں فوٹو بلاک کا مطبوعہ نظر سے گزرا تھا کارڈ سائز پر تھا، غالباً یہ بھی اسی طابع وناشر عالم کی کوشش سے شائع ہوا تھا، ہوسکتا ہے کہ انقلاب روس کے بعد یہ مکمل نسخہ ڈرہام یونیورسٹی میں منتقل ہوگیا ہو، خدا کرے محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اس کی تلاش میں کامیاب ہوجائیں، اگر اس کا مکمل نسخہ روس میں ہوتا تو کمیونسٹ حکومت ضرور اس کا پروپیگنڈا کرتی، کیونکہ وہاں کے معمولی معمولی اسلامی مخطوطات کا شدومد سے پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔

مختلف استدراکات

جنوری ۱۹۶۱ء کے معارف میں اس مضمون کے شائع ہوتے ہی ملک کے بہت سے اہل علم وتحقیق مصحف عثمانی کے روس میں ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوچنے لگے اور گویا اس سلسلے میں ایک نیا باب کھل گیا، اتفاق سے اسی ماہ کے رسالہ سویٹ ویس میں جو کہ روس کے ہندوستانی سفارت خانہ کی طرف سے شائع ہوتا ہے ایک مستقل مضمون مصحف عثمانی پر شائع ہوا، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اب تک تاشقند کے کتب خانہ میں موجود ہے، ان ہی دنوں مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی رامپوری نے مجھے لکھا کہ انہوں نے ۱۹۵۸ء میں جب روس کا سفر کیا تو وہاں اس مصحف کے بارے میں تلاش وتحقیق کی تھی۔

ان سب معلومات کو سامنے رکھ کر اپریل ۱۹۶۱ء کے معارف کے شذرات میں مصحف عثمانی پر مفصل بحث کی گئی اور لکھا گیا کہ اس مصحف کے بارے میں کئی استفسارات آئے ہیں، اس بحث کی ابتدا میں درج ہے کہ روس میں مصحف عثمانی کے نام سے کلام مجید کا جو نسخہ پایا جاتا ہے اس کے بارے میں اخباروں میں بھی خبریں آچکی ہیں، اور بعض مضامین بھی نکل چکے ہیں جنوری کے معارف میں بھی ایک مختصر مضمون شائع ہوا ہے، ان میں سب سے مستند اطلاع وہ ہے جو روس کے ہندوستانی سفارت خانے کے رسالہ سویت دیس کے جنوری نمبر میں شائع

ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصحف کسی زمانہ میں تیمور کے کتب خانہ میں تھا، پھر یہاں سے سمر قند کی مسجدِ احرار میں منتقل ہوگیا، ۱۸۶۸ء میں جب روس نے بخارا پر قبضہ کیا تو روسی گورنر جنرل وان کاف مان اول نے اس کو معمولی قیمت میں خرید کر سینٹ پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانے میں داخل کر دیا، ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد مسلمانوں نے اس کا مطالبہ کیا، ان کے مطالبہ پر لینن نے واپس دلا دیا، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصحف اس وقت تاشقند کے کتب خانہ میں ہے، لیکن مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی کا بیان ہے کہ اس کی فوٹو کاپی تاشقند میں ہے، جس کو انہوں نے ۱۹۵۸ء میں سفرِ روس کے موقع پر خود دیکھا تھا، (معارف اپریل ۱۹۶۱ء) ان ہی دنوں ترقی پسند شاعر سردار جعفری روس گئے ہوئے تھے، اور انھوں نے ۲۸ اپریل ۱۹۶۱ء کو تاشقند میں مصحف عثمانی کی زیارت کی، جس کی تفصیل معارف (اگست ۱۹۶۱ء) میں "مصحفِ عثمانی کے متعلق ایک عینی شہادت" کے عنوان سے شائع ہوئی، ہمارے نزدیک بعض وجوہ کی بنا پر یہ بیان سب سے مفصل اور معتبر ہے، وہ لکھتے ہیں آج (۲۸ اپریل ۱۹۶۱ء) میں نے مصحف عثمانی کی زیارت کی، یہ مصحف ایک صندوق میں مقفل رہتا ہے، اور عام طور سے لوگوں کو نہیں دکھایا جاتا ہے؛ آج کل میوزیم بھی بند تھا لیکن ازبکستان کے دوستوں کی مہربانی سے مجھے آج اس کو دیکھنے کی اجازت مل گئی، میں اپنا کیمرہ لے گیا تھا لیکن تصویر لینے کی اجازت نہیں تھی، ہاں یہ وعدہ ضرور کیا تھا کہ یا تو اس کا مائکرو فلم یا چند صفحات کی تصویریں سوویت سفارت خانے کے ذریعہ میرے پاس بھیج دی جائیں گی، یہ قرآن ۵۳ × ۶۸ سینٹی میٹر کے ۳۵۳ صفحات پر لکھا ہوا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مکمل ہے، قرآن کا رائج نسخہ اسی بنیاد پر تیار ہوا ہے[1] نہایت نفیس اور جلی قلم سے خطِ کوفی میں کتابت کی گئی ہے، خون کے دھبے اب تک موجود ہیں، صفحات کا رنگ ایک طرف سے ہلکا زرد اور دوسری طرف سے سفید ہے، کیونکہ تحریر کے لیے ہرن کی کھال کا نہایت موٹا چمڑا

---

[1] یہ بات صحیح نہیں ہے کہ قرآن کا موجودہ نسخہ اسی مصحف عثمانی پر تیار ہوا ہے۔

Marfat.com

استعمال کیا گیا ہے، میوزیم کی ڈائرکٹر انتیس تیس برس سے ایک خاتون نفلیسہ صادق ہیں، انھوں نے بتایا کہ صفحات اور خون کے دھبوں کے کیمیکل امتحان سے اس کی قدامت کا صحیح اندازہ کیا گیا ہے، اس نسخے کے علاوہ خط کوفی میں ایسے ہی تین اور نسخے تھے، لیکن اب وہ نایاب ہیں، صرف چند صفحات برٹش میوزیم لندن میں محفوظ ہیں؛

نفلیسہ صادق کے بیان کے مطابق مصحف عثمانی چودھویں پندرھویں صدی عیسوی تک سلاطین ترکی کے قبضے میں تھا، قسطنطنیہ سے تیمورلنگ اس کو سمرقند لے آیا، ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ سمرقند میں ایک شخص خواجہ احرارؒ تھا، (حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ) اس کے کچھ مرید مکہ معظمہ سے واپس آرہے تھے، قسطنطنیہ کے دوران قیام میں ایک مرید نے وہاں کے ایک پاشا کو بیماری سے اچھا کیا، صحت یاب ہونے کے بعد پاشا نے جب اس کو منہ مانگا انعام دینا چاہا تو اس مرید نے مصحف عثمانی مانگ لیا، جو پاشا کے پاس تھا، پاشا نے تامل کیا لیکن اس کے مصاحبوں نے رائے دی کہ وعدہ خلافی ٹھیک نہیں ہے، آپ تین دن کے لیے یہ مصحف اس شخص کو دیدیجیے اور تین دن کے بعد اس کو کچھ اچھی رقم دے کر واپس لے لیجیے گا، لیکن وہ مرید زیادہ چالاک نکلا، مصحف عثمانی کے ہاتھ آتے ہی وہ قسطنطنیہ سے روانہ ہو گیا تین دن بعد اس کی تلاش کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ سمرقند جا چکا ہے، انیسویں صدی کے وسط میں جب ترکستان کے علاقے روسی سلطنت میں شامل کر لیے گئے تو ۱۸۶۳ء میں اسی علاقے کے گورنر کی نظر خواجہ احرار کی مسجد میں مصحف عثمانی پر پڑ گئی، اس نے مسجد کے لیے سو روبل دیئے اور مصحف عثمانی کو سینٹ پیٹرس برگ کے کتب خانے میں بھیج دیا، ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس کے فوراً بعد لینن نے اس کو مشرقی اقوام کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا، اس طرح یہ نسخہ لینن گراڈ سے پہلے تاتاریہ کے علاقہ میں آیا اور پھر وہاں سے تاشقند کی انقلابی سویت کے پاس پہنچا اور اب ازبکستان کی راجدھانی تاشقند کے تاریخی میوزیم میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

(۱۴)

قاضی رشید بن زبیر غسّانی کی

کتاب الذخائر والتحف

معارف اپریل اور مئی ۱۹۶۰ء میں راقم الحروف کا ایک مقالہ بعنوان "ہند و عرب کے قدیم علمی اور ثقافتی تعلقات" شائع ہوا تھا جو قاضی رشید بن زبیر کی کتاب الذخائر والتحف سے ماخوذ تھا، اور اس کتاب کو محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس) نے ایڈٹ کیا تھا، یہ مقالہ پڑھ کر ڈاکٹر صاحب نے جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب ایڈیٹر معارف کو ایک خط لکھا جو معارف دسمبر ۱۹۶۰ء میں ایڈیٹر صاحب کے نوٹ کے ساتھ شائع ہوا اور اسی نمبر میں اس خط کے معاً بعد میرا مضمون "قاضی رشید بن زبیر غسانی اسوانی مصری متوفی محرم ۵۶۳ھ" میں شائع ہوا، اسکے بعد معارف فروری ۱۹۶۱ء میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک محاکمہ بعنوان "الذخائر والتحف کس کی تصنیف ہے" چھپا، ہم بالترتیب اڈیٹر معارف کا نوٹ، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا مکتوب، اپنا مقالہ اور مولانا کا محاکمہ درج کرتے ہیں، اہل علم و تحقیق اس دل چسپ بحث سے فائدہ اٹھائیں۔

مکتوب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب (پیرس)

"ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس خط میں قاضی رشید کے بارے میں جس التباس کا اظہار کیا ہے اور اس کی تحقیق کی جانب قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کو توجہ دلائی ہے، اتفاق سے قاضی صاحب اس خط کی اشاعت سے پہلے ہی اس کے متعلق اپنی تحقیق لکھ چکے تھے، جس کو اس خط کے ساتھ ہی اس نمبر میں شائع کیا جا رہا ہے۔" "م"

مخدوم و محترم، سلام مسنون، رسالہ معارف جلد ۸۵ میں فاضل محترم اطہر مبارک پوری

Marfat.com

نے مسلسل دو قسطوں میں "عرب و ہند کے قدیم علمی و ثقافتی تعلقات" کے عنوان سے جدید دریافت وشائع شدہ نادر کتاب الذخائر والتحف للقاضی الرشید بن الزبیر پر تبصرہ فرمایا اور اقتباسات کا ترجمہ کیا، فاضل مقالہ نگار کی دو چیزوں پر کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں، وہ لکھتے ہیں کہ القاضی الرشید نامعروف نہیں ہے بلکہ محترم پروفیسر عبدالعزیز میمنی صاحب نے اس کا حال کئی کتابوں میں پایا ہے، قصہ یہ ہے کہ ابن خلکان اور یاقوت نے جس القاضی الرشید کا ذکر کیا ہے، اس کی وفات ۵۶۱ھ یا ۵۶۲ھ میں ہوئی ہے، اور ہماری کتاب کی اندرونی شہادت یہ ہے کہ اس کا مولف اس سے تقریباً ایک صدی قبل فوت ہو چکا ہے۔ ابن خلکان میں القاضی الرشید القاضی الرشید بن القاضی رشید کا ذکر ہے، میرا گمان ہے کہ ہماری کتاب پوتے کی نہیں بلکہ دادا کی ہے (لیکن دادا کے حالات نہیں ملتے) کتاب میں میرے دیباچے کے الفاظ کا یہی منشار ہے۔

اسی طرح وہ راجہ دھمی یا رہمی پر قطعی فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ اسے کیا پڑھنا چاہئے اور وہ کون ہے، میں نے بہ کثرت تحقیقی مقالوں کے حوالے دیئے ہیں کہ وہ فضلار بھی کسی نتیجے پر نہیں پہونچ سکے اور نہیں بتا سکے کہ اس معرب لفظ کی اصل کیا ہے اور اس کا کس تاریخی شخص پر اطلاق ہونا چاہئے، اگر محترم مبارک پوری صاحب ان سارے مقالوں کو پڑھ اور ان کے دلائل کی تنقید کر کے کوئی فیصلہ صادر فرمائیں تو علم کی بڑی خدمت ہوگی، اور ایک وبربینہ بحث ختم ہو سکے گی، ظاہر ہے کہ محض دعوٰی کافی نہیں، دلائل کی ضرورت ہے۔

(نیاز مند محمد حمید اللہ اتوار ۱۲ ربیع الانور ۱۳۸۰ھ پارس)

یہ مکتوب معارف مذکور کے صفحہ ۴۹ اور ۵۰ پر شائع ہوا اور اسی کے بعد معاً صفحہ ۵۱ سے راقم کا مندرجہ ذیل مقالہ شائع ہوا ملاحظہ ہو۔

لہ "ہند و عرب کے قدیم علمی و ثقافتی تعلقات" اور "راجہ رہمی اور ہندوستان کے دوسرے راجے" یہ دونوں مقالے میری کتاب "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" میں شائع ہو چکے ہیں۔

Marfat.com

قاضی رشید بن زبیر غسانی اسوانی مصری متوفی محرم ۵۶۳ھ	اپریل اور مئی ۱۹۶۰ء کے معارف میں راقم الحروف کا ایک مقالہ بعنوان "ہند و عرب کے قدیم علمی

اور ثقافتی تعلقات" شائع ہوا تھا، جو قاضی رشید بن زبیر کی کتاب الذخائر والتحف سے ماخوذ تھا، اس کے شروع میں ہم نے لکھا تھا:

"اور چونکہ ڈاکٹر (حمید اللہ صاحب حیدر آبادی فرنساوی) صاحب کو ان کا مفصل تذکرہ کہیں نہیں مل سکا اس لیے کتاب الذخائر والتحف کے مختلف مقامات سے مصنف کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے، جو نہایت مختصر اور نامکمل ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر لکھا ہے:- واما القاضی الرشید (او المھذب) ابو الحسین احمد بن رشید بن القاضی الزبیر المذکور عند الغزولی والمقریزی فلم نعثر علی ترجمتہ فی الکتب المتداولۃ ولکن الشھادۃ الداخلیۃ تخبرنا عن عصرہ وبعض احوالہ۔

—— اس کے بعد موصوف نے کتاب الذخائر والتحف سے چند عبارتیں نقل کی ہیں، اور ان سے نتیجہ نکالا ہے کہ قاضی رشید بن زبیر پانچویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔

نیز ڈاکٹر صاحب نے مقریزی کی کتاب الخطط کی ایک عبارت عن القاضی المھذب ابن الزبیر کو نقل کر کے لکھا ہے:- وقد رأینا ان کلمۃ المھذب فی ذکر القاضی المھذب ابن الزبیر صفۃ ولیس لعلم (ص۱۲) اس طرح ڈاکٹر صاحب نے قاضی رشید بن زبیر اور قاضی مہذب بن زبیر کو ایک ہی شخص مانا ہے، جیسا کہ ان کی اوپر کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے، حالانکہ قاضی رشید بن زبیر متوفی محرم ۵۶۳ھ چھٹی صدی ہجری میں گزرے ہیں اور قاضی مہذب بن زبیر ان کے حقیقی بھائی ہیں۔

علامہ ابن خلکان نے ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ وفیات الاعیان میں کیا ہے اور قاضی رشید بن زبیر کے تفصیلی ذکر میں ان کے بھائی قاضی مہذب بن زبیر کا ضمنی تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ قاضی رشید بن زبیر کا تذکرہ مشہور محدث حافظ ابو طاہر سلفی نے

اپنی بعض تعلیقات میں اور کاتب عماد نے کتاب السیل اور ذیل میں کیا ہے،

قاضی رشید کے یہ دونوں سوانح نگاران کے ہمعصر اور ان کی وفات کے بعد ان کی وفات ہوئی ہے۔

حافظ ابو طاہر سلفی (صدر الدین احمد بن احمد بن محمد بن محمد بن ابراہیم سلیفہ) اصفہانی شافعی مشہور حافظ حدیث ہیں، ذیعقدہ ۵۱۱ھ میں ثغر اسکندریہ گئے اور وہاں اقامت اختیار کی، دور دور سے لوگ ان کے پاس آکر حدیث کا سماع کرتے تھے، ان کے امالی اور تعلیقات بہت مشہور ہیں، جن میں انھوں نے قاضی رشید بن زبیر کا بھی تذکرہ کیا ہے، اصفہان میں ۴۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ثغر اسکندریہ میں ۵ ربیع الآخر ۵۷۶ھ میں وفات پائی،[1] ان کے معاصر قاضی رشید بن زبیر ۵۶۳ھ میں مصر میں فوت ہوئے اور ۵۵۹ھ میں ثغر اسکندریہ میں دواوین سلطانیہ کے نگراں مقرر کیے گئے تھے، جیسا کہ آئندہ حافظ سلفی کے بیان سے معلوم ہوگا۔

اور عماد الدین الکاتب نے (محمد بن صفی الدین ابو الفرج محمد بن نفیس الدین ابو الرجاء حامد بن محمد بن عبد اللہ) بغداد کے مدرسۂ نظامیہ میں فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، خلافیات اور ادبی علوم وفنون میں یکتا، شاعری، اور انشاء پردازی میں یگانہ تھے، سلطان نور الدین زنگی کے دربار سے متوسل ہوگئے، اور سلطان صلاح الدین اور امیر شیر کوہ کے ساتھ اس دور کے انقلابات میں حصہ لیا، اسی زمانہ میں مصر میں قاضی رشید بن زبیر بھی تھے۔ عماد الدین نے ابو المعالی سعد بن علی قذانی خطیری کی کتاب زینۃ ومیۃ الدہر کا ایک ذیل خریدۃ القصر وجریدۃ العصر کے نام سے لکھا ہے اسی ذیل میں قاضی رشید بن زبیر کا تذکرہ کیا ہے، ان کی ولادت ۵۱۹ھ میں اصفہان میں اور وفات رمضان ۵۹۷ھ میں دمشق میں ہوئی ہے[2]

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲ ملاحظہ ہو۔ [2] تفصیل کے لیے ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۸۸ تا ۱۹۱ ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

قاضی رشید بن زبیر کے ان دونوں معاصروں نے ان کا اور ان کے بھائی قاضی مہذب بن زبیر کا تذکرہ کیا ہے اور ان ہی دونوں کے حوالے سے علامہ ابن خلکان نے نقل کیا ہے، قاضی رشید کا نام احمد ہے، مگر ان کے دادا کے وقت سے نام کے ساتھ رشید کی صفت ملتی ہے، چنانچہ بیٹا باپ اور دادا تینوں قاضی اور رشید کے لقب سے مشہور ہوئے، چھٹی پشت میں زبیر نامی اُن کے مورثِ اعلیٰ ہیں، نسلی تعلق قبیلہ غسان سے اور وطن مصر کا مشہور شہر اسوان تھا، ڈاکٹر صاحب نے ان کا مسقط الرس کرمان بتایا ہے، حالانکہ کرمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابن خلکان نے اُن کے ترجمہ میں جو ابتدائی عبارت لکھی ہے اس سے یہ تمام باتیں معلوم ہوجاتی ہیں، وہ لکھتے ہیں۔ القاضی الرشید ابوالحسین احمد بن القاضی الرشید ابی الحسن علی بن القاضی الرشید ابی اسحاق ابراھیم بن محمد بن الحسین بن الزبیر الغسانی الاسوانی[1]

پھر لکھتے ہیں:۔

کان من اھل الفضل والنباھۃ	قاضی رشید فضل و شرافت اور عزت و شہرت
والریاسۃ، صنف کتاب الجنان	کے مالک تھے، انہوں نے کتاب الجنان و
ودیاض الاذھان، وذکر فیہ	ریاض الاذہان نامی کتاب لکھی ہے جس
جماعۃ من مشاھیر الفضلاء	میں مشاہیر فضلاء کے حالات لکھے، اور
ولہ دیوان شعر۔	اس کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ ان کے بھائی قاضی مہذب ابومحمد حسن کا بھی شعروں کا ایک دیوان ہے، یہ دونوں بھائی نظم و نثر میں طرزِ خاص کے مالک تھے، پھر قاضی مہذب کے ایک قصیدہ کے چند اشعار اور دوسرے قصیدہ کا ایک شعر نقل کر کے لکھا ہے کہ ان کے تمام اشعار اچھے ہیں انھوں نے سب سے پہلا شعر ۵۲۶ھ میں کہا، عماد کاتب نے ان کا تذکرہ کتاب السیل

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص۵۳ طبع ایران قدیم،

Marfat.com

اور اپنے ذیل میں کیا ہے، یہ اپنے بھائی رشید سے زیادہ بلند پایہ شاعر ہیں اور رشید ان کے مقابلہ میں تمام علوم کے عالم ہیں۔

قاضی مہذب قاہرہ میں جب ۵۶۱ھ میں فوت ہوئے، یعنی قاضی رشید سے تقریباً دو سال پہلے ان کے بھائی قاضی مہذب کا انتقال ہوا، اس کے بعد ابن خلکان لکھتے ہیں کہ قاضی رشید کا تذکرہ حافظ ابوطاہر سلفی نے اپنے بعض تعلیقات میں کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قاضی رشید اپنے منشا اور پسند کے خلاف ۵۵۹ھ میں ثغر اسکندریہ میں شاہی دفاتر کے نگراں مقرر کئے گئے، اور محرم ۵۶۳ھ میں ظلم و زیادتی سے قتل کر دئے گئے۔

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حافظ ابوطاہر سلفی ذیقعدہ ۵۱۱ھ میں ثغر اسکندریہ گئے اور مدت العمر وہیں رہ کر ربیع الآخر ۵۷۶ھ میں فوت ہوئے، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی رشید کے ثغر اسکندریہ میں شاہی دفاتر کے نگراں بنائے جانے کا واقعہ حافظ سلفی کی موجودگی میں ہوا، اس لیے یہ شاہد عینی کی شہادت ہے۔

آگے چل کر علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ عماد نے بھی قاضی رشید کا ذکر کتاب السیل میں اور خریدہ کے ذیل میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

الخضم الزاخر والبحر العباب ذكرته في الخريدة واخاه المهذب قتله شاور ظلما لميله الى اسد الدين شيركوه في سنة ثلاث وستين وخمسمائة - كان اسود الجلد، سيد البلد، اوحد عصره في علم الهندسة والرياضيات والعلوم الشرعيات والآداب الشعريات۔

یہ علم کا بحر بے پایاں تھے، میں نے ان کا اور ان کے بھائی مہذب کا ذکر اپنی کتاب خریدہ میں کیا ہے، ان کو شاور نے ۵۶۳ھ میں اس لیے قتل کیا ہے کہ یہ اسد الدین شیرکوہ کے خیرخواہ تھے، رنگ سیاہ تھا، شہر اسوان میں سرداری کا درجہ حاصل تھا، ہندسہ ریاضی اور شرعی علوم و آداب میں اپنے زمانہ میں یکتا تھے۔

Marfat.com

اس کے بعد عماد نے امیر عضد الدین ابو الفوارس مرہف بن اسامہ کی روایت سے قاضی رشید کے پانچ اشعار نقل کئے ہیں۔

پھر عماد کاتب کی کتاب الخریدہ سے شاور کے بارہ میں ان کے دو اور تین دوسرے اشعار نقل کیے ہیں، عماد سے محدث عیسی یمنی نے بغداد میں ۵۵۱ھ میں بیان کیا تھا کہ قاضی رشید نے اپنے یہ اشعار مجھے سنائے تھے، اور ابن جلیس بن حباب کے تین اشعار درج کیے ہیں جو اس نے قاضی رشید کے پاس لکھ بھیجے تھے، پھر چند اشعار ابو الفتح محمود کاتب کے درج کئے ہیں، جن میں قاضی رشید کے سیاہ رنگ کا مذاق اڑا گیا تھا۔

قاضی رشید ایک مرتبہ شاہی نمایندہ کی حیثیت سے یمن گئے اور وہاں حکمرانوں کی مدح میں اشعار کہے تھے چنانچہ علی بن حاتم ہمدانی کی توصیف میں یہ اشعار تھے:۔

لئن اجدبت ارض الصعید و اقحطوا | فلست انال القحط فی ارض قحطان

اگر سرزمین مصر اور وہاں کے لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے تو مجھے یہاں قحطان کی سرزمین میں قحط کی پروا نہیں ہے

ومن کفلت لی بمآرب بمآربی | فلست علی اسوان یوما باسوان

جب سے مآرب نے میری ضروریات کی کفالت کرلی مجھے ایک دن بھی اسوان کا افسوس نہیں ہوا،

وان جهلت حقی زعانف جندف | فقد عرفت فضلی عطارف همدانی

اگر میری قدر و منزلت کو حقیر و معمولی لوگ نہ پہچان سکے تو میرے فضل و کمال کو ہمدان کے بہادروں نے پہچانا ہے

قاضی رشید کے یہی اشعار ان کی موت کا سبب بنے،

فحسده الداعی فی عدن علی | عدن میں مقیم فاطمی داعی نے ان پر حسد کیا اور یہ

ذالك لکتب بالابیات الی صاحب | اشعار والی مصر کے پاس لکھ بھیجے، جو اسکی برہمی

مصر فکانت سبب الغضب علیه | کا سبب بنے، اس نے ان کو گرفتار کر کے مصر والی

فامسکه وانفذه الیهم مقیدا | کے پاس بھیج دیا، اور جو کچھ ان کے پاس تھا،

مجردا واخذ جمیع موجوده | سب چھین لیا، قاضی رشید ایک مدت تک

Marfat.com

فاقام بالیمن مدۃ ثم رجع الی مصر   یمن میں مقیم رہے، پھر وہ گرفتار ہو کر مصر واپس

فقتلہ، شاور کما ذکرناہ۔   ہوئے اور شاور نے ان کو قتل کر دیا۔

ابو شجاع شاور بن مجیر بن نزار مصر کا وزیر تھا، اس نے صلاح الدین ایوبی کے چچا

اسد الدین شیر کوہ سے مقابلہ کیا، جس کے نتیجہ میں ۵۶۴ھ میں مارا گیا، اور اسد الدین

کو وزیر ہوا، شاور کے قتل کے بعد مصر میں سنت کا قیام ہوا، اور ایک مدت کے بعد

بنو عباس کا خطبہ پڑھا گیا، شاور فاطمی شیعہ تھا، اس لئے قاضی رشید اس کے مقابلہ میں

اسد الدین شیر کوہ کے طرفدار تھے، اس لیے اُن کے قتل کا ایک سبب یہ بھی تھا، اسد

شیر کوہ بڑا نیک نفس تھا، اُس نے بڑے دینی کارنامے انجام دیئے، اس کی موت کے

ایک مدت کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس نیک بخت کی لاش قاہرہ سے مدینہ

منورہ لے جا کر دفن کی گئی، اسے مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلّم سے بڑا عشق تھا۔

ان تصریحات سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

۱۔ قاضی رشید پانچویں صدی ہجری میں نہیں تھے، بلکہ اُن کی وفات اُن کے

دو ثقہ اور معاصر تذکرہ نگاروں کی تصریح کے مطابق محرم ۵۶۳ھ میں ہوئی، اور

چھٹی صدی میں تھے۔

۲۔ خراسان میں فاطمیوں کے مرکزی شہر کرمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا

وہ کبھی کرمان آئے بلکہ مصر کے شہر اُسوان کے رہنے والے تھے، جو اس زمانہ میں معمولی شہر

جو آج کل اسوان بند کی وجہ سے عالمی شہرت رکھتا ہے۔

۳۔ ان کی شیعیت کے بارے میں ان کے معاصر تذکرہ نگاروں نے کوئی تصریح نہیں

بلکہ ان کی تحریروں اور اسد الدین شیر کوہ کی طرف قاضی رشید کے میلان سے جس کی پاداش

میں وہ قتل کیے گیے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنی تھے، اگر وہ شیعہ ہوتے، تو حافظ حدیث

ضرور ظاہر کرتے، یا اس کی طرف اشارہ کرتے۔

Marfat.com

۴ - مہذب بن زبیر قاضی رشید بن زبیر کے حقیقی بھائی ہیں، اور مہذب کا لفظ قاضی رشید کی صفت نہیں ہے۔

۵ - اب جب کہ قاضی رشید کا تذکرہ اُن کے دو معاصر ثقہ راویوں کے ذریعہ مل گیا، اور ان کی تصریح سے معلوم ہو گیا کہ وہ محرم ۵۶۳ھ میں فوت ہوئے، تو محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے کتاب الزخائر کی عبارتوں سے ان کا زمانہ جو قیاس کیا تھا، وہ صحیح ثابت نہیں رہا۔ مثلاً۔

۱ ھدی میخائیل سنة ۴۴۴ھ مع رسول لہ ھدایا جلیلة شاھدت جمیعھا بتنیس میں ۴۴۴ھ قاضی رشید کے ان ہدایا کو دیکھنے کی تاریخ نہیں ہے، بلکہ میخائیل کے ہدایا بھیجنے کی تاریخ ہے، اسی طرح اخبرنی خطیر الملك عند ورودہ الی تنیس من الشام فی ذیقعدہ ۴۶۲ھ ان قبال الدولة علی بن مجاھد میں ۴۶۲ھ خطیر الملک کے تنیس میں آنے کی تاریخ ہے، قاضی رشید سے واقعہ بیان کرنے کی تاریخ نہیں ہے، پھر یہ تاریخ بھی محل نظر ہے، کیونکہ یہ واقعہ قاضی رشید کے انتقال سے تقریباً ننانوے سال پہلے کا ہے، اس وقت قاضی رشید کا وجود بھی شاید نہ رہا ہو، ہو سکتا ہے کہ سنہ کی تعیین کتاب میں غلط طریقہ سے ہو گئی ہو، یا بعد میں نقل کی غلطی ہو۔

اھدی الامیر ناصر الدولة ابو علی الحسن بن حمدان فی سنة ۴۶۳ھ الی ارمانوس متملك الروم المعروف بدیوجانس ھدیة الخ میں بھی ۴۶۳ھ ناصر الدولہ کے ہدیہ بھیجنے کی تاریخ ہے۔ وحدثنی ابو الفضل ابراھیم بن علی الکفرطابی بدمیاط عند قدومہ من قسطنطنیة فی شھور سنة ۴۶۳ھ انہ رای علی ارمانوس دیوجانس الخ میں ۴۶۳ھ ابو الفضل ابراہیم کے قسطنطنیہ سے دمیاط آنے کی تاریخ ہے، قاضی رشید سے واقعہ بیان کرنے کی تاریخ نہیں ہے۔

واعلمنی من لہ خبرة بما فی خزانة البنودان مبلغ ما کان فیھا ...... من وقت

Marfat.com

دخول القائد جوهر و بناء القصر من سنة ۳۵۸ھ الی ھذا الوقت زائد عن مائتہ سنة

سے کتاب الذخائر والتحف کا سنہ تالیف تقریباً ۴۶۳ھ ثابت نہیں ہوتا، یہ درست ہے کہ

کتاب میں اس کے بعد کے واقعات نہیں ملتے؛

اس تحریر سے محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب جیسے محقق پر اعتراض کرنا یا ان کی غلطی نکالنا

مقصود نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب یورپ میں رہ کر اسلام اور علوم اسلام کی جو بیش بہا خدمات

انجام دے رہے ہیں اور فرانس میں بیٹھ کر نہایت خاموشی سے جو کام کر رہے ہیں وہ تحسین و ستائش

سے مستغنی ہے، ان کے کارنامے دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ ان کی خدمت میں رہ کر خوشہ چینی کی جائے

اس لیے اس تحریر کا مقصد محض ایک علمی تحقیق ہے۔

الذخائر والتحف کس کی تصنیف ہے؟

مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

اعظمی کا ایک مضمون بطور محاکمہ کے "معارف"

بابت ماہ فروری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا جو حسب ذیل ہے، کتاب الذخائر والتحف تھوڑے دن

ہوئے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے، اور "معارف" کے دو نمبروں (اپریل،

مئی ۱۹۶۰ء) میں اس پر مفصل تبصرہ قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کے قلم سے شائع ہو چکا

ڈاکٹر صاحب نے اس کے مصنف القاضی الرشید بن الزبیر کی نسبت مقدمہ میں لکھا

کہ ان کا حال ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملا، مگر کتاب کی اندرونی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ

پانچویں صدی ہجری کے ایک عالم تھے، ڈاکٹر صاحب کی اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے

قاضی اطہر صاحب مبارکپوری نے "معارف" (دسمبر ۱۹۶۰ء) میں اپنی تحقیق یہ لکھی کہ القاضی

الرشید بن الزبیر کا تفصیلی ذکر تاریخ ابن خلکان میں موجود ہے، اور وہ پانچویں نہیں بلکہ چھٹی صدی

کے ایک جامع الفنون عالم تھے، قاضی صاحب کا یہ بیان حرف بحرف صحیح ہے اور صرف یہی نہیں

بلکہ القاضی الرشید کا تفصیلی ذکر ابن خلکان کے علاوہ یاقوت کی معجم الادباء، یافعی کی مرآۃ

الجنان، اور ابن العماد حنبلی کی شذرات الذہب وغیرہ میں موجود ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ

الذخائر والتحف ان ہی القاضی الرشید کی تصنیف ہے جن کا ذکر کتب مذکورہ بالا میں ہے، یا کسی دوسرے القاضی الرشید کی؟ قاضی اطہر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو ان ہی کی تصنیف مانتے ہیں، قاضی صاحب کے اس خیال کی کیا بنیاد ہے، اس کو انہوں نے ظاہر نہیں کیا، اور نہ اپنے خیال کی تائید میں انھوں نے کوئی دلیل پیش کی، اس کے برخلاف ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا خیال ہے کہ یہ کتاب ابن خلکان والے القاضی الرشید کی نہیں بلکہ ان کے دادا کی ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے خیال کی تائید میں خود اس کتاب کی اندرونی شہادتیں پیش کی ہیں،

یہ واقعہ ہے اور دونوں فاضلوں کو یہ حقیقت تسلیم بھی ہے کہ القاضی الرشید باپ، بیٹے، پوتے تینوں کا لقب ہے، اس لیے جب کسی کتاب کی نسبت یہ لکھا ہوا پایا جائے کہ وہ القاضی الرشید کی ہے تو یہ تحقیق ضروری ہو جاتی ہے کہ وہ کس القاضی الرشید کی ہے، اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے تذکرہ نویسوں نے کس کی تصنیفات میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر یہ طریقہ سرسری ہے، علاوہ بریں یہ ضروری بھی نہیں کہ اس کی تمام تصنیفات کا ذکر بھی موجود ہو، اس سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود کتاب کا غائر مطالعہ کر کے ٹوہ لگائی جائے کہ یہ کس کی تصنیف ہو سکتی ہے، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے یہی کیا ہے، اور وہ ایسا کرنے پر مجبور بھی تھے، اس لیے کہ اس وقت تک ان کو کسی القاضی الرشید کا تذکرہ کتابوں میں نہ مل سکا تھا، مگر اب پھر جبکہ ایک القاضی الرشید کا تذکرہ تاریخ ابن خلکان کے حوالہ سے قاضی صاحب پیش کر چکے ہیں، ڈاکٹر صاحب اپنی اسی رائے پر قائم ہیں کہ یہ کتاب ان کی نہیں ہے، اس لیے کہ وہ چھٹی صدی کے ہیں، اور کتاب کی اندرونی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف پانچویں صدی میں تھا،

اس بحث میں اپنی رائے ظاہر کرنے سے پہلے میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن تین شخصیتوں کا لقب القاضی الرشید بتایا گیا ہے، وہ تینوں معروف ہیں، ایک تو وہی ابن خلکان والے القاضی الرشید ہیں، جن کا نام احمد ہے، دوسرے ان کے والد علی ہیں، اور تیسرے ان کے

Marfat.com

دادا ابراہیم ہیں' ان دونوں کا تذکرہ ہمارے دونوں فاضلوں کو نہیں مل سکا ہے' حالانکہ ان دو
کا ذکر الطالع السعید مطبوعہ مصر ۱۳۳۲ھ میں موجود ہے' علی کی نسبت یہ مذکور ہے کہ وہ فا
شاعر اور رئیس تھے' اور ان کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی ہے' اور ابراہیم کی نسبت یہ مرقوم
کہ وہ ۴۷۲ھ میں اضلاع قوص کے حاکم تھے' رشید و مہذب ان کے پوتے تھے' ان کی وفات
ابن النضر نے مرثیہ لکھا ہے' ابن النضر کا وہ قصیدہ مشہور ہے' اس تفصیل سے یہ بات واضح
ہوگئی کہ احمد اور علی کا زمانہ چھٹی صدی ہے اور ابراہیم کا زمانہ پانچویں صدی ہے۔

آئیے اب ان دلائل کا جائزہ لیجئے جن کی بنا پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے الذخائر وال
کی تصنیف کا زمانہ پانچویں صدی قرار دیا ہے' قاضی اطہر صاحب کے لکھنے کے مطابق ڈاکٹر صا
نے اپنے مدعا کے ثبوت میں الذخائر والتحف کی ایک یہ عبارت پیش کی ہے اھدیٰ میخا
سنۃ ۴۴۴ مع رسول لہ ھدایا جلیلۃ شاھدتُ جمیعھا بتنیس اس ثبوت پر قاضی صاحب نے یہ جرح کرد
ہے کہ "اس میں قاضی رشید کے ان ہدایا کے دیکھنے کی تاریخ نہیں ہے بلکہ میخائیل کے ہدایا بھیج
تاریخ ہے" قاضی صاحب کی یہ جرح بالکل صحیح ہے' اور واقعۃً اس سے ڈاکٹر صاحب کا مدعا ثا
نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب نے دوسری عبارت یہ پیش کی ہے اخبرنی خطیر الملک عند ورودہ
تنیس من الشام فی ذیقعدۃ سنۃ ۴۶۲ ان اقبال الدولۃ علی بن مجا ھد الخ۔
قاضی صاحب نے یہ کلام کیا ہے کہ "اس مقام پر قاضی صاحب کے کلام کا آخری حصہ نہیں ہے'
کہ جب قاضی صاحب کو یہ تسلیم ہے کہ ۴۶۲ھ خطیر الملک کے تنیس آنے کی تاریخ ہے اور
رشید کا کہنا ہے کہ جب ۴۶۲ھ میں خطیر الملک تنیس آئے اسی وقت انہوں نے مجھ سے
کیا تھا' تو لازمی طور پر وہ قاضی رشید سے واقعہ بیان کرنے کی بھی تاریخ ہوئی' اس سے انکار
ہے' اس کے بعد قاضی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ "پھر یہ تاریخ بھی محل نظر ہے' ہو سکتا ہے
کی تعیین کتاب میں غلط طریقہ سے ہوگئی ہو یا بعد میں نقل کی غلطی ہو" محض اسی مفروض

ہے کہ الذخائر ابن خلکان والے قاضی رشید کی تصنیف ہے، لہذا اگر کسی دلیل سے اس مفروضہ کی صحت وواقعیت ثابت ہو تو قاضی صاحب کا یہ کلام موجّہ ہے، ورنہ بلا وجہ وجیہ تاریخ کو محل نظر اور مصنف یا ناقل کو خاطی قرار دینا بڑی زیادتی ہے،

پھر تنہا یہی ایک مثال تو نہیں ہے، آگے اور مثالیں بھی آرہی ہیں جن میں اسی طرح پانچویں صدی کے ہی سنین مذکور ہیں تو قاضی صاحب کہاں کہاں تاریخ کے غلط اندراج کا دعویٰ کرتے پھریں گے، مثلاً ڈاکٹر صاحب ایک یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ اھدی الامیر ناصر الدولة ابو علی الحسن بن حمدان فی سنة ۴۶۳ الی ارمانوس اور اس کے بعد یہ عبارت پیش کرتے ہیں، اخبرنی ابو الفضل ابراھیم بن علی الکفرطابی بدمیاط عندما قدم من قسطنطنیة فی شھور سنة ۴۶۳ انہ رأی علی ارمانوس ——— ان دونوں عبارتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ناصر الدولہ نے ۴۶۳ھ میں ارمانوس کو ہدیہ بھیجا، اور ابو الفضل ابراہیم نے اس کو ارمانوس کے جسم پر دیکھا، یہ بات خود ابو الفضل نے مصنف کتاب سے اس وقت بیان کی جب وہ ۴۶۳ھ میں قسطنطنیہ سے دمیاط آئے تھے، فرمائیے ان عبارتوں میں بھی قاضی صاحب تاریخ کے غلط اندراج کا دعویٰ کریں گے؟ اور اگر کریں گے تو یہ دعویٰ قابل قبول ہو سکے گا؟ جب کہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ ارمانوس پانچویں ہی صدی میں تھا، اور اس نے ٹھیک اسی سال ۴۶۳ھ ہی میں سلطان الپ ارسلان کے مقابلہ میں نہایت ذلت آمیز شکست کھائی تھی۔[1]

قاضی صاحب نے آخری عبارت پر ریمارک کرتے ہوئے پھر غور نہیں فرمایا اور یہ لکھ دیا کہ "اس میں ابو الفضل ابراہیم کے قسطنطنیہ سے دمیاط آنے کی تاریخ ہے، قاضی رشید سے واقعہ بیان کرنے کی تاریخ نہیں ہے" حالانکہ جب ۴۶۳ھ میں ابراہیم کے دمیاط آنے کی تاریخ ہے اور قاضی رشید تصریح کرتے ہیں کہ اسی موقع پر ابراہیم نے مجھ سے واقعہ بیان کیا تو لامحالہ وہ واقعہ بیان

[1] "ہو سکتا ہے" کے جملے سے ایک مقام پر صرف ایک "احتمال" کو ظاہر کیا گیا ہے اس سے نہ تاریخ محل نظر ہوتی ہے، نہ مصنف یا ناقل خاطی قرار پاتا ہے نہ زیادتی ہوتی ہے، اور نہ ہی جگہ جگہ غلطی کا دعویٰ کرنا مقصود ہے۔

Marfat.com

کرنے کی بھی تاریخ ہوئی، پھر اسے بھی جانے دیجئے، یہ تو بلا اختلاف ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ارمانوس ۲۶۳ھ میں موجود تھا اور مصنف ذخائر تصریح کرتا ہے کہ ابو الفضل ابراہیم نے ارمانوس کو دیکھا ہے، پس وہ اس کے معاصر ہیں، اور ان کا زمانہ بھی پانچویں صدی ہے، پھر مصنف ذخائر کا بیان بھی ہے کہ ابو الفضل نے مجھ سے فلاں واقعہ بیان کیا، لہٰذا مصنف ذخائر خود اپنے بیان کی رو سے ابو الفضل کا معاصر ثابت ہوا، اور محقق ہوگیا کہ اس کا زمانہ پانچویں صدی تھا۔

اسی طرح جب خزانۃ النبوۃ والاقصر تاریخی شہادتوں کی رو سے ۳۵۸ھ میں تعمیر ہوا ہے، اور مصنف ذخائر یہ اظہار کرتا ہے کہ اس وقت (ذخائر کی تصنیف کے وقت) تک اس کی تعمیر کو سو برس سے زائد ہو چکے ہیں تو اس سے لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس کی تالیف ۴۵۸ھ کے کچھ بعد ہوئی ہے، اور جب یہ بات ہے تو ضروری ہے کہ اس کا مصنف پانچویں صدی کے درمیان میں ہو، اور ابن خلکان والا قاضی رشید پانچویں صدی کے بجائے چھٹی صدی کا فاضل ہے، اسی طرح اس کے باپ علی بن ابراہیم کا شمار بھی چھٹی صدی ہی کے فضلا میں ہے، اور ہر چند کہ وہ پانچویں صدی میں بھی موجود رہا ہوگا لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ ۴۵۸ھ کے لگ بھگ اس کی عمر تصنیف و تالیف کی عمر ہو، ہاں ابن خلکان والے قاضی رشید کا دادا ابراہیم چونکہ ۴۷۲ھ میں ولایت قوص کا حاکم تھا اس لیے ۴۵۸ھ میں اس کی عمر تصنیف و تالیف کی عمر ہو سکتی ہے۔

بہرحال ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے دلائل کا جائزہ لینے کے بعد ہمارے نزدیک ان ہی کی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے، اور ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ الذخائر والتحف والے القاضی الرشید کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ وہ ان کے دادا القاضی الرشید ابراہیم کی تصنیف ہے اور ہر چند کہ کسی مصنف کی یہ تصریح کہ الذخائر القاضی الرشید کی تصنیف ہے ہمارے سامنے موجود نہیں ہے، تاہم کتاب کی اندرونی شہادتوں سے کسی دوسرے قاضی رشید

Marfat.com

کو اس کا مصنف قرار دینا ممکن نہیں ہے' پھر یہ بات مشترک الورود ہے' اس لیے کہ مصنف نے القاضی الرشید احمد کی تالیفات میں الذخائر والتحف کا نام نہیں لیا ہے' - - - - -

- -

- - - - ہمارے علم میں ان کی تالیفات کی سب سے زیادہ تفصیل یاقوت نے دی ہے' مگر یاقوت نے بھی اس کا نام نہیں لیا ہے' ہاں یاقوت کے یہاں احمد کی تالیفات میں ایک کتاب کا نام "الہدایا والطرف" ضرور پایا جاتا ہے جو نام سے الذخائر والتحف ہی کے قسم کی کوئی کتاب معلوم ہوتی ہے' مگر قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ الذخائر والتحف ہی ہے' یاقوت یا یاقوت کے کسی پیشرو نے غلطی سے اس کا نام الہدایا والطرف ذکر کر دیا ہے[1]' اس لیے اس قطعی فیصلہ سے مطبوعہ الذخائر والتحف کی اندرونی شہادتیں مانع ہیں' نیز ہو سکتا ہے کہ دادا کی تقلید میں پوتے نے بھی اسی موضوع پر کچھ زیادہ شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہو' اور مزید اضافے کئے ہوں۔

یہ بحث تو ختم ہو گئی مگر اس ضمن میں دو تین باتیں اور ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے' انشاء اللہ خالی از فائدہ نہ ہوں گی'

۱- القاضی الرشید احمد کے دادا القاضی الرشید ابراہیم بھی قضاء حکومت کے ساتھ اہل علم و فضل کی نگاہوں میں بہت معزز و محترم تھے' چنانچہ ان کی وفات پر قاضی ابوالحسن بن النضر نے جو نہ صرف ادیب بلکہ عالم وفقیہ بھی تھے ایک زوردار مرثیہ لکھا تھا'

۲- قاضی اطہر صاحب نے القاضی الرشید کا نسبی تعلق قبیلہ غسّان سے بتایا ہے' اور کچھ شبہ نہیں کہ یاقوت (المتوفی ۶۲۶ھ) اور ابن خلکان (المتوفی ۶۸۱ھ اور یافعی (المتوفی

---

[1] ہمارا اصرار یہ نہیں ہے کہ ابن خلکان والے قاضی رشید ہی کی کتاب الذخائر والتحف ہے مگر ان تینوں قاضی رشید میں اس کی ایک کتاب الہدایا والطرف کا نام بتا رہا ہے کہ یہ یا اسی قسم کی کوئی کتاب اسکی تصنیفات میں ہے' مگر مولانا نے اسے یاقوت یا اس سے پیشتر کسی تذکرہ نگار کی غلطی قرار دے دیا۔

Marfat.com

۵۶۶۸ھ) نے ان کو الغسانی کی نسبت کے ساتھ ذکر کیا ہے، مگر جعفر بن ثعلب اوفوی (المتوفی ۷۴۸ھ) نے جو خود علاقہ اسوان کے باشندے تھے، القاضی الرشید اور ان کے لڑکے ابراہیم بن احمد کو قرشی اسدی لکھا ہے، اور اس نسبت سے متبادر ہوتا ہے کہ القاضی الرشید اور ان کے اسلاف کو ابن الزبیر اس لیے کہتے تھے کہ وہ لوگ حضرت زبیر بن العوام قرشی اسدی کی اولاد سے تھے، اور قاضی رشید کے سلسلۂ نسب میں جن زبیر کا ذکر ہے وہ حضرت زبیر بن العوام ہیں، اور وہ القاضی الرشید کی چھٹی پشت میں نہیں ہیں جیساکہ قاضی اطہر صاحب نے لکھا ہے بلکہ اور اوپر ہیں جیساکہ القاضی الرشید کے بیٹے ابراہیم کے سلسلہ نسب سے ظاہر ہوتا ہے، جو بروایت اوفوی حسب ذیل ہے ابراہیم بن احمد بن علی بن ابراہیم بن محمد بن الحسین بن محمد بن ظلیتہ بن سعید بن ابراہیم بن حسین القرشی الاسدی، دیکھیے اس میں القاضی الرشید احمد کی چھٹی پشت، میں ظلیتہ کا نام ہے، بہرحال یہ بات تحقیق طلب ہے کہ اگر القاضی الرشید قرشی اسدی ہیں تو یاقوت وغیرہ مورخین نے ان کو الغسانی کیونکر لکھ دیا، اور اگر وہ غسانی ہیں تو اوفوی نے قرشی اسدی کس بنیاد پر لکھا ہے۔

(۳) قاضی اطہر صاحب کی یہ تحقیق حرف بحرف درست ہے کہ القاضی المہذب اور القاضی الرشید ایک نہیں ہیں جیساکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ دو شخص ہیں، اور دونوں باہم حقیقی بھائی ہیں، قاضی اطہر صاحب نے اپنے مضمون میں قاضی مہذب کے ضمنی تذکرہ پر اکتفا کیا ہے، اس لیے عرض کیا جاتا ہے کہ القاضی المہذب کا مستقل تفصیلی تذکرہ یاقوت نے معجم الادبا ج ۹ ص ۹۷، اور اوفوی نے الطالع السعید اور یافعی نے مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۸۳ اور ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب ج ۴ ص ۱۹۷ میں لکھا ہے۔

(۴) مشہور و معروف کاتب ابن العماد اصفہانی شعبان ۵۶۲ھ میں وارد دمشق ہوئے ہیں، اس کے بعد قاضی رشید صرف چار مہینے زندہ رہے، اس لیے یہ تو صحیح ہے کہ قاضی رشید کی حیات میں ابن العماد دمشق پہنچ گئے تھے لیکن رشید کی زندگی میں ابن العماد کا نورالدین زنگی کے دربار سے متوسل ہونا محقق نہیں ہے، اور سلطان

Marfat.com

صلاح الدین کے ساتھ اس دور کے انقلابات میں ابن العماد کا حصہ لینا تو یقینی طور پر قاضی رشید کی وفات کے بعد ۵۶۲ھ کا قصہ ہے؛

(۵) ابوالمعالی سعد بن علی بغدادی خطیری کی کتاب کا نام معارف (دسمبر ۱۹۶۰ء) میں غلط چھپ گیا ہے، اس کا صحیح اور پورا نام زینۃ الدہر وعصرۃ اہل العصر ہے اور وہ باخرزی کی کتاب "دمیۃ القصر" کا ذیل ہے، اور باخرزی کی یہ کتاب ثعالبی کی "یتیمۃ الدہر" کا ذیل ہے۔ ابن العماد کاتب نے خطیری کی کتاب زینۃ الدہر کا ذیل خریدۃ العصر کے نام سے لکھا ہے، پھر خود ہی اپنی کتاب خریدہ کا ایک ذیل لکھا ہے، اسی کا نام کتاب السیل علی الذیل ہے، ابن العماد نے قاضی رشید کا ذکر کتاب السیل اور ذیل یعنی خریدۃ العصر دونوں میں کیا ہے، یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کتاب السیل اور خریدہ کے ذیل میں ذکر کیا ہے، اس لیے کہ خریدہ کا ذیل تو خود کتاب السیل ہے۔[1]

یہ چند سطریں صرف علم کی خدمت کے لیے لکھی گئی ہیں، کسی پر اعتراض یا تنقیص مقصود نہیں ہے، بالخصوص فاضل عزیز قاضی اطہر صاحب مبارک پوری سے میرے تعلقات کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ میرے معروضات کو ان پر اعتراض کی حیثیت دی جا سکے، مجھے جو بات صحیح سمجھ میں آئی اس کے اظہار میں محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے بھی میں معذرت خواہ ہوں۔

---

[1] یعنی "کتاب السیل اور خریدہ کے ذیل" میں "اور" زائد ہو گیا ہے اور صحیح "کتاب السیل خریدہ کے ذیل" ہونا چاہیے، عماد اصفہانی کی اسی کتاب کے بعض اجزاء مثلاً قسم شعراء المغرب وغیرہ چھپے ہیں، ان میں کتاب کا نام "خریدۃ القصر وجریدۃ العصر" درج ہے۔

(۱۵)

ابن الانباریؒ کی کتاب الاضداد فی اللغۃ

عرب ممالک میں آزادی کی رَو کے ساتھ ساتھ علمی و تحقیقی کاموں کا ذوق بھی ابھر رہا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ یہ ذوق بڑی بڑی حکومتوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی امارتوں تک میں پھیل گیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ سال خلیجِ فارس کی مشہور عرب امارت کویت میں اس کام کے لیے شیخ کویت الشیخ عبداللہ السالم ال الصباح کی طرف سے ایک بہت بڑا مطبع قائم ہوا ہے۔ یہاں سے نہایت قیمتی کتابیں جدید اسلوب میں شائع ہو رہی ہیں اور صرف ایک سال کی مدتِ قلیل میں ماہوار مجلہ العربی کے علاوہ تین اہم کتابیں یہاں سے شائع ہو چکی ہیں پہلی کتاب الذخائر والتحف قاضی رشید بن زبیر کی ہے (ابوالحسین احمد بن قاضی رشید ابوالحسن علی بن قاضی رشید ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن حسین بن زبیر غسانی اسوانی مصری متوفی ۵۶۳ھ) اس کتاب کا تفصیلی تعارف ہم کرا چکے ہیں۔

دوسری کتاب الاضداد فی اللغۃ امام ابوبکر ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اس کتاب کا تعارف کرانے سے پہلے مناسب ہے کہ امام ابن الانباری کا مختصر طور سے تعارف کرایا جائے۔

امام ابوبکر محمد بن قاسم انباریؒ

امام ابوبکر محمد بن قاسم بن محمد بن بشار بن حسن بن بیان بن سماعہ بن فروہ بن قطن بن دعامہ انباری رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ رجب ۲۷۱ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد قاسم بن محمد اپنے زمانہ میں ادب و عربیت کے زبردست ماہر اور یکتائے فن تھے۔ ابوبکر محمد ابن انباری نے اپنے والد کی گود میں پرورش پائی اور خاندان کا علمی ماحول قبول کیا، نیز اپنے زمانہ کے اساطینِ علم و فن سے تحصیلِ علم کی جن میں ا

حضرات خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ احمد بن یحییٰ ثعلب، اسمٰعیل القاضی، احمد بن ہشم بزار وغیرہ
اور لغت، نحو، ادب، اور تفسیر میں امامت کے درجہ کو پہونچے، زبیدی نے اپنی کتاب طبقات
اللغویین والنحویین میں آپ کو کوفہ کے نحویوں میں طبقۂ سادسہ کے اعلام میں شمار کیا ہے اور
امام ثعلب کے ارشدِ تلامذہ میں بتایا ہے۔ آپ کی قرآنی علوم وفنون میں مہارت کا اندازہ ابو
علی قالی کے اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

انہ کان یحفظ ثلاث مائة الف بیت آپ کو تین لاکھ اشعار صرف قرآن کے شواہد پر ذہنی یاد
شاھداً فی القرآن، وکان یحفظ مائة وعشرین تھے اور ایک سو بیس تفسیریں مع سندوں کے
تفسیراً باسانیدھا۔ زبانی یاد تھیں۔

ابن الندیم نے الفہرست میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔

فی نھایة الذکاء والفطنة وجودة القریحة آپ تیزی ذہن، فہم و فراست، جودت طبع اور سرعت
وسرعة الحفظ، وکان مع ذٰلک ورعاً حفظ میں انتہائی مرتبہ کے مالک تھے اس کے باوجود
من الصالحین، لایعرف حرمة وزلة نہایت پرہیزگار بزرگ تھے، زندگی بھر حرام یا لغزش
وکان یضرب بہ المثل فی حضور تک کو نہیں جانا۔ بداہت اور سرعتِ جواب میں ان
البدیھة وسرعة الجواب۔ کی مثال دی جاتی تھی۔

ازہری نے اپنی کتاب التہذیب کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

کان اوحد عصرہ واعلم من شاھدت بکتاب میں نے جن علماء کو پایا ان میں ابوبکر ابن انباری قرآن
اللہ ومعانیہ واعرابہ ومعرفة اختلاف کے معانی واعراب اور قرآنی مشکلات میں اہل علم کے
اھل العلم فی مشکلہ ولہ مولفات حسان اختلافات کے سب سے بڑے عالم اور یکتائے زمانہ تھے،
فی علم القرآن وکان صائناً لنفسہ مقدماً قرآنی علوم میں ان کی اچھی اچھی کتابیں ہیں، آپ
فی صناعتہ معروفاً بالصدق، حافظاً پرہیزگار اپنے کام میں چست، سچائی میں مشہور، حافظ
حسن البیان، عذب الالفاظ، لم یذکر لنا شیریں بیان تھے، اب تک ہمارے سامنے عراق وغیرہ

Marfat.com

والی هٰذه الغایة من الناشئین بالعراق سے کوئی شخص ایسا نہیں پیدا ہوسکا ہے جو ان کا
وغیرها من یخلفه اویسد مسده۔ جانشین یا قائم مقام ہو۔

ایک مرتبہ امام ابوبکر بن انباری سے پوچھا گیا کہ آپ کو کتنی کتابیں یاد ہیں تو انھوں نے بتایا کہ مجھے تیرہ صندوق کتابیں زبانی یاد ہیں۔

امام ابوبکر محمد بن قاسم انباری نے اپنے دور کے مطابق تعلیم کے لیے مسجدوں کو مرکز بنایا اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہوکر بہت زیادہ کتابیں لکھیں ان کا مسجد کا حلقہ بہت وسیع ہوتا تھا اور عوام کے علاوہ بغداد کے اعیان واشراف اور وزراء وکتاب بھی اس میں شریک ہوتے تھے اور آپ اپنی تمام تصنیفات کو اس حلقہ میں زبانی املا کراتے تھے، ایک گوشہ میں اُن کے والد کا حلقۂ درس ہوتا تھا اور دوسرے گوشہ میں خود بیٹھتے تھے خلیفہ راضی سے خصوصی تعلق تھا، اس کی اولاد کو تعلیم دیتے تھے۔ ایک مرتبہ راضی نے آپ کو ایک حسین وجمیل باندی ہدیہ میں دی جسے دیکھ کر آپ کا دل کتابوں سے ہٹ کر اس کی طرف آگیا تو آپ نے اسی وقت خادم سے فرمایا کہ اسے واپس کردو، کیونکہ میرے نزدیک اس کی اتنی قدر ومنزلت نہیں ہے کہ وہ میرے دل کو میرے علم سے پھیر دے۔ جب خلیفہ راضی کو یہ خبر لگی تو اس نے کہا:۔

لا ینبغی ان یکون العلم فی قلب احد اس آدمی کے سینے میں جس قدر علم کی حلاوت اور شیرینی
احلی منه فی صدر هذا الرجل۔ ہے کسی دوسرے کے دل میں نہیں ہوسکتی۔

اس علمی آن بان کے باوجود آپ نہایت متواضع بزرگ اور صالح ومتورع انسان تھے اور ساتھ ہی شاعر بھی تھے، نیز نہایت دلچسپ اور حاضر جواب ادیب تھے۔

ابن انباری عیدالاضحیٰ کی رات میں ۳۲۸ھ یا ۳۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ اس جلیل القدر امام علم وفن کی تصنیفات کی فہرست یہ ہے:۔

(۱) غریب الحدیث، ابن ندیم اور ابن خلکان نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ابن خلکان نے لکھا ہے "یہ کتاب ۴۵ ہزار ورق کی ہے۔"

Marfat.com

(۲) کتاب المذکر والمونث، ابن خلکان کا بیان ہے کہ اس موضوع پر اس کتاب سے زیادہ کامل و مکمل کتاب کسی دوسرے نے نہیں لکھی، اس کے متعدد نسخے موجود ہیں۔

(۳) رسالۃ المشکل فی معانی القرآن۔ اس کتاب میں ابن انباری نے ابن قتیبہ اور ابوحاتم رازی کا رد کیا ہے۔

(۴) ادب الکاتب۔ ابن ندیم اور یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۵) الامالی۔ یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۶) کتاب الالفات، اس کا ایک قلمی نسخہ مصر کے مکتبہ میں موجود ہے۔

(۷) ایضاح الوقف والابتداء، اس کے چند نسخے اسکندریہ، کبرلی اور اسکوریال، اور حلب کے کتب خانوں میں موجود ہیں

(۸) الرد علی من خالف مصحف عثمان، اس کا تذکرہ یاقوت نے کیا ہے۔

(۹) الزاہر فی معانی الکلمات التی یستعملہا الناس فی صلاتہم ودعائہم وتسبیحہم، اس کا ایک نسخہ کوپریلی کے کتب خانہ میں ہے اور اس سے فوٹو کیا ہوا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں ہے، زجاجی نے اس کا اختصار کیا تھا، اس اختصار کا ایک نسخہ دار الکتب المصریہ میں ہے۔

(۱۰) السبع الطوال، یاقوت نے اس کا نام شرح الجاہلیات لکھا ہے اور ابن خلکان نے کتاب الجاہلیات بتایا ہے، نیز ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ کتاب سات سو ورق میں ہے، اس کا ایک نسخہ نور عثمانیہ کے کتب خانہ میں ہے، نیز اس کا ایک مختصر نسخہ دار الکتب المصریہ میں ہے اسی شرح سے مجلۃ الشرقیات میں زہیر بن ابی سلمیٰ کا معلقہ شائع کیا جا چکا ہے۔

(۱۱) شرح المفضلیات، اسے بیروت کے عیسائیوں نے مطبع الآبا میں چھاپ کر شائع کیا ہے

(۱۲) ضمائر القرآن۔ صاحب کشف الظنون نے اس کا ذکر کیا ہے اور بدر الدین زرکشی نے برہان میں اس سے نقل کیا ہے۔

(۱۳) الکافی فی النحو، ابن خلکان اور یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابن خلکان نے بتایا

Marfat.com

ہے کہ یہ کتاب تقریباً ایک ہزار اوراق میں ہے۔

(۱۴) اللامات۔ ابن ندیم اور یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۵) المجالس۔ قفطی نے اس کا ذکر کیا ہے، یاقوت نے اس کا نام المجالسات لکھا ہے۔

(۱۶) مسائل ابن شعبنوذ، ابن ندیم اور یاقوت نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۷) المقصور والممدود، ابن ندیم، یاقوت اور قفطی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۸) کتاب الھاآت فی کتاب اللہ عزّوجل، ابن خلکان نے اسے کتاب الھاآت کے نام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب ایک ہزار ورق میں ہے، اس کا ایک نسخہ پیرس میں موجود ہے۔

(۱۹) کتاب الہجاء، ابن ندیم، یاقوت، اور قفطی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(۲۰) الواضح فی النحو، اس کا ذکر ابن ندیم اور یاقوت نے کیا ہے۔

(۲۱) کتاب الاضداد، اسی کتاب پر ہم یہ مقالہ لکھ رہے ہیں۔ ان مستقل تصنیفات کے علاوہ امام ابن انباری نے کئی شعراء کے دیوان مرتب کئے ہیں۔ ابن ندیم نے زہیر، نابغہ ذبیانی، اعشیٰ، جعدی اور راعی کے دواوین مرتب کرنے کی تصریح کی ہے۔

کتاب الاضداد فی اللغۃ

اس جلیل القدر امام کی تصنیفات کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مسلمان ان سے کام لیتے تو عربیت اور قرآن کے بارے میں کس قدر گراں قدر خزانہ ہمارے پاس ہوتا، مگر افسوس کہ مسلمانوں کے بے شمار علمی خزانوں کی طرح امام ابن انباری کی کتابوں کا خزانہ بھی یورپ اور ایشیا کے کتب خانوں میں بند پڑا ہے اور اس کا ایک معتدبہ حصہ اس طرح گم ہوگیا کہ ہمارے پاس ان کے نام کے سوا کچھ نہیں رہا، وہ بھی تاریخ وتذکرہ کی کتابوں کی ورق گردانی کے بعد معلوم ہوا۔

امام ابن انباری کی صرف دو کتابیں شائع ہوسکیں اور وہ بھی غیر مسلموں کی توجہ

Marfat.com

اور کوشش سے، شرح المفضلیات کو بیروت کے مسیحی ادبار نے چھاپ کر شائع کیا اور الاضداد کو پہلی مرتبہ ایک مستشرق عالم نے شائع کیا۔ یہ کتاب لیون میں ۱۸۸۱ء میں نہایت تحقیق کے ساتھ مستشرق ہوتسما نے شائع کی تھی، اس کے بعد ۱۳۲۵ھ میں مصر میں شائع ہوئی، اب تک یہی مصری نسخہ متداول تھا، میں نے طالب علمی کے زمانہ میں ۱۳۵۳ھ میں اسے خریدا تھا اور میرے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اب اسی کتاب کو کویت کے سلسلۂ دائرۃ المطبوعات والنشر نے نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع کیا ہے، مصر کے ایک مشہور محقق استاذ محمد ابوالفضل ابراہیم نے تعلیق و تحشیہ اور تصحیح و تنقیح کے فرائض انجام دیئے ہیں اور اسی سال ۱۹۶۰ء میں مطبعۃ الکویت سے چھپ کر شائع ہوئی ہے۔ بہترین آرٹ پیپر کے بڑے سائز پر ۴۲۸ صفحات میں یہ کتاب چھپی ہے، ہر صفحہ میں تقریباً ۱۷ سطریں ہیں۔

الاضداد فی کلام العرب کے عنوان پر اصمعی سجستانی، ابن السکیت اور صنعانی وغیرہ نے کتابیں لکھی ہیں اور ان کا مجموعہ بیروت میں ۱۹۱۳ء میں ڈاکٹر اوغسٹ ہفنر کے اہتمام سے چھپ چکا ہے، قطرب کی کتاب انگریزی مجلّہ "اسلومیکا" میں ۱۹۲۱ء میں ہانس کوفلر کے زیر اہتمام شائع کی جا چکی ہے اور ابن الدہان کی کتاب کو شیخ محمد آل یٰسین نے نجف میں چھاپ کر ۱۹۵۲ء میں شائع کیا ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ امام سیوطی نے المزہر میں بتایا ہے اس موضوع پر توزی اور ابوالبرکات بن انباری کی کتابیں بھی ہیں، مگر یہ دونوں کتابیں ناپید ہیں، نیز اس موضوع پر کتاب الجمہرہ ابن درید، الغریب المصنّف ابوعبید، المخصص ابن سیدہ، فقہ اللغۃ ثعالبی اور دیوان الادب فارابی کے ابواب و فصول میں بہت سی کام کی باتیں منتشر طور سے موجود ہیں۔

مگر ان سب میں الاضداد فی اللغۃ محمد بن قاسم انباریؒ اپنے محتویات کے اعتبار سے نہایت اہم جامع اور مستند ہے، اس میں قدما کی متفرق باتیں آگئی ہیں اور علل و شواہد کا خزانہ ہے، محمد بن قاسم انباری نے بسط و تفصیل کے ساتھ ہر ایسے لفظ پر کلام کیا ہے جو متضاد

Marfat.com

معنی کو شامل ہے، اشعارِ عرب، احادیث و آیات کے شواہد بکثرت بیان کئے ہیں۔ اس سلسلے میں اکثر مقامات پر احادیث و آیات کی بہترین تشریحات بھی آگئی ہیں۔

مصنّف نے مقدمہ میں اپنی کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

وقد جمع قومٌ من اهل اللغة الحروف المتضادة، وصنفوا فی احصائها کتبًا، نظرت فیها فوجدت کل واحدٍ منهم أتی من الحروف بجزءٍ، واسقط منها جزءًا، واکثرهم أمسك عن الاعتلال لها، فرأیت ان اجمعها فی کتابنا هذا علی حسب معرفتی ومبلغ علمی لیستغنی کاتبه والناظر فیه عن الکتب القدیمة المؤلفة فی مثل معناه، اذا اشتمل علی جمیع ما فیها ولم یعدم منه زیادةً الفوائد وحسن البیان واستیفاء الاحتجاج واستقصاء الشواهد۔ (ص۱۳)

نیز مصنّف نے مقدمہ میں اضداد کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات درج کی ہیں، کہنا چاہئے کہ یہ مقدمہ اس کتاب کی جان ہے۔

چند مفید اقتباسات اس کے کچھ ٹکڑے ہم افادیت کے خیال سے یہاں نقل کرتے ہیں۔ مصنّف حمد و صلوٰۃ کے بعد اس سلسلہ میں معترضین کے اعتراضات اور ان کے جوابات لکھتے ہیں:۔

ویظن اهل البدع والزیغ والازراء بالعرب، ان ذلك كان منهم لنقصان حکمتهم، وقلة بلاغتهم، وکثرة الالتباس فی محاوراتهم، وعند اتصال مخاطباتهم، فیسألون عن ذلك ویحتجون بان الاسم منبئٌ عن المعنی الذی تحته ودالٌ علیه ومُوضح تاویله، فاذا اعتوروا للفظة الواحدة معنیان مختلفان لم یعرف المخاطَب ایهما اراد المخاطِب (ص۱) وبطل بذلك معنی تعلیق الاسم علی المسمی، فاجیبوا عن هذا الذی ظنوه وسألوا

عنه بضروب من الاجوبة، احدهن أن كلام العرب يصحح بعضه بعضًا ويرتبط اوله بآخره، ولا يعرف معنى الخطاب منه إلا باستيفائه واستكمال جميع حروفه، فجاز وقوع اللفظة على المعنيين المتضادين لانها يتقدمها و يأتى بعدها ما يدل على خصوصية احد المعنيين حروف الآخر، ولا يراد بها فى حال التكلم والاخبار الامعنى واحد۔ (ص۲)

اس کے بعد اشعار و آیات سے اس کی متعدد دلیلیں بیان کی ہیں، پھر لکھا ہے:۔

ومجرى حروف الاضداد مجرى الحروف التى تقطع على (ص۳) المعانى المختلفة وان لم تكن متضادة فلا يعرف المعنى المقصود منها إلا بما يتقدم الحرف و يتاخر بعده مما يوضح تاويله (ص۴)

پھر لکھا ہے۔

وهذا الضرب من الالفاظ هو القليل الظريف فى كلام العربية وأكثر كلامهم يأتى على ضربين آخرين، احدهما ان يقع اللفظان المختلفان على المعنيين المختلفين كقولك الرجل والمرأة، والجمل والناقة، واليوم والليلة وقام و قعد وتكلم وسكت، وهذا هو الكثير الذى (لا يحاط به) والضرب الآخر أن يقع اللفظان المختلفان على المعنى الواحد كقولك البر والحنطة، والعير والحمار، والذئب (ص۶) والسيد، وجلس وقعد، وذهب ومضى قال ابو العباس عن ابن الاعرابى كل حرفين اوقعتهما العرب على معنى واحدٍ، فى كل واحدٍ منهما معنى ليس فى صاحبه ربما عرفناه فاخبرنا به، وربّما غمض علينا فلم نلزم العرب جهله، وقال الاسماء كلها لعلةٍ خصت العرب ما خصت منها من العلل ما نعلمه ومنها ما نجهله (ص۷)

اس کے بعد ابن الاعرابی کے قول کی توضیح کرتے ہوئے مصنف نے مکہ، بصرہ، کوفہ، انسان، بہیمہ، کی علت بیان کی ہے، پھر لکھا ہے:۔

Marfat.com

فان قال لنا قائل لای علۃ سمی الرجل رجلا، والمرأۃ امرأۃ والموصل موصلا ودعد دعداً (ص ۷) قلنا لعلل علمتها العرب وجهلناها، او بعضها فلم تزل عن العرب حکمۃ العلم بما لحقنا من غموض العلۃ وصعوبۃ الاستخراج علینا وقال قطرب انما اوقعت العرب اللفظتین علی المعنی الواحد علی اتساعھم فی کلامھم کما زاحفوا فی اجزاء الشعر، لیدلوا علی ان الکلام واسع عندھم وان مذاھبہ لا تضیق علیھم عند الخطاب والاطالۃ والاطناب وقول ابن الاعرابی ھو الذی نذھب الیہ للحجۃ التی دللنا علیھا والبرھان الذی اقمناہ فیہ، وقال آخرون: اذا وقع الحرف علی معنیین متضادین فالاصل لمعنی واحد ثم تداخل الاثنان علی جھۃ الاتساع (ص ۸)

اس کے بعد اس کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں اور اشعار و آیات سے اس قول کی توثیق کی ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے:۔

وقال آخرون:۔ اذا وقع الحرف علی معنیین متضادین فمحال ان یکون العربی اوقعہ علیھما بمساواۃ منہ بینھما، ولکن احد المعنیین لحیّ من العرب، والمعنی الآخر لحیّ غیرہ، ثم سمع بعضھم لغۃ بعض فاخذ ھؤلاء عن ھؤلاء وھؤلاء عن ھؤلاء قالوا فالجون الابیض فی لغۃ حیّ من العرب، والجون الأسود فی لغۃ حیّ آخر (ص ۱۱) ثم اخذ احد الفریقین من الآخر کما قالت قریش حَسِبَ یحْسِبُ۔

پھر کسائی کا قول نقل کیا ہے کہ حَسِبَ عرب کی ایک قوم کا اپنا لفظ ہے اور یحسِبُ دوسرے کی زبان ہے جسے انہوں نے سُن کر استعمال کیا اور کسائی کی توثیق میں فرار کا بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اُس نے بعض عرب کو فضِل یفضُل کہتے ہوئے سنا ہے حالانکہ یفعُل فعِل کا مضارع نہیں آتا اس لیے فضِل ایک قوم کا محاورہ ہے اور یفضُل دوسری قوم کی زبان ہے جسے انھوں نے سُن کر استعمال کیا۔

Marfat.com

ہم نے مذکورہ بالا طول طویل عربی عبارتوں کا ترجمہ اس لیے نہیں لکھا کہ یہ خالص علمی اور فنی باتیں ہیں۔ اہل علم وفن کو ترجمہ کی ضرورت نہیں اور جن کا یہ موضوع نہیں ہے ان کے لیے ترجمہ بیکار ہے۔

امام محمد بن قاسم انباری کے نزدیک جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے حروف اضداد بہت کم ہیں۔ وھذا الضرب ھو القلیل الظریف فی کلام العرب[ص۶] انھوں نے اپنی کتاب میں جو ایسے حروف درج کئے ہیں اور اُن کے متضاد معنوں پر دلالت کے دلائل و سوائد اور علل قرآن و احادیث اور اشعارِ عرب سے بیان کئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) ۱۳ حروف، (ب) ۱۶، (ت) ۵، (ث) ۳، (ج) ۱۱، (ح) ۱۷، (خ) ۱۳، (د) ۶، (ذ) ۲، (ر) ۱۹، (ز) ۸، (س) ۱۸، (ش) ۱۵، (ص) ۱۱، (ض) ۷، (ط) ۹، (ظ) ۶، (ع) ۲۳، (غ) ۸، (ف) ۸، (ق) ۱۷، (ک) ۵، (ل) ۵، (م) ۸، (ن) ۱۷، (ھ) ۷، (و) ۷، (ی) ۱۔

Marfat.com

(۱۶)

ابو احمد عسکریؒ کی کتاب المصون فی الادب

ادبی اور شعری تنقید کا ابتدائی سرمایہ

عربی زبان میں تنقیدی نظریات ہمیشہ کسی نہ کسی انداز میں پائے جاتے تھے، شاعری کے ابتدائی ادوار میں بھی اس پر تنقید ہوتی تھی، اور الفاظ و معانی کے اعتبار سے کلام کے معائب و محاسن کو نمایاں کیا جاتا تھا، جاہلی دور میں عکاظ کے مشاعرے میں فن شاعری کے نکھار پر خصوصی توجہ کی جاتی تھی اور یہاں کے اچھے قصائد پورے عرب میں شہرت پاتے تھے، کہا جاتا ہے کہ معلقات وہی قصائد ہیں جو سوق عکاظ کے نقادوں کے نزدیک شعری محاسن کے حامل تھے، نیز حولیات ان قصائد کو کہتے تھے جو سال بھر میں مکمل کئے جاتے تھے اور اس مدت میں ہر زاویۂ نگاہ سے شاعر خود تنقید کر کے ان کو معیاری بناتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ سوقِ عکاظ کے مشاعرے میں اعشیٰ نے اپنے اشعار سنائے پھر حسانؓ نے اپنا کلام پیش کیا جس میں یہ دو اشعار بھی تھے۔

لنا الجفنات الغرّ یلمعن بالضحیٰ   واسیافنا یقطرن من نجدۃٍ دما

ہماری چمکدار لگنیں اور تھالیں دن چڑھے تک دھوپ میں چمکتی رہتی ہیں اور ہماری تلواریں بہادری کی وجہ سے خون ٹپکاتی رہتی ہیں

ولدنا بنی العنقاء و ابنی محرقٍ   فاکرِم بنا خالاً و اکرم بنا ابنما۔

ہماری اولاد میں بنو عنقاء اور بنو محرق ہیں   ہمارے ماموں کیسے مکرم و محترم ہیں اور ہمارے بیٹے کتنے معزز ہیں

صدر مجلس نابغہ ذبیانی نے جو چمڑے کے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا ان اشعار پر تنقید کرتے ہوئے کہا

انت شاعرٌ، ولکنک اقللت جفانک و   تم شاعر ہو، مگر تم نے اپنی لگنوں اور تلواروں کو

Marfat.com

سیوفک وفخرت بمن ولدت، ولم کم کرکے بیان کیا اور اپنی اولاد پر فخر تو کیا مگر اپنے
تفخر بمن ولدک[1] آباء واجداد پر فخر نہیں کیا۔

جاہلی دور کے شعری اور ادبی تنقید کی یہ ایک مثال ہے۔ دولت کویت کے شعبہ التراث العربی کے سلسلہ دائرۃ المطبوعات والنشر کی طرف سے تیسری کتاب ابواحمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ کی کتاب المصون فی الادب ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ابواحمد عسکری کے تلمیذ خاص ابوہلال عسکری متوفی ۳۹۵ھ کی کتاب الصناعتین مدت ہوئی طبع ہو کر عام ہو چکی ہے اور اسی موضوع پر استاذ کی کتاب اب شائع ہو رہی ہے، اس مقالہ میں کتاب المصون اور اس کے مصنف کا تعارف کرانا مقصود ہے، ساتھ ہی مختصر طور سے چوتھی صدی تک عربی فن تنقید کا جائزہ لینا ہے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ میں بھی اس قسم کی انفرادی اور جزوی تنقیدات ادب و محاضرات کی کتابوں میں ملتی ہیں، خاص طور سے حضرت عمرؓ کی ادبی و شعری تنقیدات کی بہت سی مثالیں ابن رشیق قیروانی نے کتاب العمدہ میں درج کی ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی میں فنِ تنقید پر مستقل کتابیں

پہلی اور دوسری صدی تک یہ تنقیدیں زبانی ہوا کرتی تھیں، اور فن کی حیثیت سے باقاعدہ مدوّن و مرتب شکل میں نہیں پائی جاتی تھیں، مگر تیسری صدی گزرتے گزرتے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں، چنانچہ ابوعبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ کی طبقات الشعراء، ابوالعباس احمد بن یحییٰ ثعلب متوفی ۲۹۱ھ کی کتاب معانی الشعر، عبداللہ بن معتز متوفی ۳۱۵ھ کی کتاب الشعراء، قدامہ بن جعفر متوفی ۳۔۔ھ کی کتاب نقد الشعر ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کی کتاب الشعر والشعراء[2] وغیرہ اس دور میں فن شاعری (صناعۃ الشعر) پر تنقید نگاری کا بہترین نمونہ ہیں اور ان میں ۔۔۔ ان تمام زبانی تنقیدات کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی جو عربی شاعری کے حسن و قبح میں وقتاً فوقتاً ائمہ فن اور ارباب ذوق کی طرف سے کی گئی ہیں، اس کے بعد چوتھی اور پانچویں

[1] کتاب المصون فی الادب ص۳ و ص۴، [2] ان کتابوں کے لیے کتاب الفہرست میں ان ائمہ فن کے حالات ملاحظہ ہوں

Marfat.com

صدی میں اس موضوع پر نہایت جامع کتابیں لکھی گئیں اور تنقید کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے
ان کتابوں میں بیان کیا گیا، اس دور کی تنقیدی کتابوں میں ابو احمد عسکری متوفی ۳۸۲ھ کی
کتاب المصون فی الادب، ان کے شاگرد رشید ابو ہلال عسکری متوفی ۳۹۵ھ کی کتاب الصناعتین
اور کتاب دیوان المعانی اور ابن رشیق قیروانی متوفی ۴۵۶ھ کی کتاب العمدۃ فی محاسن الشعر
نقدہ وغیرہ بہت مشہور ہیں، کتاب العمدۃ گویا عربی شاعری کے لیے دائرۃ المعارف اور اس
سلسلہ کی قدیم کتابوں میں سب سے زیادہ جامع اور کامل و مکمل کتاب ہے، مذکورہ بالا کتب
میں سے اکثر و بیشتر پہلے چھپ چکی ہیں، اور اب ۱۹۶۰ء میں دولتِ کویت کی علمی دوستی نے
کتاب المصون کو اپنے دائرۃ المطبوعات والنشر سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے اور
چونکہ راقم اس ادارہ کا مشیر علمی ہے اس لیے اس کی دیگر مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی میرے
پاس بھیجا ہے، چونکہ یہ اہم کتاب پہلی بار شائع ہوئی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اہل علم کو اس
سے اور اس کے مصنف سے واقف کرایا جائے پہلے ہم مصنف کے حالات لکھتے ہیں، اس
کے بعد کتاب اور اس کے بعض اہم مباحث و محتویات پر مفصل بحث کریں گے،

ابو احمد عسکریؒ ابو احمد حسن بن عبداللہ بن سعید بن زید بن حکیم عسکری رحمۃ اللہ علیہ علاقہ
خوزستان و اہواز کے شہر عسکر مکرم کے رہنے والے تھے، جسے مکرم بن معزا
بن حارث باہلی نے آباد کیا تھا، وہیں ۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے، ابو احمد عسکری کے مشہور شاگرد
ابو ہلال عسکری بھی اسی شہر کے رہنے والے تھے اور یہ عجیب بات ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں
کا نام اور دونوں کے والد کا نام ایک ہی تھا، یعنی حسن بن عبداللہ، بعض کہتے ہیں کہ ابو ہلال
عسکری ابو احمد عسکری کے بھانجے تھے۔

ابو احمد عسکری کی شخصیت محدثین و فقہاء اور نحویین و ادبا دونوں طبقوں کے لیے
بڑی پرکشش تھی، اور وہ حدیث و عربیت دونوں کے جامع تھے، انہوں نے ایک طرف بغداد
بصرہ اور اصفہان میں حدیث کی روایت امام ابو القاسم بغوی، امام ابوداؤد سجستانی او

Marfat.com

امام ابوجعفر بن زبیر وغیرہ سے کی تھی، تو دوسری طرف شعر و ادب میں ابوبکر محمد بن یحیٰ صولی، ابوبکر بن درید اور نفطویہ جیسے ائمہ علم و فن کے شاگرد تھے، تحدیث و روایت کی ریاست خوزستان، داہواز کے علاقہ میں ان کی ذات پر ختم تھی، اور محدثین نے دور دراز کا سفر کر کے ان سے روایت کی، انھوں نے خود بھی عسکر مکرم، تستر اور اپنے علاقہ کے مختلف بلاد و امصار میں جاکر اپنے قدیم شیوخ کی ان احادیث کی روایت جو ان تک عالی سند سے پہونچی تھیں، ان کے حدیث کے تلامذہ میں ابو عباد الصائغ تستری، ذوالنون بن محمد، حسین بن احمد جہرمی، ابن عطار شروطی، حافظ ابونعیم اصفہانی، ابوسعد احمد بن محمد بن عبد اللہ مالینی، اور ابوالحسین محمد بن حسن بن احمد اہوازی وغیرہ شامل ہیں، موخر الذکر دونوں حضرات خطیب بغدادیؒ کے شیوخ میں ہیں، ان کے علاوہ ان کے محدثین تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، ادب و عربیت اور تنقید میں ان کے خاص شاگرد ابوہلال حسن بن عبد اللہ بن سہل بن سعید بن یحیٰ متوفی ۳۹۵ھ ہیں، جنھوں نے کتاب الصناعتین اور دیوان المعانی میں ابواحمد عسکری کے تنقیدی نظریات اور اس سلسلہ میں ابوبکر صولی اور ابن درید وغیرہ کی روایات کو نقل کیا ہے۔

ابواحمد عسکری کی جلالت شان کے سلسلے میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے وزیر الصاحب ابوالقاسم اسمٰعیل بن عباد متوفی ۳۸۵ھ جیسا صاحب علم و فضل اور قدر دان آدمی ابواحمد سے ملاقات کی تمنا میں بار بار خط و کتابت کرتا تھا اور ہر مرتبہ ضعیفی اور کمزوری کی وجہ سے عدم حضوری کا جواب پاتا تھا، آخر اس نے ایک بہانہ سے عسکر مکرم جاکر ابواحمد سے ملاقات کرنی چاہی اور سلطان مؤید الدولہ بن بویہ سے کہا کہ عسکر مکرم کے حالات ابتر ہو رہے ہیں۔ مجھے خود وہاں جانا چاہیے، مگر الصاحب کے عسکر مکرم پہونچنے پر بھی ابواحمد اس سے ملنے نہیں گئے، اس نے ایک خط لکھا تھا جس میں چند اشعار بھی تھے، ابواحمد نے اس کا جواب دیا اور خنساء کے بھائی صخر بن عمرو کا ایک شعر جو الصاحب کے اشعار کا ہم قافیہ تھا لکھا مگر اس کے بعد سوچا کہ اب دل پر جبر کر کے چلنا چاہیے الصاحب کو اس جواب سے تسلی نہیں ہوگی، جب دربار

Marfat.com

پہونچے تو حشم و خدم کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے الصاحب تک نہیں پہونچ سکے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر ابو تمام کے یہ اشعار پڑھے۔

مالی اری القبۃ الفیحاء مقفلۃ — دونی وقد طال ما استفتحت مقفلھا

میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے سامنے لمبا چوڑا دربار مقفل ہے حالانکہ میں بہت دیر سے اس کا قفل کھلوا رہا ہوں

کانھا جنۃ الفردوس معرضۃ — ولیس لی عمل زاک فادخلھا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دربار جنت الفردوس ہے اور میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے کہ اس میں داخل ہوسکوں

ان اشعار کو سنتے ہی الصاحب نے پاس بلایا اور بڑے تزک و احترام کے ساتھ ابو احمد دربار میں لائے گئے، اس وقت الصاحب نے کوئی علمی بات دریافت کی، ابو احمد نے کہا کہ الخبیر صادفت یعنی آپ اس کے عالم کو پا گئے ہیں حالانکہ ایسے مواقع پر عرب کی مشہور مثل سقطت علی الخبیر" ہے، الصاحب نے کہا کہ ابو احمد! آپ ہر چیز میں نیا اسلوب پیدا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ عام مثل میں بھی ندرت پیدا کرتے ہیں، ابو احمد نے جواب دیا۔ تفاءلت عن السقوط بحضرۃ مولانا یعنی میں نے جناب عالی کی خدمت میں لفظ سقوط (گرنا) کے استعمال کو بدفالی سمجھ کر ترک کردیا ہے، یہ جواب سن کر الصاحب کے نزدیک آپ کی قدر و منزلت اور زیادہ ہوگئی اور اس نے انعام اکرام سے خوب خوب نوازا بلکہ آپ اور آپکے متعلقین و متوسلین کے لیے دائمی وظیفہ مقرر کردیا جو آپ کے انتقال تک جاری رہا اور الصاحب نے آپ کے انتقال پر یہ مرثیہ کہا۔

قالوا مضی الشیخ ابو احمد — وقد رثوہ بضروب الندب

لوگوں نے کہا شیخ ابو احمد گزر گئے — اور طرح طرح کے گریہ و بکا سے ان کا مرثیہ کہا

فقلت ماذا فقد شیخ مضی — لکنہ فقد فنون الادب

اور میں نے کہا کہ یہ شیخ کا اٹھ جانا نہیں ہے بلکہ ادب کے علوم و فنون کا اٹھ جانا ہے۔

ابو احمد کے تذکرہ نگاروں نے ان کی حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں (۱) التصحیف والتحریف، یہ ان کی بہت مشہور کتاب ہے، اس کا ایک حصہ ۱۳۲۶ھ میں طبع ہوا تھا

Marfat.com

(۲) تصحیح الوجوہ والنظائر، (۳) الحکم والامثال، (۴) راحۃ الارواح، (۵) الزواجر والمواعظ، (۶) علم النظم، یاقوت نے معجم الادباء میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں اس کا نام صناعۃ الشعر بتایا ہے، (۷) مالحن فیہ الخواص من العلماء، (۸) المختلف والموتلف فی مشتبہ اسماء الرجال، (۹) الورقۃ، اس کا تذکرہ ان کے تلمیذ خاص ابوہلال عسکری نے دیوان المعانی میں ایک مقام پر کیا ہے (۱۰) کتاب المنطق وغیرہ (۱۱) کتاب الاوائل، اس کا مختصر سیوطیؒ نے الوسائل کے نام سے کیا ہے۔

کتاب المصون فی الادب اس نام کے ساتھ ابواحمد کی تصنیفات میں کسی کتاب کا تذکرہ نہیں ملتا، ممکن ہے یہی کتاب النظم ہو جس کا نام یاقوت نے معجم الادباء میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں صناعۃ الشعر لکھا ہے، یا اسی کتاب کا کوئی حصہ کتاب المصون کے نام سے موسوم ہو گیا ہو، اس کے شروع میں حمد وصلوۃ نہیں ہے بلکہ "باب فی نقد الشعر" سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے، بہرحال ابواحمد کے تلمیذ خاص ابوہلال عسکری نے دیوان المعانی میں اس کی جو سندیں اور روایتیں اپنے استاذ کے حوالہ سے درج کی ہیں ان سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ کتاب المصون فی الادب ابواحمد عسکری کی کتاب ہے، اس زمانے میں ان کے نام سے کتابیں لکھنے کا رواج بھی تھا چنانچہ ابن ندیم نے ابوالعباس ثعلب کی تصنیفات میں کتاب المصون فی النحو کا نام درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ دجعلہ حدوداً یعنی ثعلب نے اس کتاب میں علم نحو کے مسائل اور ان کی تعریف بیان کی ہے[1]

مقدمہ نگار اور محقق کی تصریح کے مطابق دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ کتب خانہ اسکوریال میں نمبر ۷۷۳ کے ماتحت تھا اور مصر کے مشہور ماہر مخطوطات ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے اس کا فوٹو معہد المخطوطات مصر کے لیے حاصل کیا، اس کے پہلے صفحہ کا فوٹو کتاب میں شامل ہے جس پر پہلی سطر میں کتاب المصون فی الادب، دوسری سطر میں یشتمل علی ابواب شتیٰ من الادب،

---

[1] کتاب الفہرست ص۱۱۱

اور تیسری سطر میں تالیف ابی احمد الحسن بن عبد اللہ بن سعید العسکری درج ہے، اور پانچ تملیکات موجود ہیں اور دو حمدیں ہیں، اور نیچے من ترجمۃ النحاۃ للسیوطی یعنی بغیۃ الوعاۃ فی ترجمۃ النحاۃ سے چار سطروں میں باریک خطِ فارسی میں ابو احمد عسکری کا حال درج ہے، پوری کتاب نہایت صاف ستھرے خطِ نسخ میں لکھی گئی ہے، کاتب کا نام یا سنہ کتابت نہیں ہے البتہ خاتمہ پر یہ عبارت ہے: تم الکتاب المصون، والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد النبی وآلہ وسلم کثیرا، مشہور مصری محقق عبد السلام محمد ہارون نے اس کی تصحیح و تعلیق کی ہے، اور اس سلسلہ میں وہ تمام خدمات بوجہ احسن انجام دی ہیں جو جدید طرزِ تحقیق و تعلیق کیلیے ضروری ہیں، اور ۹۳ کتابوں سے کام لیا ہے، ولایتی آرٹ پیپر پر نہایت واضح اور جلی ٹائپ میں چھپی ہے، اصل کتاب ۲۲۸ صفحات میں ہے، اس کے بعد تقریباً ۵ صفحات میں اعلام، قبائل، امکنہ، اشعار و ارجاز اور مراجع الشرح والتحقیق کی فہارس درج ہیں۔

چند تنقیدی اصول اور مباحث

ابو احمد عسکری نے کتاب المصون کی ابتداء "باب نقد الشعر" سے کی ہے اور اس باب میں شعری تنقید شخصی ذوق اور فنی احساس دونوں چیزوں پر موقوف ہے، اور شعر گوئی اور تنقید میں کوئی مناسبت نہیں ہے، ایسا بھی ہوتا ہے اچھا شعر کہنے والا تنقید کے ذوق و معیار سے محروم ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اچھا نقّاد شعر گوئی کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس باب میں ابو بکر صولی، ابن مقفّع، اور جاحظ کے تنقیدی نظریات کو پیش کر کے ان کی روشنی میں کچھ تنقیدی واقعات نقل کیے ہیں، اور گویا پورا باب ان ہی نظریات کی توضیح ہے، ان ائمۂ نقد و نظر کے خیالات کو نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ تیسری صدی کے وسط میں فنِ تنقید مستقل فن بن گیا تھا،

قال ابوبکر: نقد الشعر وترتیب الکلام و وضعہ مواضعہ وحسن الاخذ، والاستعارۃ

ابو بکر صولی کا قول ہے کہ اشعار کی تنقید، الفاظ کی ترتیب، ان کا برمحل استعمال، حسنِ انتخاب،

...ي المستكره والجاسي صنعتهُ براسها،
...لا تراه الا لمن صحت طباعهم، واتقدت
...ائحهم، وتنبهت فطنهم، وراضوا الكلام
...ووا، وميزوا، هذا شاعر حاذق مميز
...ن، مهذب الالفاظ، مثل البحتري
...ويكمل لنقد جميع الشعر، ولو ان نقد الشعر
...علم فقد كان يدرك بقول الشعر وما
...وايته لكان من يقول الشعر من العلماء
...بعرض لسائر الناس، هذا الخليل بن
...مد وحماد الراوية وخلف والاصمعي
...سائر من يقول الشعر من العلماء ليس
...عرهم بالجيد من شعر زمانهم، بل
...عصر كل واحدٍ منهم خلقٌ كثيرٌ
...س لجماعتهم علمُ واحدٍ من هؤلاء،
...كلهم اجود شعراً، فقد يقول الشعر الجيد
...ن ليس له المعرفة بنقده، وقد
...يزه من لا يقول وقيل لابن المقفع،
...لا تقول الشعر مع علمك به فقال:
...نا كالمسنّ، اشحذ، ولا اقطع۔
...خبرنا الفسوي قال: حدثني يموت
...ن المزرّع قال سمعت الجاحظ يقول:

استعارہ، اور نامانوس واجنبی الفاظ سے بچنا ایک مستقل فن ہے، اور تم کو اس فن کے ماہر ایسے ہی لوگ نظر آئیں گے جو فطرت صحیحہ، روشن ذوق اور بیدار شعور رکھتے ہیں، اور انھوں نے کلام پر قابو پا کر بصیرت وتمیز کے ساتھ اسے پڑھا پڑھایا ہو، بحتری شاعری میں صاحب نظر اور ماہر ہے اور حسین وخوبصورت الفاظ استعمال کرتا ہے مگر وہ تمام اشعار کی تنقید کا فن پورے طور سے نہیں جانتا، اگر صرف شعر گوئی یا اشعار کی روایت سے شعر کی تنقید اور معرفت حاصل کی جاسکتی تو ہر شعر کہنے والا فنِ تنقید کا عالم ہوتا اور فنی اعتبار سے سب سے بڑا شاعر ہوتا، خلیل بن احمد، حماد راویہ، خلف الاحمر، اصمعی اور ان کے علاوہ علمائے فن میں سے جو لوگ بھی شعر کہتے ہیں ان کے اشعار اپنے زمانہ کے شعراء کے کلام سے بہتر نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانہ میں بہت سے ایسے شعراء پائے جاتے ہیں کہ ان کی ایک پوری جماعت کے پاس مذکورۂ بالا علمائے فن میں سے کسی ایک عالم کا بھی علم نہیں ہوتا مگر وہ پوری جماعت کے پاس

Marfat.com

اجود الشعر ما رأيته متلاحم الاجزاء، سهل المخارج، كأنه سبك سبكاً واحداً وأُفرغ إفراغاً واحداً فهو يجري على اللسان كما يجري فرسُ الرّهان، وحتى تراها متفقة مُلسًا، ولينة المعاطف سهلة، فاذا رأيتها متخلفة متباينة ومتنافرة مستكرهة تشق على اللسان، وتستكده، ورأيت غيرها سهلة لينة رطبة متواتية مسلسلة في النظام حتى كأن البيت بأسره كلمة واحدة، وحتى كأن الكلمة بأسرها حرفٌ واحدٌ، لم يخفَ على من كان من أهله،

(كتاب المصون صفحہ ۵، و ۶ و ۷)

مذکورہ بالا علمائے فن میں سے کسی ایک عالم کا بھی علم نہیں ہوتا مگر وہ پوری جماعت بہترین اشعار کہتی ہے، اسی لیے بعض ایسے لوگ اشعار کہتے ہیں جو شعری تنقید کی معرفت نہیں رکھتے اور بعض لوگ اس میں تمیز و معرفت رکھتے ہیں مگر خود شعر نہیں کہتے، ایک مرتبہ ابن مقفع سے لوگوں نے کہا کہ تم شعر کیوں نہیں کہتے ہو، حالانکہ تم کو شاعری کا علم ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں سان کے مانند ہوں کہ چھری کو تیز تو کرتا ہوں مگر خود کاٹتا نہیں ہوں، جاحظ کا قول ہے کہ بہترین شعر وہ ہے جس کے اجزاء مربوط ہوں، ادائگی آسان ہو، گویا ایک ہی مرتبہ میں ڈھال دیا گیا ہے اور تیز رفتار گھوڑے کی طرح زبان پر جاری ہو، نہایت صاف سپاٹ ہو، سہل و نرم ہو، اور اگر کوئی شعر اکھڑا اکھڑا سا ہو، اس کے اجزاء جدا جدا ہوں اور نا مانوس الفاظ کی وجہ سے اس کی ادائگی زبان پر گراں گزرے اور اس کے مقابلہ میں کوئی شعر نہایت نرم و سہل ہو، اس کے الفاظ میں نظم و ترتیب اور ربط ہو، جیسے پورا شعر ایک کلمہ ہے اور

Marfat.com

پورا کلمہ ایک حرف ہے، تو یہ شعر جس کسی کا ہو
معائب سے پاک ہے۔

اس کے بعد ان ہی تنقیدی اصولوں کے ماتحت بہت سے واقعات وروایات درج ہیں جن میں اشعار اور شعراء پر تنقید ہے، پھر عربی شاعری کی مختلف اصناف کے بہترین اشعار کا انتخاب ائمۂ فن کے ذوق کے مطابق ہے، اور ہر صنف شاعری میں اوصاف وتشبیہات کے اعتبار سے معیاری اشعار درج ہیں، خاص طور سے بدائع کون اور جمالِ فطرت کی عکاسی کے سلسلے میں بہت سے ایسے اشعار کا انتخاب دیا گیا ہے جو عربی شاعری کے تمام ادوار کے مفاخر ومحاسن میں شمار کیے جاسکتے ہیں، ثریا، جوزی، شعریٰ، شمس وقمر، ہلال، لیالی مقمرہ، لیالی مظلمہ وغیرہ کی صفات وتشبیہات پر ایسے اشعار جمع کر دیئے گئے جو شعر وادب کی بزم کے حسن وجمال اور آبرو ہیں، ان اشعار سے عرب شعرا کے جمالیاتی ذوق کی نزاکتیں اور بلندیاں معلوم ہوتی ہیں۔

"پھر مشہور شاعر ابن المعتز کی تشبیہات کے شہ پارے درج ہیں جن میں اس نے مختلف اشیاء واحوال کے بیان میں تشبیہ کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کیا ہے، ابن المعتز کے تشبیہاتی شہ پاروں کے بعد عباسی دور کے مشاہیر شعراء کی حسین وبلیغ تشبیہات کے نمونے پیش کیے گئے ہیں، اس کے بعد "انواع التشبیہ عند العرب" کے عنوان سے لکھا ہے کہ عربوں کے نزدیک تشبیہ کی چار قسمیں ہیں (۱) تشبیہ مضرط (۲) تشبیہ مصیب (۳) تشبیہ مقارب (۴) اور وہ تشبیہ جو بیان وتوضیح کی محتاج ہو اور بذاتہ مکمل نہ ہو، اور ہر ایک قسم کی مثال اشعار کے ذریعہ بیان کی ہے، اور عجیب وغریب تشبیہات کی مثالیں بہت تفصیل سے دی گئی ہیں، اس طرح تقریباً نصف کتاب شعری محاسن اور اچھے شعراء کے کلام کے بارے میں ہے، اس حصہ سے عربی شاعری کے نوک پلک کا پتہ چلتا ہے، یہ حصہ صفحہ ۱۴۰ پر ختم ہو گیا ہے"۔

صناعۃ الشعر کے بعد صناعۃ الکتابۃ (فن انشاء) کا حصہ شروع ہوتا ہے، اس کی ابتداء

یحیٰ ابن خالد برمکی کے فصیح و بلیغ اور مرصع کلمات سے ہوتی ہے، اس کے بعد علم نحو کی تاریخ اور ائمہ نحو کے طبقات کا مختصر تذکرہ ہے، اور اسی سلسلہ میں کچھ علمائے نحو و ادب کے حالات و واقعات ہیں، پھر شعر و ادب سے متعلق اور بار شعراء کے کلام کے مختارات و انتخابات ہیں، اس کا سلسلہ بہت لمبا چلا گیا ہے، اور کتاب کے خاتمہ سے کچھ پہلے بلغاء و فصحاء کے کلام کا انتخاب ہے جو کہنا چاہئے کہ سابق بیان کا تتمہ ہے۔

Marfat.com

(۱۷)

امام ابوبکر مراغی کی
کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ (اگست ۱۹۵۶ء) میں مدینہ منورہ سے دو تازہ علمی تحفے آئے، ایک امام زین الدین ابوبکر بن حسین مراغی مدنی متوفی ۸۱۶ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ، اور دوسرا امام جمال الدین مطری مدنی متوفی ۷۴۱ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ، ان دونوں کتابوں کو مولانا شیخ محمد نمنکانی مدنی صاحب المکتبۃ العلمیۃ مدینہ منورہ نے شائع کیا ہے اور ہمارے پاس ہدیۃً روانہ فرمایا ہے، یہ دونوں مدینہ منورہ کی تاریخ ہیں :

مدینہ منورہ کی قدیم تاریخیں

حرمین شریفین کی تاریخ نویسی علمائے اسلام کا محبوب ترین مشغلہ رہا ہے اور ہر دور میں ان مقدس مقامات کی تاریخیں بڑے ذوق و شوق سے مرتب کی گئی ہیں، مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی سب سے پہلی اور مفصل تاریخ جہاں تک ہمیں معلوم ہے امام حافظ محب الدین بن نجار رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ" ہے جو نہایت پر مغز اور جامع و مستند ہے، اس میں مدینہ منورہ کے اکثر و بیشتر آثار و علائم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور دوسری کتاب امام جمال الدین مطری کی "التعریف بما آنست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ" ہے، یہ کتاب امام مراغی کی تحقیق النصرۃ سے چند سال پہلے لکھی گئی، اس کتاب میں، امام مطری نے نہایت سلیقہ مندی سے ابن نجار کے بعض مباحث کی تکمیل کی ہے، اور بہت سے تاریخی واقعات کا اضافہ

Marfat.com

فرمایا ہے' امام مراغی نے امام جمال الدین مطری کے صاحبزادے شیخ ابو السعادت عفیف الدین
سے اس کی روایت کی تھی، اور ان ہی دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر تحقیق النصرہ مرتب کی'
نیز بہت سے اہم فوائد کا اضافہ کیا؛

آج کی مجلس میں ہم اس کتاب اور اس کے مصنف کا تعارف کرانا چاہتے ہیں' علامہ
سخاوی ؒ نے الضوء اللامع میں امام مراغی کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا ہے' زین الدین ابو
بن حسین بن ابو حفص عمر بن ابو عبداللہ محمد بن یونس بن ابو الفخر بن محمد بن عبدالرحمٰن بن
بن طولو قرشی علبشی اموی عثمانی مراغی مصری مدنی رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہے کہ آپ کی کنیت ہ
آپ کا نام ہے بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کا نام عبداللہ اور کنیت ابو بکر اور ابو محمد ہے' ا
حسین مراغی کے لقب سے بھی مشہور ہیں' آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے جلیل القدر عالم ؒ
دار الکتب المصریہ کے ایک قلمی نسخہ کی پشت پر ان کا نام یوں درج ہے۔ الشیخ الامام الع
المقری بدر الدین الحسین بن الشیخ سراج الدین عمر المراغی العبشی العثمانی"

امام ابو بکر مراغی ؒ

ابو بکر مراغی ۷۲۷ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے، اور وہیں نشوو نما پائی
ویسے تو آپ نے بہت سے مصری علماء سے تحصیل علم کیا لیکن امام تقی الد
سبکی ؒ سے بہت زیادہ پڑھا اور امام اسنوی ؒ کی صحبت میں رہ کر فقہ میں مہارت حا
کی اور امام اسنوی ؒ نے آپ کو افتاء کی اجازت دی، زندگی کے ابتدائی دور ہی میں ق
سے حجاز چلے آئے اور مدینہ منورہ میں پچاسوں برس تک مقیم رہے؛ یہیں ۷۵۷ھ میں
ابن سبع اور شیخ محمد بن فرحون سے صحیح بخاری کا سماع کیا، یہیں شادی کی اور چند اولاد پید
۱۱ ذوالحجہ ۸۰۹ھ کو شیخ بہاء الدین محمد بن محب زرندی ؒ کی جگہ پر مدینہ منورہ کے قاضی
اور امام بنائے گئے، اور جب تک اس منصب پر رہے نہایت عمدگی اور سلیقہ مندی سے
خدمات انجام دیتے رہے، ڈیڑھ سال کے بعد صفر ۸۱۱ھ میں اپنے داماد شیخ رضی ال
ابو حامد مطری کے حق میں ان عہدوں سے برطرف ہو گئے، مدینہ منورہ میں آپ کی ذا

Marfat.com

فضل کا مرکز تھی، حجاج و زوّار آپ کے علمی فیوض و برکات سے نفع حاصل کرتے تھے، مسجد نبوی میں آپ کا مستقل حلقۂ درس تھا جس میں حدیث کی تعلیم دیتے تھے، وصال سے پہلے آپ نے ۸۹۱ھ اور ۸۹۵ھ میں مکہ مکرمہ میں مجاورت اختیار فرمائی تو مکہ، منیٰ اور جعرانہ وغیرہ میں بھی لوگوں نے آپ سے درس لیا۔

علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ امام ابوبکر مراغیؒ سے حدیث کا سماع ان کی اولاد کے علاوہ ان کے نواسے محب الدین اور امام فاسی نے کیا، پھر لکھتے ہیں ومن لا احصیھم کثرۃً اور اتنے زیادہ لوگوں نے آپ سے سماع کیا ہے کہ میں ان کا شمار نہیں کر سکتا، ان سے حدیث کی اجازت رکھنے والے اس وقت بھی کئی حضرات ہیں مگر میرے علم میں ان سے سماع کرنے والوں میں شیخ ابوالفتح ابن علیبک مدینہ میں، اور شیخ ابوبکر بن فہد مکہ میں رہ گئے ہیں، ان کی مجلس درس میں جو عالم آخری دور میں حاضر ہوا وہ شیخ ابوبکر بن علی بن موسی قرشی ہیں۔

ان کا انتقال ۸۹۵ھ یا ۸۹۸ھ میں ہوا، آپ بہترین اور مشہور قاری و مجود بھی تھے، مدینہ منورہ میں بعض لوگوں نے آپ سے تجوید و قراءت کی تعلیم بھی حاصل کی۔

وقت کے بڑے بڑے علمائے اسلام نے آپ کے بارے میں قیمتی رائے کا اظہار فرمایا ہے اور آپ کے فیوض و برکات کا برملا اعتراف کیا ہے، جو علما حج و زیارت کے سلسلے میں آپ سے فیضیاب ہوئے انہوں نے اپنی تصانیف میں آپ کا ذکر شاندار طریقہ پر کیا ہے مثلاً ایک تذکرہ نویس نے آپ کو ان القاب سے یاد کیا ہے، الشیخ، الفقیہ، الامام العالم العامل، مفتی المسلمین، المدرس والمتصدر بالحرم الشریف اسی طرح امام جزریؒ نے آپکے بارے میں لکھا ہے، الامام، العالم، العامل، العلامۃ، البحر، الفرید، الحجۃ، المحقق، القدوۃ، مفتی المسلمین زین الدین والملۃ، جمال العلماء العاملین شرف الاعیان والمدرسین اور شیخ برہان الدین ابناسیؒ کے والد نے آپ کو ان القاب سے یاد کیا ہے الشیخ الصالح المربی کہف الفقراء والمساکین اور خود شیخ برہان الدین ابناسیؒ نے اپنے لڑکے کے اجازت نامہ میں آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے

Marfat.com

الشیخ الامام العالم العلامۃ، ذی الفوائد الجسیمۃ والفرائد الیتیمۃ صدر المدرسین، زین المفتین

ان الفاظ و القاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام مراغی کس مرتبہ کے عالم و بزرگ تھے!

آپ کی وفات ابتدائے ذی الحجہ ۸۱۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی، اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے، رحمۃ اللہ (الضوء اللامع جلد ۱۱ صفحہ ۲۱ تا ۲۸)

آپ کی تصنیفات میں یہ کتابیں ہیں۔

(۱) روائح الزہر، یہ کتاب الزہر الباسم فی سیرۃ ابی القاسم صلے اللہ علیہ وسلم کا اختصار ہے، جو سیرت نبوی پر ایک مفصل کتاب ہے۔

(۲) منافع الحرز، یہ بھی ابو القاسم عبد الغفار بن محمد سعدی کی کتاب الحرز المعد لمن فقد رسولہ کا اختصار ہے۔

(۳) مرشد الناسک الی معرفۃ المناسک، یہ مناسک حج پر مختصر اور مفید کتاب ہے۔

(۴) الوافی بتکملۃ الکافی، یہ ان کے استاذ امام اسنوئ کی شرح المنہاج کا تکملہ ہے، کہا جاتا ہے کہ ابوبکر مراغی نے امام اسنویؒ کی حیات ہی میں ان کی اس شرح کی تکمیل کا کام شروع کر دیا تھا۔

(۵) العمدۃ فی شرح الزبدۃ، یہ بارزیؒ کی کتاب الزبدۃ کی شرح ہے۔

(۶) تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ، یہ مدینہ منورہ کی تاریخ ہے جس پر ہم یہ مضمون لکھ رہے ہیں، ان کتابوں کے علاوہ اور بھی آپ کی تصنیفات ہیں۔

تحقیق النصرۃ کی خصوصیات

تحقیق النصرہ کو امام مراغی نے ۷۶۶ھ میں لکھا ہے جیسا کہ مسجد بنی ساعدہ کے ذکر میں لکھتے ہیں "اس جگہ پر مدینہ کے دروازہ دار جہینہ کا نشان ۷۶۶ھ تک باقی ہے جو اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ ہے" (صفحہ ۱۴۶) نیز کتاب کے خاتمہ پر لکھتے ہیں "میں اس کتاب کی تبییض سے شنبہ ۱۲ رجب ۷۶۶ھ کو فارغ ہوا" (صفحہ ۲۱۱) اس کے چالیس سال کے بعد آپ کا انتقال ہوا اس

تالیف وتصنیف کے سلسلہ میں ابن نجار کی الدرۃ الثمینہ اور مطری کی التعریف آپ کے پیش نظر رہی اور ان ہی دونوں کو آپ نے ماخذ قرار دیا جیسا کہ لکھتے ہیں "میں نے ان دونوں کتابوں کی سندوں کو حذف کرکے ان کے مقاصد کو باقی رکھنے کے بارے میں اللہ تعالےٰ سے استخارہ کیا اور بعض مقامات پر ایسی باتوں کا اضافہ کیا جن کو ان دونوں حضرات نے اختصار یا ندرت کے خیال سے ذکر نہیں کیا تھا، تاکہ اہل صدق وصفا ان باتوں کو بھی معلوم کرسکیں، نیز میں نے بہت سے نوادر اور فوائد کا اضافہ کیا جو خواص کے لیے بہت اہم ہیں، اختصار اور مناسبت کی وجہ سے مجھے واقعات میں تقدیم وتاخیر، حذف وتطویل اور تکرار سے بھی کام لینا پڑا ہے۔ تاکہ عوام کو فائدہ ہو، جہاں جہاں میں نے اضافہ کیا اس کے شروع میں قیل کذا، نقل کذا، انقل فلاں کذا، ینبغی کذا کے الفاظ لکھ کر آخر میں واللہ اعلم لکھ دیا ہے، یہ میں نے اس لیے کیا کہ یہ فرع اپنی اصل کی جامع ہو جائے، اور فوائد جلیلہ میں منفرد بھی رہے، (صفحہ ۱۱) واقعہ یہ ہے کہ امام مراغی نے اپنی طرف سے جن فوائد کا اضافہ کیا وہی اس کتاب کی امتیازی حیثیت کا باعث ہیں، اور ان ہی سے سابقہ دونوں کے مقابلہ میں اس کتاب کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، اس کتاب کے تین قلمی نسخوں کا پتہ چل سکا، دو دارالکتب المصریہ میں موجود تھے، جن میں ایک ۷۶۷ھ میں لکھا گیا ہے یعنی کتاب کی تصنیف کے ایک سال بعد کا ہے اور مدینہ منورہ ہی میں لکھا گیا ہے۔ یہ نسخہ نہایت قیمتی اور اہم ہے، اس کے آخر میں یہ عبارت ہے "یہ نسخہ مبارکہ بروز چہارشنبہ ۱۹ رجب ۷۶۷ھ کو فقیر عبداللہ بن عبدالکافی بن علی حسنی طباطبی شافی صوفی نزیل حرم رسول اللہ صلے اللہ کے ہاتھ پر تمام ہوا" اور ایک نسخہ خود ناشر کے پاس محفوظ تھا۔ جو تیرہویں صدی کے ایک نسخہ کی نقل در نقل ہے، اس کے پہلے ناقل شیخ لطف اللہ بن شیخ محمد فاکر سندھی مدنی ہیں، یہ بھی مدینہ منورہ ہی میں لکھا گیا ہے، اس کے آخر میں ہے "اس نسخہ مبارکہ کا اتمام بیک شنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۲۴۱ھ کو مدینہ منورہ مواجہ شریف علی صاحبہا افضل الصلوات واشرف التسلیمات کے سامنے ہوا، عبد ضعیف

نحیف فقیر محتاج الی اللہ لطف اللہ بن شیخ علامہ فہامہ محمد ذاکر سندی نقشبندی" پھر اس سے شیخ عبد الرحیم بن شیخ عبد اللہ صدیق مدنی نے نقل کیا، جس کی کچھ عبارتیں ان کے استاذ شیخ عمر حمدانی محرسی نے بھی لکھیں، اور اس کی نقل جمعہ ۱۲ محرم ۱۳۱۳ھ کو ہوئی، اسی مدنی نسخہ کو اصل قرار دے کر دونوں مصری نسخوں سے اختلاف نسخ درج کیا گیا ہے،

دار الکتب المصریہ کے ایک عالم محمد عبد الجواد الاصمعی نے اس کتاب کی تصحیح وتحقیق نئے انداز پر کی ہے، اور اسماء واماکن، امم وقبائل اور قوافی کی مفصل فہارس آخر میں دی ہیں، نیز ناشر نے جگہ جگہ اختلاف نسخ کو نقل کیا ہے، اور وفاء الوفاء وغیرہ سے اہم فوائد اور معلومات کا اضافہ کیا ہے ساتھ ہی بہت سی حالیہ تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے، نیز پانچ صفحات میں مسجد نبوی کی جدید عزیزی اور سعودی تعمیرات کا ذکر کر کے دروازوں، مناروں اور ستونوں کی تفصیل دی ہے، جس سے کتاب کی افادیت واہمیت بڑھ گئی ہے، پوری کتاب ۲۷۶ صفحات میں ہے۔

Marfat.com

(۱۸)

المنجد پر ایک تنقیدی نظر

"فروری ۱۹۵۶ء میں عربی لغت کی مشہور اور جدید لغت المنجد کا نیا ایڈیشن نکلا جس کے آخر میں المنجد فی الآداب والعلوم کا اضافہ تھا، اس کے چند ہی ماہ بعد یہ جدید ایڈیشن ہمارے سامنے آیا اور ہم نے اکتوبر ۱۹۵۶ء کے "البلاغ" میں "المنجد کی غلطیاں اور افتراء پردازیاں" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جس میں اس کے جدید حصہ کی چند غلطیوں اور افتراء پردازیوں کو ظاہر کیا، تاکہ اہل علم متنبہ رہیں، اسی زمانہ میں رسالہ دار العلوم دیوبند نے اسے نقل کر کے اس فرض کفایہ کی ادائگی میں حصہ لیا، اور اب تیرہ سال کے بعد ایک مصری فاضل اور ماہر ادب ولغت الاستاذ عبد الستار احمد فراج نے مجلۃ "العربی" کویت بابت ماہ جنوری ۱۹۷۰ء میں المنجد کے اس حصہ پر ایک تنقیدی مضمون بعنوان "المنجد معجم فی اللغۃ، نقدلہ لا مفر منہ" شائع کیا ہے، پہلے ہم اپنے مقالہ کو درج کرتے ہیں، پھر مصری فاضل کے مضمون کا خلاصہ اور ان کی بتائی ہوئی اہم غلطیوں کو درج کریں گے"۔

المنجد فی الآداب والعلوم

اسی سال (۱۹۵۶ء) فروری میں لغت کی مشہور کتاب المنجد کا جو جدید ایڈیشن چھپا ہے، اس کے دو حصے ہیں، ایک تو وہی المنجد ہے بیروت کے ایک کیتھولک پادری لویس معلوف یسوعی نے لکھا ہے، اور بڑی حکمت عملی سے جگہ جگہ اسلامی لغات ومفاہیم میں کتر بیونت کی ہے، اس طباعت میں اس کا نام "المنجد فی اللغۃ

والادب رکھا گیا ہے، اور دوسرا جدید حصہ بیروت ہی کے دوسرے پادری عیسائی فردنیان توتل نے مرتب کیا ہے اور اس کا نام المنجد فی الأدب والعلوم مقلب بہ معجم لا علام الشرق والمغرب ہے، یہ حصہ بھی تقریباً چھ سو صفحات میں ہے اور طباعت قدیم المنجد کی طرح ہے، گویا یہ عام معلومات کا دائرۃ العلوم ہے اور مؤلف نے بڑی محنت وتلاش سے اسے مرتب کیا ہے، اور ہر قسم کی معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، یہ کتاب ابھی ابھی مکہ مکرمہ سے ہمارے پاس آئی ہے۔ چونکہ قدیم المنجد کی طرح یہ جدید المنجد بھی بہت ہی سہل اور معلوماتی ہے اس لیے ہمارے عربی مدارس کے طلبہ اسے بھی پڑھیں گے، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ جدید حصہ کی بعض غلطیوں اور چالوں کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ اس کے مطالعہ کے وقت معلوم رہے کہ یہ عربی زبان کی کوئی ایسی مستند لغت نہیں ہے کہ اس کی ہر بات مان لی جائے، بلکہ بڑی حد تک اس کے معانی ومطالب اسلام اور مسلمانوں کے حق میں سخت مضر ہیں، ہم نے سرسری مطالعے کے بعد یہ چند غلطیاں اور بیہودگیاں جمع کی ہیں، اگر اسے غور سے پڑھا جائے تو اس سے کہیں زیادہ شرارتیں معلوم ہو سکتی ہیں، ہمارا منشا فی الحال چند مثالوں کے ذریعہ باخبر کرنا ہے تاکہ اس کا مطالعہ اسی نقطۂ نظر سے کیا جائے، اس میں تین قسم کی غلطیاں ہیں، ایک وہ جو مؤلف کے سہو یا لاعلمی سے سرزد ہو گئی ہیں، ان کے لیے وہ ماخوذ ومسئول نہیں ہیں، بڑے سے بڑے مصنف ومؤلف سے اس طرح کی غلطی ہو جاتی ہے، دوسری وہ جو مطبع کی بے پروائی سے ہوئی ہیں، ان پر بھی مؤلف کو مطعون نہیں کیا جا سکتا ہے مگر ان دونوں کے مضر اثرات اور غلط نتائج سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، اور ایسا ہونا بہر حال معیوب ہے، تیسری وہ غلطیاں ہیں جو جان بوجھ کر تعصب اور جانبداری کی وجہ سے کی گئی ہیں، ایسی غلطیاں ہلکی ہونے کے باوجود بھاری ہوتی ہیں، اور اگر بھاری ہوں تو بڑی مجرمانہ ہوتی ہیں، افسوس کہ اس میں ہم اقسام کی غلطیاں بکثرت ہیں، اور پادری فردنیان توتل علم وتحقیق کی عدالت میں مجرم ہے اس میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہی تعصب وتنگ نظری ہے جو ہر عیسائی میں ہوتی ہے

Marfat.com

خواہ وہ کتنا ہی صاف ذہن معلوم ہو اور کتنا ہی بڑا محقق بنے، اصل مضمون سے پہلے ایک حقیقت کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

اسلام اور عیسائیت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی، اور ساتھ ہی تین طاقتیں مخالفانہ سرگرمی دکھانے لگیں، ایک طرف کفار مکہ تھے جو کھل کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے، اور ان سے مسلمانوں کی جنگ رہا کرتی تھی، دوسری طرف اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ تھے جو عرب میں سرمایہ داری، جاگیرداری اور اپنے علوم کی وجہ سے کافی اثر رکھتے تھے، اور ان کی چالیں کبھی مسلمانوں کو چین لینے نہیں دیتی تھیں، اور تیسری طرف منافقوں کا گروہ تھا جو بظاہر مسلمانوں سے میل جول رکھتا تھا مگر درپردہ کفار اور اہل کتاب سے ساز باز رکھتا تھا، ان تینوں طاقتوں میں کفار عرب کی طاقت فتح مکہ کے بعد ختم ہوگئی اور اسی کے بعد منافقوں کا گروہ بھی تقریباً ختم ہی ہوگیا، مگر تیسرا گروہ یہود و نصاریٰ کا باقی رہا اور بعد میں اسلام اور مسلمانوں کو اس سے نبرد آزما ہونا پڑا، اس میں سے یہود بڑی حد تک شکست خوردہ ہو کر سامنے سے ہٹ گئے، البتہ نصاریٰ کا گروہ آج تک مختلف شکلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کیا کرتا ہے، مدتوں تک عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کی صورت میں اسلام کا مقابلہ کیا، اور شکست کے بعد جب ادھر سے رُخ پھرا تو ان کے پادریوں اور عام عالموں نے اپنی کتابوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا، اور کئی صدیوں تک عیسائی مصنفین اپنی کتابوں میں اسلام کے خلاف طرح طرح کی بے سروپا باتیں لکھتے رہے، اس کے بعد اب صورتِ حال یہ ہے کہ یہ نصاریٰ استشراق اور علم و تحقیق کے نام پر۔ اسلامی علوم و فنون میں دخل انداز ہو کر اسلام پر رکیک حملے کرتے رہتے ہیں اور مصری کے ساتھ زہر مسلمانوں کو دیتے ہیں، بہت سے عیسائی مصنفوں نے بڑی چالاکی سے مسلمانوں ہی سے علم و فضل کی سند حاصل کی، اور ان کے ہمخیال بن کر ان کے دین اور رجال دین کو تختۂ مشق بنایا، اور یہی حال المنجد کے عیسائی پادری

Marfat.com

مؤلف ومرتب کا ہے، اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں،

چند فاش غلطیاں اور افترا پردازیاں

آدم کے ماتحت لکھا ہے کہ آدم وحوا نے اللہ کی نافرمانی کی تو جنت الفردوس سے نکال دیئے گئے، پھر لکھا ہے کہ ولکنھما وعدا بمخلص ھو المسیح (مگر ان دونوں سے ایک نجات دہندہ کا وعدہ کیا گیا جو عیسیٰ مسیح ہیں) دیانتداری اور ذمہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ یہاں عندالمسیحیین بھی لکھنا چاہیئے تھا جیسا کہ بعض دوسرے مقامات پر ایسے مواقع پر لکھا ہے، یہ آدم وحوار کی لغوی تحقیق نہیں ہے بلکہ مسیحی عقیدہ کی ترجمانی ہے، فرقہ احمدیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ فرقہ اسلام سے متفق ہے، صرف تین باتوں میں اختلاف ہے مگران تین باتوں میں عقیدہ ختم نبوت کا نام تک نہیں لیا ہے، حالانکہ فرقہ احمدیہ اور مسلمانوں کے درمیان یہی مسئلہ سب سے اہم ہے جس میں قادیانیت اور اسلام کا اختلاف ہے، اور اسی کے قائل نہ ہونے کی وجہ سے قادیانی اسلام سے خارج ہیں، مسئلہ ختم نبوت کو بیان نہ کرنا مؤلف المنجد کی شدید جہالت یا بددیانتی ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر بالواسطہ حملہ ہے، ازد کے ماتحت لکھا ہے کہ یہ قبیلہ محمدؐ کی وفات کے بعد اسلام سے مرتد ہو گیا تو فاضطرھم ابوبکر الی الرجوع الیہ یعنی ابوبکر نے اس کو اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا "اضطرار" کے لفظ سے حضرت ابوبکر کی طرف سے قبیلہ ازد پر جبر وتشدد دکھانا مقصود ہے، اس طرز تحریر سے اسلام میں جبر و اکراہ ثابت کرنا معلوم ہوتا ہے

اہل الکتاب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ نام قرآن نے یہود ونصاریٰ کو دیا ہے تاکہ وہ بت پرستوں سے ممتاز ہو جائیں کیونکہ ان کے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ویعد التقصیر فی حمایۃ اھل الکتاب اثما کبیرا یعنی اہل کتاب (یہود ونصاریٰ کی حمایت میں تقصیر کرنے کو بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا ہے، مؤلف نے یہ بات اپنی طرف سے یوں بیان کی ہے جیسے یہ اسلام کا حکم ہے اور اس نے مسلمانوں کو ابھارا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی مدد کریں اور ان

Marfat.com

کی حمایت وطرفداری میں تقصیر کرکے گناہ عظیم کے مرتکب نہ ہوں، بالفاظ دیگر موجودہ حکومت اسرائیل کی نہ صرف یہ کہ مخالفت کریں بلکہ اس کی پوری حمایت کریں، ان چند لفظوں میں بددیانتی کا انبار ہے۔

بحیرا راہب کے بیان میں "قیل" کہہ کر یہ لغویت ظاہر کی ہے کہ وہ نسطوری مذہب کا عیسائی تھا اور علم نجوم اور جادو جانتا تھا اس لیے راہبوں کے سردار نے اسے کلیسا سے نکال دیا، وہ جاتے جاتے عرب پہونچا اور عربوں کی تجارتی گزرگاہ پر ایک گرجا بنایا جہاں عربوں کو توحید کی دعوت دیا کرتا تھا، اس میں مؤلف المنجد نے بحیرا راہب سے رسول اللہؐ کی ملاقات اور اس کی بشارتوں پر بدترین رائے کا اظہار کیا ہے اور بتانا چاہا کہ اسی نے محمدؐ کو توحید اور جادو و نجوم کی باتیں سکھادی تھیں، نعوذ باللہ۔

براق کے لفظ کی تشریح کے لیے حدیث کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے کہ براق وہ جانور ہے جو محمدؐ کو لے کر مکہ سے یروشلم اور مسجد اقصیٰ تک اڑا، حالانکہ حدیث میں براق کے آسمان تک اُڑنے کا ذکر ہے، مگر اس نے اُسے چھپا دیا اور پوری حدیث بیان نہیں کی، یہ بھی تعصب کا مظاہرہ ہے۔

الخراج کے ماتحت خراج پر چند کتابوں کا ذکر کرکے لکھا ہے "وکتاب الخراج الفہ یحیی بن سلیمان القرشی" حالانکہ یہ یحییٰ بن آدم قرشی مشہور محدث ہیں، ان کے والد کا نام سلیمان نہیں بلکہ آدم ہے، ایسے مشہور مصنف کے نام کے بارے میں ایسی جہالت قابل افسوس ہے۔

خضر کو "خضر" لکھا ہے جو سراسر غلط ہے پھر لکھا ہے کہ احد اولیاء المسلمین رفعہ القرآن فوق الانبیاء باعتبار الدلیل المعہود الیہ بارشاد موسیٰؑ یعنی خضر مسلمانوں کے ایک ولی کا نام ہے جسے قرآن نے انبیاء سے بلند مرتبہ دیا ہے کیونکہ انہوں نے موسیٰؑ کی رہبری کی تھی، یہ قرآن پر کھلا ہوا بہتان ہے کہ اس نے ایک ولی کو انبیاء سے زیادہ بلند بتایا ہے، قرآن میں خضر کا نام کہیں نہیں ہے، جہاں حضرت موسیٰؑ کی رہبری کا ذکر ہے وہاں عبد کا لفظ ہے، پھر کسی نبی کو کوئی عبد صالح کچھ باتیں بتادے تو اس سے اس کی فوقیت کی دلیل پکڑنا نادانی کی بات ہے۔ آگے چل کر

Marfat.com

لکھا ہے کہ خضر کے اوصاف ایلیا رنبی اور جرجیس کے مانند ہیں، پھر یہ صرف مسلمانوں کے ولی کہے گئے ہیں

ابن خِلّکان، خار کو زیر کے ساتھ لکھا ہے، حالانکہ یہ ابن خَلّکان خار کے زبر کے ساتھ ہے، اور مشہور مورخ کا لقب ہے۔

دار الاسلام کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں غیر مسلم شروط معینہ کے ساتھ اسلامی حکم کے تابع ہوتے ہیں:۔ الا انھم لا یتمتعون بالحقوق المدنیۃ الکاملۃ یعنی مگر دار الاسلام کے یہ غیر مسلم پورے شہری حقوق سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اس جملہ میں ان تمام اسلامی احکام اور کردار کو چھپانے کی کوشش کی ہے جو ذمیوں کے بارے میں موجود ہیں اور دورِ خلافت میں جن کا تجربہ وظہور ہو چکا ہے۔

دار العلم یا بیت الحکمۃ کے ماتحت لکھا ہے کہ اسے مامون نے بنوایا تھا، کان مکتبۃ ینقل فیھا بعض النصاریٰ المولفات الیونانیۃ القدیمۃ یعنی یہ ایک دفتر تھا جس میں بعض نصاریٰ قدیم یونانی کتابوں کا ترجمہ کرتے تھے، کس آسانی سے عباسی دور کی اس عظیم الشان علمی اکاڈمی کو مولف یہ کہہ کر بے حیثیت بنانا چاہتا ہے کہ اس میں بعض عیسائی یونانی کتابوں کے تراجم کی خدمت انجام دیتے تھے، اس نے اپنے عیسائی علمار کی علمی خدمت کا تذکرہ تو کیا مگر مسلمانوں کے اور دوسرے اقوام کے حکمار و فلاسفر اور علمار کے بارے میں اشارہ تک نہیں کیا، یہ چال ایک طرف مسلمانوں کے علمی کارناموں کو چھپاتی ہے اور دوسری طرف عیسائی علمار کا پروپیگنڈا کرتی ہے، مؤلف کی یہ ذہنیت پوری کتاب میں نمایاں ہے اور جہاں کہیں کسی ایسے مسلمان عالم، ادیب شاعر اور محدث وفقیہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے جن کے آبائی مذہب کے متعلق معلوم ہوا کہ مسیحیت تھا تو اسے خاص طور سے بیان کرکے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مسیحیت کا صدقہ ہے،

رتن بابا کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کے ولی ہیں جو درازیٔ عمر میں مشہور ہیں، اور ان سے بہت سی حدیثیں اور کہانیاں روایت کی گئی ہیں، رتن کے بارے میں

Marfat.com

یہ سب لکھتے وقت شاید مؤلف کو معلوم نہیں تھا کہ مستند علمائے اسلام نے رتن ہندی کو دجال وکذاب تک کہا ہے جیساکہ اصابہ اور میزان الاعتدال میں حافظ ابن حجرؒ اور امام ذہبیؒ نے تصریح کی ہے، یہ درست ہے کہ بعض مشائخ نے رتن ہندی کو تسلیم کیا ہے، مگر اسے بیان کر کے علمائے اسلام کی تصریحات سے صرفِ نظر کرنا جہالت اور تعصب ہے۔

رِقّ (غلامی) کے ماتحت لکھا ہے کہ کان للرق نظام مصروف عند الیھود، و الیونان، والرومان والعرب فی الجاھلیۃ والاسلام یعنی غلامی کا مستقل نظام یہودیوں، یونانیوں، رومیوں اور عربوں کے دورِ جاہلی اور دورِ اسلام میں موجود تھا، پھر لکھا ہے کہ آہستہ آہستہ اس نظام کو ختم کیا گیا، بڑی چالاکی سے مؤلف نے یہود اور اسلام میں غلامی کے نظام کو بیان کیا ہے، اور نصاریٰ کا نام اس میں نہیں لیا، حالانکہ نصرانیوں کے یہاں بھی اس کا نظام تھا اور اسلام نے سب سے پہلے تدریجی طور سے رق اور غلامی ختم کرنے کے احکام نافذ کئے، اور انسان کو غلامی سے بچانے کے لیے قدیم نظام کے خلاف اقدام کیا۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے والد کا نام جہش ہائے ہوز سے لکھا ہے جو سراسر غلط ہے۔

حضرت ابوبکر شبلی بغدادیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ بالغ فی التقشف حتی الجنون فکان یکحل عینیہ بالملح کی لا ینام، یعنی وہ تقشف اور خشکی میں جنون کی حد تک پہونچ گئے تھے، حتیٰ کہ اپنی آنکھوں میں نمک کا سرمہ لگاتے تھے تاکہ نیند نہ آئے کسی مسیحی تارک الدنیا راہب کے بارے میں جنون اور پاگل پن کا لفظ استعمال تو صحیح ہو سکتا ہے مگر کسی مسلمان ولی وزاہد کے بارے میں یہ صحیح نہیں ہے، معلوم نہیں مؤلف کو آنکھ میں نمک کا سرمہ لگانے کی روایت کہاں .... ملی اور اس کی تصدیق کے کیا اسباب تھے؟ اہل علم وتحقیق کے نزدیک ایسی روایات عموماً غیر معتبر ہوتی ہیں، شیبانی کے ماتحت لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد شیبانی واسط میں پیدا ہوئے اور انہوں نے ابوحنیفہ کے مسلک پر رائے کا علم حاصل کیا، اور مالک بن انس

Marfat.com

سے حدیث میں وسیع علم حاصل کیا اور ابو یوسف سے فقہ حاصل کی۔ ان کی مولفات میں الاصل فی الفروع اور المبسوط اور الجامع الکبیر ہے، پھر اسی کے ماتحت لکھا ہے کہ محمد بن حسن واسط میں پیدا ہوئے، اور رے میں فوت ہوئے، انہوں نے ابو حنیفہ سے فقہ حاصل کی، اور ہارون رشید کے دربار میں شافعی کے ساتھ مجالست کی، ان کی مولفات میں الجامع الصغیر اور موطا ہے، اتنی مشہور شخصیت کے بارے میں یہ جہالت کہ امام ابو عبداللہ محمد بن حسن شیبانی کو دو افراد سمجھ کر الگ الگ تذکرہ کیا جائے قابل افسوس ہے، اور کسی محقق و مستند عالم کے لیے زیبا نہیں ہے۔

صلیبیہ کے ماتحت صلیبی لڑائیوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ نصاریٰ محاربین مغربی یورپ سے آئے تاکہ قبر مسیح اور مقدس زمینوں کو واپس لیں، پھر لکھا ہے، وكان من نتائجها التعارف والتفاهم بين الشعوب وتبادل العلاقات الثقافية والصلات التجارية بين المشرق والغرب وازدهار فن البناء وترقي الصناعات ، یعنی صلیبی جنگوں کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہوا کہ قوموں کے درمیان تعارف و تفاہم ہوا، ثقافتی تعلقات قائم ہوئے، اور مشرق مغرب میں تجارتی علاقے عام ہوئے، اور فن تعمیر وغیرہ میں بڑی رونق پیدا ہوئی، اور صنعتوں میں ترقی ہوئی، فردنیان توتل نے بڑی چالاکی سے نصرانیوں کی خونریزیوں اور خون آشامیوں کو خوبصورت الفاظ کے پیرائے میں چھپا کر اس پردہ حسین و جمیل مناظر پیش کئے ہیں اور مغربی درندوں کے احسانات مشرق کے مسلمانوں پر شمار کرائے ہیں اور مسلمانوں کو عیسائی بھیڑیوں کا رہین منت بنانے کی کوشش کی ہے کس چالاکی سے کہدیا کہ مغربی یورپ کے عیسائی قبر مسیح اور مقدس زمین کو واپس لینے آئے تھے، گویا اسی لیے یہ تمام خون آشامی کی گرائی، حالانکہ ان کے عقیدہ کے مطابق مسیح کی ہر چیز مسلمانوں کے دور حکومت میں ان کے مذہبی رہنماؤں اور ذمہ داروں کو دے دی گئی تھی، اور وہ اس کے سب کچھ تھے، اسلام پر عیسائیت کی اس زبردست یلغار کو صرف اتنا معمولی کر کے بتانا علم وادب کی خدمت نہیں اپنے مذہب کی غلط جانبداری ہے۔

Marfat.com

شاہ عبد القادر محدث دہلوی کو عبد القادر دہلوی بن ولی اللہ بن عبد الرحمٰن لکھا ہے، حالانکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے والد کا نام عبد الرحیم ہے۔ قرآن کے بارے میں لکھا ہے کہ وقد جمع عثمان نصّہ کما بلغ الینا و اتلف کل نصٍ سواہ حفاظًا علی سلامۃ نقلہ یعنی عثمان نے قرآن کی نص کو جمع کیا جیسا کہ وہ ہم تک پہونچا ہے اور اس کے سوا تمام نصوص کو تلف کر دیا تاکہ نقل عثمانی سالم و محفوظ رہے معلوم ہوتا ہے کہ فردینان تونل، یوحنا، متی، مرقس اور لوقا کی انجیلوں یعنی ان کی یادداشتوں اور کہانیوں کی طرح قرآن کو بھی چند افراد کی نص اور یادداشت سمجھتا ہے، اور کہتا ہے کہ عثمان نے اپنے قرآن کو جمع کرنے کے بعد دوسرے تمام قرآنی نصوص کو ضائع کر دیا، قرآن کے بارے میں اس قسم کی بات کرنا عیسائی مصنفین کا خاص شیوہ ہے۔

قرمط کے ماتحت قرامطہ ملاحدہ کے تخریبی نظام اور جارحانہ اقدام کو چھپا کر لکھا ہے۔ اسمٌ اطلق فی سعۃ المعنی علی الحرکۃ الاصلاحیۃ الشاملۃ الحیاۃ الاجتماعیۃ والقائلۃ بالتساوی بین طبقات الناس یعنی قرامطہ کا لفظ عمومی معنی میں ایک ایسی اصلاحی تحریک پر بولا جاتا ہے جو اجتماعی زندگی کو شامل ہے، اور انسانی طبقات میں مساوات کی قائل ہے۔ اس کے بعد اس تحریک کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ قرامطہ جیسی دشمنِ اسلام منظم سازش کو اصلاحی تحریک اور انسانی مساوات کا علمبردار بتانا اسلام دشمنی ہے۔ اس دور میں خونریزی، سفاکی، قتل و غارت .... سلب و نہب میں کوئی طبقہ اس سے بڑھ کر نہیں تھا۔ اسے اصلاحی تحریک بتانا عجیب بات ہے جیسے صلیبی جنگوں کو اجتماعی اور ثقافتی فوائد کا واسطہ قرار دینا عجیب بات ہے۔

اللکنوی کے ماتحت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی کا نام محمد بتایا ہے اور لکھا ہے ابو الحسنات محمد حالانکہ ابو الحسنات محمد عبد الحیٔ ہونا چاہئے، اسی طرح اس کتاب میں بہت سی باتیں ہیں جو تاریخی، لغوی اور مذہبی حیثیت سے غلط ہیں، ہم نے سرسری طور پر چند باتوں کو ذکر کر دیا ہے تاکہ المنجد کا مطالعہ کرنے والے اس کی ہر بات کو صحیح نہ سمجھیں اور اسے بغیر تحقیق کے تسلیم

Marfat.com

نہ کریں، پھر ایک المنجد پر کیا موقف ہے۔ کسی عیسائی عالم کی کتاب کو مذہبی تعصب سے پاک نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اونچے سے اونچا عیسائی عالم اسلام کے بارے میں بہر حال اچھی رائے نہیں رکھتا ہے۔

ایک مصری فاضل کی تنقید

جیسا کہ ہم نے بتایا ہے تیرہ سال کے بعد ایک مصری فاضل استاد عبد الستار احمد فراج نے مجلۃ العربی کویت بابت ماہ جنوری ۱۹۷۰ء میں المنجد کے اس حصہ پر تنقید کی ہے۔ اور مثال کے طور پر ایک سو غلطیاں بیان کر کے طبع ثانی میں اعادۂ نظر کی توقع کی ہے، انہوں نے اغلاط کی تین قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ غلطیاں جو خاص طور سے اسلامی لغات و متعلقات کے بارے میں ہیں۔ دوسری وہ جو علمی و تاریخی اور فنی ہیں اور تیسری وہ جو اعراب یا حروف کی ہیں، اور ان کا تعلق مطبعی غلطیوں سے بھی ہو سکتا ہے، ہم اس مقالہ کے چند اہم اغلاط کو بیان کرتے ہیں۔

اسلام کے بارے میں غلط بیانیاں

پادری فرڈینان توتل نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ محمدؐ مسلمانوں کے نبی ہیں۔ بنی ہاشم سے ہیں۔ خدیجہ سے شادی کی، اور ان سے فاطمہ پیدا ہوئیں اور اعراب کو اسلام کی دعوت دی، بدر کی لڑائی میں اہل مکہ پر غالب آئے، مگر اہل مکہ احد کی جنگ میں ان پر غالب آئے، پھر آپ نے لوٹ کر حنین میں ان سے جنگ کی اور مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے یہ اس درجہ ناقص اور سطحی ہیں کہ ایک نبی تو کیا ایک مشہور آدمی کے تعارف میں ناکافی ہیں انداز بیان نہایت عامیانہ ہے۔ خاص طور سے یہ جملہ کہ دعا الاعراب إلی الاسلام۔ یعنی بدوؤں کو اسلام کی دعوت دی نہایت گرا ہوا ہے۔

اثر شریف یا ذخیرے کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بعض متبرکات ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ محمدؐ کے ہیں جیسے ان کے بال، ان کے دانت، ان کے کپڑوں کے ٹکڑے

Marfat.com

اور ان کے خط کے نمونے آثارِ متبرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کا تذکرہ سراسر غلط ہے اور آپ کے خط کے نمونے کا ذکر سراسر بہتان ہے، دنیا کو معلوم ہے کہ آپ امّی تھے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

قرآن شریف کی سورۂ ص کو یوں لکھا ہے "الصاد الصورۃ ۳۸ من القرآن"۔ اس میں "ص" کو "صاد" اور سورہ کو "صورۃ" لکھ کر تحریف کی ہے۔ حضرت خضر کے بارے میں لکھا ہے کہ خضرؑ مسلمانوں کے ایک ولی ہیں جن کو قرآن نے انبیاء پر فوقیت دی ہے، یہ قول خلل وافتراء ہے اور بے وقوفوں کی سادہ بات ہے اور لفظ "خُضر" ضمّہ کے ساتھ نہیں ہے۔ بلکہ کسرہ کے ساتھ "خِضر" ہے۔

آدم کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ آدم وحواء نے اللہ کے احکام کی نافرمانی کی اس لیے وہ جنّت الفردوس سے نکالے گئے، مگر ان دونوں سے ایک نجات دہندہ کا وعدہ کیا گیا اور وہ مسیحؑ ہیں، تو کل کو چاہیے تھا کہ یہاں یہ لکھ دیتا کہ یہ مسیحیوں کے اعتقاد کی رو سے ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ المنجد کی پڑھنے والی اکثریت مسلمان ہے جو مسیحؑ کو صرف ایک محترم مانتی ہے۔

حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو لکھا ہے کہ وہ "من موالید محمد یعنی وہ محمد کی اولاد میں سے ہیں، شاید موالید موالی کا محرف ہو، مگر کیسے معلوم کہ موالید جان بوجھ کر لکھا ہے یا یہ موالی کا محرف ہے؟

حضرت لقمان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ان حکماء میں سے ہیں جن کے حِکَمْ وامثال بیان کیے جاتے ہیں اور وہ ایک افسانوی شخصیت ہیں" حالانکہ مسلمانوں کے یہاں لقمان افسانوی شخصیت (شخصیہ اسطوریہ) کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے نام سے ایک مستقل سورہ قرآن میں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ نصیحت نقل کی یَابُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ، اگر اسرائیلی خرافات ان کے بارے میں ہیں جو ان کو افسانوی شخصیت بناتی ہیں تو دوسرے انبیاء ومرسلین جیسے محمدؐ، موسیٰ، عیسیٰ، یوشع، عزیر، مریم وغیرہ کے بارے میں بھی ان کی واہی تباہی باتیں ہیں بس کیا تمام حضرات افسانوی شخصیت قرار پا جائیں گے؟

Marfat.com

حضرت ادریس کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ہیں جن کا ذکر دو بار قرآن میں آیا ہے، اور
بارہ اور نبی کے ساتھ ملقب کیا گیا ہے، حالانکہ قرآن نے حضرت ادریس کو صدیق اور نبی کے لقب
سے ملقب کیا ہے اور کہا ہے انہ کان صدیقا نبیا (سورہ مریم آیت ۵۶) مؤلف نے عربی
مراجع خاص طور سے قرآن سے رجوع کیوں نہیں کیا؟۔

مسیلمہ کذاب کے متعلق درج ہے کہ مسیلمہ یمامہ میں بنی حنیفہ کا نبی تھا، محمد کا معاصر تھا، اور ان
کے سامنے تجویز پیش کی وہ اسے نبوت میں شریک کر لیں، اس کے بعد عقربا کی جنگ میں قتل کیا
گیا، اتنا لکھ کر مؤلف خاموش ہو گیا اور یہ نہیں بتایا کہ مسیلمہ کی نبوت جھوٹی تھی یا سچی اور اس کی حقیقت
کیا تھی، اس کی وجہ ظاہر ہے۔

حضرت عاتکہ رض کے بارے میں لکھا ہے کہ ھی بنت عبد المطلب عم النبی اس میں لفظ
(عم) "بحث طلب ہے، اگر یہ عبد المطلب کے بارے میں ہے تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عم
(چچا) نہیں بلکہ "جد" (دادا) ہیں، اور اگر عاتکہ کے بارے میں ہے تو اسے عمۃ (پھوپھی) ہونا چاہیے مشہور
کتاب الف لیلہ ولیلہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ وہ قصے ہیں جن کو شہزادی شہرزاد نے اپنی بہن
دینا زاد کے بارے میں امیر المومنین کے سامنے بیان کیا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ یہ امیر المومنین کون
ہے؟۔ معمولی پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ ان قصوں کو شہرزاد نے بادشاہ شہریار کے دربار میں بیان
کیا ہے۔ اور یہ دونوں خیالی شخصیتیں ہیں، توتل نے خواہ مخواہ اس میں امیر المومنین کا ذکر کیا
اسے مبہم رکھ کر امرائے مسلمین کے بارے میں گمراہی پھیلائی ہے، حضرت ذوالکفل کے متعلق لکھا
کہ ذوالکفل ایک آدمی ہے جس کا ذکر قرآن میں انبیاء کے ساتھ کیا گیا ہے، یہ لفظ "ذوالکفل"
نہیں بلکہ "ذو الکِفل" قرآن میں ہے۔ سورہ شعراء کے بارے میں ہے کہ الشعراء السورۃ ۲۶
من القرآن، حالانکہ صحیح الشُعَراء ہے جو شاعر کی جمع ہے۔

یہ چند اشارات خاص طور سے دین اسلام کے ساتھ بدخواہی اور غلط بیانی کے متعلق ہیں ا
ہم ان ہی چند مثالوں پر اکتفاء کر کے کچھ علمی اور تحقیقی اغلاط کی مثال پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

علمی وتاریخی غلط بیانیاں

اصمعی کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے بصرہ میں خلیل، عیسیٰ بن عمر، اور ابوعمر بن الاعلیٰ سے علم حاصل کیا اور ان سے ابوالفضل ریاشی، ابوعبیدہ، سجستانی اور سکری نے پڑھا، اس عبارت میں چند غلطیاں ہیں، اصمعی کے اساتذہ میں "ابوعمر بن الاعلیٰ" نامی کوئی عالم نہیں ہے بلکہ "ابوعمرو بن العلاء" ہے، اور ابوعبیدہ عمر میں اصمعی سے بڑے تھے اور انھوں نے اصمعی سے نہیں پڑھا ہے۔ اور جس سال اصمعی کی وفات ہوئی اسی سال سکری پیدا ہوئے، پس وہ اصمعی کے شاگرد کیسے ہو سکتے ہیں؟۔

"العلاء ابوعُمر زبان" غلط ہے، صحیح "ابوعمر و زبّان" ہے۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ ازہری نے ثعلب، ابن دُرید، اور نفطویہ سے پڑھا ہے، حالانکہ ازہری نے ابن دُرید سے تحصیل علم نہیں کی ہے۔

مجنوں کے متعلق لکھا ہے کہ مجنوں "قیس بن الذریح" کا لقب ہے، اس نے لیلیٰ نامی ایک عورت سے مل کر اپنا اونٹ ذبح کیا تاکہ اس کی محبت کو پیغام دے، یہ غلط ہے۔ مجنوں کا نام "قیس بن الملوح" ہے، اور اس کے تذکرہ میں ذبح اونٹ کا واقعہ نہیں ملتا بلکہ یہ قصہ مشہور شاعر امرئ القیس کا ہے جسے مؤلف نے مجنوں کے ساتھ ملا دیا ہے۔

بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں عبدالملک اور ولید کے زمانہ کی بنوامیہ کی خبریں بہت زیادہ ہیں، یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے انساب الاشراف اب تک نہیں دیکھی ہے۔

الاغانی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا آخری حصہ یورپ کے بعض کتب خانوں سے ملا اور چھاپا گیا، یہ بات اس کے اکیسویں حصہ کا نہ جاننے والا ہی کہہ سکتا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مستشرق عالم نے قدیم طباعت کی کتاب الاغانی اور اس کے بعض مخطوطات کو ملایا اور مخطوطات میں بعض ایسے تراجم اور واقعات ملے جو مطبوعہ نسخہ میں نہیں تھے، اس نے ان ہی کو جمع کر کے الاغانی کی اکیسویں جلد کے نام سے چھاپ دیا ہے، جعفر بن یحییٰ برمکی کے بارے میں لکھا ہے

Marfat.com

کہ اس نے ہارون رشید کی بہن عباسہ سے شادی کی تھی، یہ خرافات ہے اور جعفر برمکی سے عباسہ کی شادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ بہت بعد کی کہانی ہے جو برامکہ کے قتل کی وجہ کے طور پر بنائی گئی ہے۔

مازنی (ابو عثمان بکر ۸۶۲ھ) کے حال میں ہے کہ اس سے مبرد، ریاشی اور تبریزی نے علم حاصل کیا، حالانکہ تبریزی کے بارے میں اسی المنجد میں ہے کہ اس کا زمانہ ۱۰۳۰ اور ۱۱۰۹ کے درمیان ہے اس لیے تبریزی مازنی کا شاگرد نہیں ہو سکتا۔

مشہور شاعر ذوالرمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا دیوان ایک تہائی لغت عرب کو شامل ہے یہ نہایت غیر ذمہ دارانہ انکشاف ہے، اگر ذوالرمہ کے تمام اشعار یکجا کر کے شایع کیے جائیں تو الفاظ کی تکرار کے باوجود عربی لغت کے پچاسویں حصہ کے برابر نہیں ہوں گے۔

ایک مقام پر لکھا ہے کہ نضر بن حرث بن کلاہ ثقفی نبی کی خالہ کا لڑکا ہے، اطبائے عرب میں ہے اس نے علم طب اپنے باپ سے حاصل کیا، واقعہ بدر کے بعد قتل کیا گیا، اس میں متعدد غلطیاں اور فرو گذاشتیں ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ حارث کو حرث لکھا دوسرے حارث بن کلاہ ثقفی نے نضر نامی کوئی لڑکا نہیں چھوڑا تھا، صاحب المنجد دراصل نضر بن حارث بن علقمہ بن کلاہ بن عبد مناف کو بیان کرنا چاہتا ہے جو قبیلہ قریش کی شاخ بنی عبدالدار سے ہے وہ ثقفی نہیں ہے اور نہ اس نے اپنے باپ سے علمِ طب سیکھا اور نہ وہ اطبائے عرب سے ہے۔

امام سیوطی کی لغت کی مشہور کتاب کا نام "اَلْمِزْهَرُ" بتایا ہے حالانکہ صحیح "اَلْمُزْهِرُ" میم کے ضمہ اور ہار کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح عبدالستار فراج نے نمونہ کے طور پر ایک سو غلطیاں بیان کی ہیں، ہم نے ان میں سے چند کا ذکر کیا ہے، اعراب اور حروف کی غلطیاں بھی اسماء، واماکن میں بہت زیادہ ہیں اور یہ کتاب بغیر دوسرے مراجع کی تصدیق کے لائقِ اعتماد نہیں ہے۔

Marfat.com

(۱۹)

استشراق اور مستشرقین

مشرق میں بنوامیہ کی خلافت وحکومت کے زوال کے نتیجہ میں مغرب کی سرزمین نے ان کے لیے اپنی آغوش کھولی، اور عبدالرحمٰن الداخل نے اندلس کے شہر قرطبہ میں ۱۳۸ھ میں ایک تازہ دم خلافت وحکومت کی بنیاد ڈالی، جس میں ۲۸۴ سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے ۱۹ خلفا وسلاطین تخت نشین ہوئے، اس کے بعد یہاں طوائف الملوکی پھیل گئی، اور مختلف خاندانوں نے اندلس کے مختلف علاقوں پر اپنی اپنی حکومت وریاست قائم کرلی، اِدھر مشرق میں بنوعباس نے اپنی خلافت کی بنیاد رکھی، اور بیک وقت مشرق ومغرب دونوں سمتوں میں اسلامی حکومتیں اپنے اپنے انداز میں کام کرتی رہیں، بنوامیہ نے دین اسلام، عربی تہذیب وتمدن اور اپنے علوم وفنون کو اغیار کے اثرات سے ہرطرح محفوظ رکھا، ساتھ ہی مغرب کی مختلف غیرمسلم قوموں سے میل جول قائم کرکے انکے ساتھ دینی اور علمی ربط وتعلق پیدا کیا مگر مشرق کی طرح مغرب میں بھی انہوں نے دوسروں کے اثرات سے اپنے کو بچاکر ان کو اپنے اثرات سے متاثر کیا، یہ اموی حکومت کا طغرائے امتیاز ہے، جو مشرق ومغرب میں نظر آتا ہے۔ بخلاف اس کے مشرق میں عباسیوں نے اپنی خلافت قائم کرکے عجمی اقوام سے یوں تعلق پیدا کیا کہ خود ان کے اثرات سے بہت زیادہ متاثر ہوگئے، اور بڑی حد تک اسلامی افکار ونظریات عربی تہذیب وتمدن علوم وفنون پر عجمیت حملہ آور ہوگئی، مشرق ومغرب کی دونوں مسلم حکومتوں میں یہ فرق نمایاں طور پر ظاہر ہے، اس کی وجہ سے اندلس اور اس سے ملحقہ مغربی ممالک اٹلی اور فرانس وغیرہ کے باشندوں نے اسلامی اور عربی علوم وفنون حاصل کیے اور مغربی اقوام کو پہلی بار مشرقی علوم سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس تیزی سے عربی زبان نے ترقی کی کہ یورپ کے مسیحی پادریوں کو مجبوراً اپنی مذہبی کتابیں عربی زبان میں منتقل کرنی پڑیں۔

Marfat.com

یورپ میں اسلامی علوم وفنون کی ابتداء

اندلس میں خلیفہ عبدالرحمٰن ثانی (سنہ ۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ) سے لے کر خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث (سنہ ۳۰۰ھ تا سنہ ۳۵۰ھ) اور اس کے بیٹے خلیفہ حکم بن عبدالرحمٰن تک کا زمانہ عربی اور اسلامی علوم وفنون کی ترقی کے اعتبار سے نہایت زریں دور گذرا ہے، اس دور میں وہاں مشرقی علوم وفنون نے خوب ترقی کی اور اسلامی تہذیب وثقافت نے مغربی اقوام کو اپنے اندر گویا جذب کر لیا، اس زمانہ میں یورپ کی قومیں جہالت کے اندھیرے میں تھیں اور کلیسائی سیاست نے مسیحی عالموں اور مسیحی حکمرانوں کی عظمت وسطوت کا تخت عوام کے فکر وذہن کی سطح پر بچھا رکھا تھا، اسی درمیان میں اندلس کی اسلامی درس گاہوں سے یورپ کو علم کی روشنی ملی، شہر طلیطلہ میں ایک درس گاہ جاری ہوئی جس میں عربی علوم وفنون کے لاطینی زبان میں ترجمہ کا شعبہ قائم ہوا، جس کا نگراں ریمونڈ نامی ایک پادری تھا، اندلس کے یہودیوں نے بھی اس اکاڈمی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس ادارہ میں نہایت تیزی سے عربی کی بڑی بڑی کتابوں کے تراجم لاطینی زبان میں ہوئے جنہوں نے مغربی اقوام میں علم وفن کی روشنی بخشی، اور یورپ میں مشرقی علوم سے دلچسپی نئے رنگ اور نئی امنگ کے ساتھ بڑھنے لگی اور بارھویں صدی عیسوی سے لے کر تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی تک عربی کتابوں کے تراجم کا عظیم الشان ذخیرہ مغرب کو مل گیا، ڈاکٹر نکلارک نے شمار کر کے بتایا ہے کہ اس مدت میں تین سو بڑی بڑی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔

یورپ میں عقلی اور فکری دور کی ابتداء

اس دور میں جن کتابوں کے تراجم ہوئے ان میں زیادہ حصہ فلسفہ اور طبعی وعقلی علوم کا تھا، خاص طور سے زکریا رازی، ابوالقاسم زہراوی، ابن رشد، بوعلی ابن سینا جیسے فلاسفہ اور علوم عقلیہ وطبعیہ کے ماہرین کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، نیز اہل یورپ نے مسلمانوں کے واسطہ سے اسی زمانہ میں جالینوس، بقراط، افلاطون، ارسطو، اور اقلیدس کی کتابوں سے استفادہ کیا جو یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل کی گئی تھیں اور پھر ان کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا تھا، بارھویں صدی

Marfat.com

عیسوی کے بعد سے ان کتابوں میں سے اکثر یورپ کی درسگاہوں میں عقلی اور طبعی علوم کے نصاب میں داخل رہیں، اور پانچ چھ صدیوں تک یورپ کا تمام تر عقلی و طبعی علوم کا سرمایہ یہی کتابیں رہیں، بلکہ ان میں سے بعض کتابیں انیسویں صدی تک وہاں کی یونیورسٹیوں میں داخل درس رہیں، اس طرح اہلِ مغرب نے اندلس کے اسلامی علوم وفنون کی شمع سے روشنی پاکر کلیسائی جہالت سے نجات پائی اور مسلمانوں کے توسط سے قدیم یونانیوں کی کتابیں اور خود مسلمان عقلاء و فلاسفہ کی کتابیں پڑھیں پڑھائیں، اگر اہلِ یورپ کو اندلس سے علم وفن کی روشنی نہ ملی ہوتی تو یقیناً وہ آج بھی دنیا کی جاہل ترین قوموں میں شمار کیے جاتے۔

ایک انگریز مورخ مسٹر ملر نے اپنی کتاب "تاریخ فلسفہ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ "مغربی علوم کے اصلی ماخذ عربوں کے وہ مدارس ہیں جو اسپانیہ میں قائم تھے، اور یورپ کے ہر ملک کے طلبہ ان مدرسوں کی طرف دوڑتے تھے، اور ان میں جاکر علوم طبعیہ، علوم ریاضیہ، اور علوم ماوراء الطبعیہ حاصل کرتے تھے، اسی طرح جب عربوں نے جنوبی اٹلی پر قبضہ کیا تو وہ بھی یورپ میں اسلامی علوم کے داخلہ کا سبب ثابت ہوا"۔

یورپ کے اسلامی اندلس سے استفادہ کا عہدِ شباب

اسپانیہ کی مسلم درسگاہ سے جو پہلا مغربی عالم نکلا، وہ جیربرٹ نامی ایک فرانسیسی پادری تھا، اس نے فرانس میں لاہوتی علم حاصل کرکے اشبیلیہ کی راہ لی اور وہاں تحصیل علم کرکے قرطبہ گیا اور تین سال تک ریاضی اور فلکیات وغیرہ کی تعلیم حاصل کی، پھر فرانس واپس آکر لوگوں کو ان عربی علوم سے واقف کرایا، جس پر اسے جادوگر اور کافر کا خطاب دیا گیا، مگر ۹۹۹ء میں اس کو نادانوں سے نجات ملی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا، اسی زمانہ میں قرطبہ کی یونیورسٹی سے شانجہ نامی ایک مغربی حکمران نے علوم مروجہ کی تکمیل کی، نیز اٹلی کے بعض لوگوں سے عربی زبان سیکھی اور اسے دنیا کی بہترین علمی وادبی زبان کے نقطہ نظر سے حاصل کرکے مہارت حاصل کی، اس کے بعد یورپ میں کھل کر اسلامی علوم وفنون سے دلچسپی لی جانے لگی، چنانچہ ایک پادری نے مسیحی قوموں کو عربی زبان کی

Marfat.com

ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ "اللہ جسے چاہتا ہے اسی کو حکمت و دانائی سے نوازتا ہے" اس نے لاطینی زبان کو حکمت نہیں دینا چاہا بلکہ عربی زبان بولنے والے عربوں کو دیا ہے اس لیے تم لوگ عربی زبان سیکھ کر حکمت حاصل کرو۔"

ان ابتدائی ادوار کے بعد یورپ والوں نے عربی زبان اور اسلامی علوم کو بلا جھجک پڑھا پڑھایا اور ان میں علمی اور فنی شعور کی جڑیں مضبوط ہوئیں ساتھ ہی وہاں کے جس ملک میں علم کا شوق پیدا ہوا وہاں کے طلبہ نے اندلس کی درسگاہوں کا رُخ کیا اور واپس آکر اپنے ملک میں علم و حکمت کی بساط بچھائی

استشراق میں مذہبی اور سیاسی رجحان

ابتدا میں اہلِ یورپ کو اسلامیات اور مشرقیات سے دلچسپی خالص علمی اور فکری انداز میں تھی اور انھوں نے اسی انداز سے ان کو سیکھا سکھایا اور ان سے استفادہ کیا، مگر بعد میں مذہبی طبقہ نے اسلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عداوت میں ان علوم سے کام لینا شروع کیا اور مسلمانوں کی کتابوں سے اپنے بنے بنائے ذہن کے مطابق اقتباسات لے کر اعتراضات کا سلسلہ شروع کیا، اس سلسلہ میں پادریوں نے نہایت مکروہ کارنامہ چھوڑا ہے، جسے خود یورپ کا باخبر طبقہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، اور اپنے تنگ نظر اور جاہل مذہبی پیشواؤں کے ایسے علمی کارناموں پر شرم محسوس کرتا ہے، اس دور میں اسلامیات اور مشرقیات سے متعلق جو کتاب بھی مذہبی حلقہ سے سامنے آئی اس میں کھلے طور سے یہ خرابی پائی جاتی ہے، اس کے بعد یورپ میں وطنیت و قومیت کی ہوا چلی اور ملک گیری کی ہوس نے ان کو مشرقی ممالک خاص طور سے مسلم ممالک کی طرف متوجہ کیا، اس دور میں یورپ کی علمی و فکری سرگرمی نے دوسرا رنگ اختیار کیا اور مغربی علماء نے مشرقی علوم و فنون کے علاوہ مشرقی ممالک کے دوسرے ملکی اور قومی معاملات میں بھی دلچسپی لینی شروع کی، ان کے استعمار پسند حکمران اور ارباب سیاست ان ممالک میں تجارت، استعماریت اور ملک گیری کے حق میں سرگرمی دکھانے لگے اور مذہبی طبقہ کے لوگ جو پہلے ہی سے اسلام اور مسلمانوں کو اپنی مسیحیت کا مدمقابل سمجھتے تھے.... مسیحیت کی تبلیغ و اشاعت میں مشغول ہوئے، ان ہی گوناگوں نظریات کے پیش نظر مغرب نے مشرق سے خصوصی تعلق پیدا کیا، یہاں کے ملکی و جغرافیائی حالات دریافت کیے، یہاں کی قوموں کے

Marfat.com

مذہبی، دینی، تہذیبی، تمدنی، فکری اور معاشرتی رجحانات کا پتہ چلایا، اس سلسلہ میں یہاں کے ہمہ اقسام کے علوم وفنون حاصل کیے، اپنے یہاں مشرقی علوم وفنون کو زندہ کیا، کتابیں شایع کیں، ان کے ترجمے کیے۔ اور عربی زبان کے علاوہ فارسی، اردو، ہندی سنسکرت اور مشرقی دنیا کی دوسری زبانیں حاصل کیں۔ اس طرح یورپ کے مستشرقین نے استشراق کو ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی اور اس کے ماتحت انھوں نے مشرق کی زندہ اور مردہ زبانوں کو حاصل کیا اور ان کے اسلوب وادب کی نزاکتوں کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔

عربی کتابوں کی طباعت واشاعت

اس مقصد کے لیے اہلِ مغرب نے اپنے یہاں عربی کے پریس جاری کیے، اور عربی زبان کی بہت سی نادر و نایاب کتابیں شایع کیں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے انھوں نے المجموع المبارک، ابن العمید مسکین کی تاریخ، ابن العربی کی تاریخ الاول، سعید بن بطریق کی نظم الجواہر، اور اس کے بعد تاریخ ابوالفداء اور مقامات حریری چھاپ کر شایع کی، ساتھ ہی اسلامی اور مشرقی علوم وفنون کے لیے خاص خاص کتب خانے قائم کیے اور دنیا بھر سے نادر ونایاب قلمی کتابیں بڑی بڑی قیمت دے کر حاصل کیں، انیسویں صدی کی ابتداء میں یورپ کے مختلف کتب خانوں میں عربی زبان کی ڈھائی لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور مخطوطہ کتابیں لینن گراڈ، پیرس، برلن، لندن، آکسفورڈ اٹلی اور اسکوریال (اسپین) وغیرہ میں موجود تھیں، نیز اہلِ مغرب نے اس مقصد کے لیے بہت سی علمی اکاڈمیاں قائم کیں اور علمی مجلسیں بنائیں جن میں عربی کتابوں کی نشر واشاعت کا کام ہوتا تھا، اس سلسلہ کی سب سے قدیم اکاڈمی ۱۷۸۱ء میں جاوا کے دارالسلطنت میں قائم ہوئی پھر ۱۷۸۴ء میں سرولیم جونس نے کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی اور ۱۷۸۸ء سے ۱۸۳۶ء تک اس کے سلسلہ کی بیس جلدوں میں کتابیں شایع ہوئیں۔ نیز اس سوسائٹی کی طرف سے ایک رسالہ ۱۸۳۲ء میں جاری ہوا، اسی زمانہ میں لندن میں شاہ انگلستان کی سرپرستی میں مشرقیات کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی گئی جس میں بڑے بڑے فضلاء شامل تھے، ۱۸۲۰ء

Marfat.com

میں فرانس کے مستشرقین نے اپنے یہاں عربی کتابوں کی طباعت واشاعت کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی، اور اس کی طرف سے ایک رسالہ بھی جاری کیا اسی طرح امریکہ، روس، اٹلی، بلجیم، ہالینڈ، ڈنمارک وغیرہ کے مستشرقین نے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے نقش قدم پر چل کر عربی علوم کی اکاڈمیاں اور سوسائٹیاں قائم کیں اور رسالے جاری کیے اور کتابیں شایع کیں۔

جدید طبقہ کے خوش آئند رجحانات

یورپ کے مستشرقین نے بڑی بڑی کانفرنسیں کیں اور اسلامیات و مشرقیات کے مختلف موضوعات پر دادِ تحقیق دی، مستشرقین کی پہلی عالمی کانفرنس ۱۸۷۲ء میں پیرس میں منعقد ہوئی پھر ۱۹۰۸ء میں بھی وہیں ہوئی، اور اس کا سلسلہ جاری ہے چنانچہ تیسرے سال اسکی سالانہ کانفرنس دہلی میں ہوئی تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اہلِ یورپ نے دنیا بھر سے مخطوطات اور قلمی کتابوں کے ذخیرے جمع کیے اور نادر و نایاب کتابوں کو بہترین تعلیق و تحقیق کے ساتھ شایع کیا، ان میں مضامین، اسمار، مقامات وغیرہ کی الگ الگ فہرست مرتب کرکے لگائی۔ ان تمام حقایق کے اعتراف کے باوجود اس حقیقت کا بھی برملا اعتراف کرنا چاہیے کہ یورپ کا کوئی مستشرق کتنا ہی صاف ذہن اور کھلے دل کا نظر آئے، اس کے اندر اسلام دشمنی کا جرثومہ ضرور موجود ہوگا اور وہ اپنی بظاہر غیر جانبدارانہ و غیر متعصبانہ تحقیق میں کہیں نہ کہیں اسلام کے خلاف بات ضرور کریگا۔ اور یہ مرض جو ان کے پادریوں سے ورثہ میں ملا ہے اب تک ختم نہیں ہوا ہے، ان کی مخفی سے مخفی تر دسیسہ کاریوں کو معلوم کرنے کے لیے مرحوم ڈاکٹر مصطفےٰ اسباعیؒ کی کتاب "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" کا مطالعہ کافی ہے، اسی لیے اب خود یورپ اور امریکہ کا سنجیدہ طبقہ اپنے پادریوں، مورخوں اور محققوں کی کتابوں سے اسلام کو نہیں سمجھنا چاہتا ہے بلکہ مسلمان فضلار اور عربی زبان سے براہ راست اسلام فہمی کی کوشش کر رہا ہے حتیٰ کہ اسپین کی یونیورسٹیوں میں دراسات اسلامیہ کے مستقل شعبے قائم کیے ہیں جن میں عرب علمار و فضلار درس دیتے ہیں، حالانکہ اسلام دشمنی میں شاید کوئی ملک مجموعی حیثیت سے آج کے اندلس سے آگے ہو مگر اب وہاں وطنیت و قومیت کے نام ہی سے سہی اندلسی علمار کی عربی

Marfat.com

کتابوں کی اشاعت اوران کی یادگار قائم کرنے کا سلسلہ جاری ہوگیا ہے۔ اس سلسلہ میں یورپ وغیرہ میں یہ رجحان بھی کام کررہا ہے کہ اسلام کو اس کے قدیم ترین ماخذوں سے سمجھنا چاہیے اور ان قدیم اسلامی مدوّنات کا مطالعہ کرنا چاہیے جو احوال وظروف کے اثرات سے پاک تھیں اور جن کے مصنفین اسلامی روح کے سمجھنے میں زیادہ کامیاب تھے، شاید یہی وجہ ہے کہ اِدھر پچھلے پچیس سالوں میں حدیث وفقہ پر قدما، کی جس قدر کتابیں شایع ہوئی ہیں اس سے پہلے شایع نہیں ہوئی تھیں اور یورپ وامریکہ کے دانشوروں میں ان کی کھپت بھی زیادہ ہوئی ہے پھر مسلمانوں کا علمی طبقہ بھی علم وتحقیق کی راہ میں اپنے طور پر یہ کام کررہا ہے، اور اپنے قدیم ترین دینی وعلمی سرمایوں کو اچھے انداز میں پیش کرنے لگا ہے۔

عربی طباعت اور عربی ٹائپ کے مطابع

اس سلسلہ میں عربی مطبع اور پریس کی تاریخ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہم مختصر طور سے اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں، ٹائپ کے ذریعہ طباعت کی ایجاد ایک جرمن نے ۱۴۴۲ء میں کی تھی، اس کو عربی تلفظ میں "یحنا جوتمبرج" کہتے ہیں اس کے بعد ایک مدت تک یورپ میں پریس کی مدد سے علوم وفنون کو ترقی ہوتی رہی، اور عربی زبان کی سب سے پہلی کتاب ۱۵۱۴ء میں چھاپی گئی اس کے بعد نزہۃ المشتاق ادریسی، قانون بوعلی ابن سینا، تحریر اصول اقلیدس، وغیرہ یورپ کے عربی مطابع سے چھپ کر شایع ہوئیں، اس کے بعد مشرقی دنیا میں طباعت کا فن سلطنت ترکیہ عثمانیہ کی راہ سے ۱۴۹۰ء میں داخل ہوا، اور آستانہ میں ایک یہودی عالم نے اس سال پریس قائم کرکے کئی علمی اور مذہبی کتابیں چھاپیں، مگر یہاں اب تک چھپائی کا کام رومن رسم الخط میں ہوتا تھا، اور ۱۷۳۵ء میں عربی حروف کی ابتداء ہوئی اور عربی طباعت کا پریس جاری ہوا، اس زمانہ میں عربی حروف کا سب سے مشہور پریس آستانہ کے پریسوں میں مطبعۂ جوائب تھا، جو احمد فارس شدیاق مرحوم کی ملکیت میں تھا، اس مطبع میں مختلف علوم وفنون کی امہاتِ کتب چھاپی گئیں اور یہ ترکی کا مشہور مطبع تھا۔

Marfat.com

عرب ممالک میں عربی حروف میں طباعت کی ابتداء لبنان میں ہوئی، اور مسیحی پادریوں نے سترھویں صدی کے شروع میں بیروت میں پہلا پریس قائم کیا، اس کے بعد ہی ان کی طرف سے ۱۸۴۸ء میں مطبع کاتھولیکہ جاری ہوا، جو کیتھولک پادریوں کے قبضہ میں تھا، اس پریس نے عربی کی بہت سی قدیم اور نادر کتابوں کو شایع کیا جن کا تعلق عیسائی شعراء و ادباء اور مصنفین سے تھا، اس کے علاوہ بھی بعض علمی و ادبی اور لغوی کتابیں یہاں سے چھپ کر شایع ہوئیں، اس کے بعد مصر میں ۱۷۹۸ء میں نپولین کے ہاتھوں چھپائی کا کام جاری ہوا، اس نے سرکاری فرامین واحکام کو عربی زبان میں چھاپنے کے لیے مطبع اہلیہ کے نام سے پریس قائم کیا اور ۱۸۲۱ء میں محمد علی پاشا نے مطبع اہلیہ کی جگہ مطبع بولاق جاری کر کے اس کا نگراں ایک شامی ماہر طباعت نقولا مسابکی کو بنایا، مطبع بولاق کے لیے خاص طور سے مختلف سائز کے بہترین حروف ڈھالے گئے، دوسری بار عربی حروف کی ڈھلائی مصر کے مشہور خطاط جعفر بیگ کی کتابت سے ہوئی اور مصر میں اب تک ان ہی کے اصول پر حروف ڈھال کر استعمال کیے جاتے ہیں، عربی ٹائپ کے جوڑ ان ہی کے قائم کردہ ہیں۔ مطبع بولاق سے مختلف علوم و فنون کی تقریباً تین سو کتابیں طبع ہوئیں اور اس کے شعبہ القسم الادبی سے ادب عربی کی امہات کتب چھاپی گئیں، بعد میں اس مطبع میں سرکاری کاغذات اور درسی کتابیں چھپنے لگیں، اس کے بعد مصر میں بہت سے مطابع قائم ہوئے۔

ہندوستان میں سب سے پہلے پرتگیزیوں نے جنوبی ہند میں ٹائپ پریس جاری کیا اور تامل اور ملیالم زبانوں میں اپنی مذہبی کتابیں چھاپیں، کلکتہ میں ۱۷۸۱ء میں ٹائپ پریس کا اجراء ہوا جس میں بہت سی عربی کتابیں چھاپی گئیں، بمبئی میں سنہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں ایک ٹائپ پریس تھا جس میں شیخ عبدالجلیل ابن یاسین بصری متوفی سنہ ۱۲۷۰ھ کا دیوان ۲۸۰ صفحات میں چھاپا گیا۔ اس کے بعد بمبئی میں کئی پریس جاری ہوئے مگر وہ بہت معمولی قسم کے تھے اور زیادہ دنوں تک نہیں چل سکے، اس سلسلہ میں یہ عجیب بات ہے کہ گذشتہ صدی میں ایک ہندوستانی منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی ہجرت کر کے مکہ معظمہ تشریف

لے گئے تو وہ اپنے ساتھ اپنا مطبع مجتبائی لائے اور ۱۲۹۸ھ میں اس میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی کتاب جہاد اکبر چھاپی۔ اس کے بعد حجاز میں سب سے پہلا ٹائپ پریس مطبعہ حجازیہ کے نام سے ۱۳۰۱ھ میں حکومت ترکی نے قائم کیا جو سرکاری مطبع تھا (تذکرہ شعرائے حجاز اردو صفحہ، صفحہ) زمانہ ہوا مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے مطبعہ خیریہ کے نام سے ٹائپ پریس جاری کیا تھا، جس میں حدیث کی مشہور کتاب، جمع الفوائد پہلی بار چھپ کر شایع ہوئی، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد نے اپنے ابتدائی دور میں ٹائپ پریس جاری کر کے اسی میں اپنی کتابیں چھاپیں اور اب وہاں مستقل پریس جاری ہے۔ ادھر چند سالوں سے ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں عربی ٹائپ کے چھوٹے چھوٹے مطابع قائم ہو رہے ہیں اور اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کام کرتے ہیں۔

Marfat.com

(۲۰)

ہنگری کے مستشرقین اور ان کے علمی کارنامے

ذیل کے مقالے سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ ہنگری کے مستشرقین کہاں تک مشرقی علوم و فنون اور اسلامیات سے دلچسپی رکھتے ہیں اور انھوں نے اس سلسلہ میں کیا کیا علمی کارنامے انجام دیئے ہیں وہاں یہ بھی معلوم ہوگا کہ دنیا کی قوموں میں کس طرح آبائی وطن اور وہاں کی آب و ہوا کے اثرات نسلاً بعد نسلٍ ہزار ہا سال تک علم و فکر پر چھائے رہتے ہیں اور انقلاب و تغیر کے ساتھ ساتھ وطن و نسل کی خوبو چلتی رہتی ہے۔

ہنگری وسط یورپ میں چیکو سلاویہ، آسٹریا، یوگوسلاویہ، رومانیہ اور سوویٹ یونین کے مابین ایک آزاد ریاست ہے جس کا رقبہ ۹۳۰۷۳ کلومیٹر اور آبادی ۱۰،۰۰۰،۰۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ اس کا دارالسلطنت بوڈاپسٹ ہے جس کی آبادی ۹۳۰،۰۰۰ ہے، یہ بہت بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز ہے، پہلے اس کا دارالسلطنت صرف بوڈا نامی شہر تھا، مگر جب ۱۸۷۳ء میں ترکی سلطان سلیمان قانونی نے ہنگری پر قبضہ کیا تو پسٹ نامی شہر کو بھی بوڈا کے ساتھ ملادیا، اس وقت سے بوڈاپسٹ ایک شہر بن کر دارالسلطنت بن گیا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان دریائے طونہ (DANUDE) بہتا ہے۔ ہنگری بڑا سرسبز و شاداب اور زراعتی ملک ہے، صنعت و حرفت کے اعتبار سے بھی یہ ملک یورپ کے دوسرے ملکوں سے پیچھے نہیں ہے۔

ہنگری کے باشندوں کا مشرقی ممالک اور مشرقی علوم سے قدیم تعلق

ہنگری کو عرب مورخ و جغرافیہ نویس عام طور سے مجر کہتے ہیں اور یہاں کی زبان کو مجری کے نام

Marfat.com

سے یاد کرتے ہیں، یہاں کے باشندے نسلاً مشرقی ہیں، قدیم زمانہ میں ان کا مسکن ایران تھا اور شاہانِ ایران کے دور میں یہ لوگ بہت مہذب و متمدن تھے بعد میں یہ مغربی ترکستان کی طرف گئے اور ان کا تعلق ترکوں سے ہوگیا جس کی بنا پر ترکی کہلائے، ترکی حدود میں آنے کے بعد اس قوم کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی، اور اس علاقہ کے لوگوں نے اس کے خلاف اقدام کیا جس کے نتیجہ میں اس قوم کا ایک حصہ یورپ چلا گیا اور ایک حصہ مشرقی ایشیا کی طرف پسپا ہوگیا۔ جو لوگ یورپ چلے گئے انھوں نے ہنگری کو اپنا مسکن بنایا اور ان میں سے اکثر نے نصرانی مذہب قبول کرکے ایک شاندار حکومت قائم کی۔ چونکہ یہ لوگ نسلاً و اصلاً مشرقی تھے اس لیے مغرب میں آباد ہوجانے اور ان پر اپنی حکومت قائم کرنے کے باوجود ان کو اپنے قدیم مشرقی علوم و فنون سے تعلق باقی رہا اور وہ اس کی تلاش و جستجو میں رہا کیے۔ سولھویں صدی میں سلاطینِ ترکی کے قبضہ کے بعد خصوصاً اٹھارھویں صدی میں ان لوگوں میں اپنے قدیم علوم و فنون کی تلاش زیادہ بڑھ گئی۔

جیسا کہ معلوم ہوا ہنگری میں آباد ہوجانے کے بعد اکثریت کا مذہب تو عیسائیت ہوگیا لیکن جو لوگ اسلام سے وابستہ رہے، ان کو مجری مورخ اسماعیلی بتاتے ہیں، یہ لوگ عام طور سے تجارت اور صرافے کا کاروبار کرتے تھے اور تیرھویں صدی تک اپنی اولاد کو حلب کے حنفی مدارس میں دینی اور فقہی تعلیم کے لیے بھیجتے تھے، صلیبیہ کے پانچویں حملے (۱۲۱۹ء تا ۱۲۲۱ء) جنگی اخراجات کے لیے مسیحی بادشاہ اندریا ثانی نے ان مجری مسلمانوں کو سکہ ڈھالنے کا حکم دیا تو انھوں نے اسلامی انداز پر سکہ تیار کیا جس پر "لا الٰہ الا اللہ" لکھا تھا۔

ایک زمانہ میں یورپ کو عثمانیوں سے سخت خطرہ لاحق ہوا اور ان سے جنگ کرنے کے لیے ہنگری کے بادشاہ سگمند کی قیادت میں ہنگری، بولونیا، فرانس اور جرمنی کے جوانوں کی فوج تیار کی گئی، جسے سلطان بایزید عثمانی نے ۱۳۹۶ء میں نیفوپولیس کی جنگ

ہیں مغلوب کیا، اس کے بعد ۱۵۲۶ء میں عثمانیوں نے واقعہ موجاج میں ہنگری فوج کو شکست دی اور ۱۵۴۱ء میں اس کے دارالسلطنت پر قبضہ کرلیا تو وہاں کا حکمراں خاندان و ڈینیوب کے مغرب میں پناہ گزین ہوگیا، اس واقعہ کے بعد ہنگری کے باشندے عام طور سے سلاطین عثمانیہ کے طرف دار بن گئے، اور ٹرانسلوانیا کی حکومت نے عثمانیوں سے معاہدہ کرلیا، یہاں تک کہ عثمانیوں اور ہنگری کے مغلوب حکمراں خاندان کے مابین جنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں بڑی تباہی آئی۔

ان تمام ادوار میں مجریوں (ہنگری والوں) نے اپنے نسلی ورثہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش جاری رکھی اور جنگ و پیکار کے زمانہ میں بھی وہ اپنے آبائی علوم وفنون سے غافل نہیں ہوئے ان کے گرجاؤں میں مشرقی علوم کے نادر مخطوطات محفوظ رہے، خاص طور سے باکونی بیل (BAKONY BEL) کا گرجا ان کا ثقافتی وعلمی مرکز رہا، جہاں ان کے لاطینی مخطوطات نوّے جلدوں میں موجود تھے، نیز مجریوں نے ان ایام میں مشرقی غنا، عروض اور قصص و روایات کو مجری ادب میں منتقل کیا، اس زمانہ میں مشرقی علوم سے زیادہ متاثر ہونے والوں میں بالینٹ صف اوّل کا عالم تھا۔

عثمانی سلاطین نے مجر پر ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی اور بوڈا کے ساتھ پسٹ کو بھی اس کا دارالسلطنت بنایا، چنانچہ ۱۸۷۳ء سے آج تک بوڈاپسٹ ہنگری کا دارالسلطنت ہے، اس درمیان میں مجریوں نے خاص طور سے اپنے آبائی ذہن وفکر والوں کی حکمرانی سے فائدہ اٹھاکر ترکی اور عربی زبانیں سیکھیں، اور ترکی حکومت میں کام کیا، اس وقت مجریوں میں استشراق اور مشرقی علوم سے نیا ذوق وشوق پیدا ہوا، اور ترکی حکومت کے سرکاری آفسوں کے کارندوں اور منشیوں میں مستشرقین پیدا ہونے شروع ہوگئے، ان ہی میں فیض روشنیاسی نامی ایک سرکاری عہدیدار نے مجری زبان میں کلیلہ دمنہ کا ترجمہ کیا ہنگری پر ترکی حکومت کی خیر وبرکت کا یہ پہلا علمی وفکری ظہور تھا جو اس زمانہ میں ترجمہ کی شکل میں

Marfat.com

ظاہر ہوا، ترکی حکومت کا یہ علمی وفکری پودا ہنگری کے اہلِ علم میں بڑھتا رہا اور مشرقیات سے دلچسپی لینے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی رہی، یہاں تک کہ وہاں آزادی کی لہر آئی اور ساتھ ہی عام طور سے دنیا میں استشراق کا ذوق پیدا ہوا، جس سے وہاں کے باشندوں میں علم و تحقیق کا ذوق بڑھا، چنانچہ وہاں کے طلبہ ہالینڈ، جرمنی، آسٹریا کی یونیورسٹیوں میں مشرقی زبانوں کی خاص طور سے عبرانی زبان کی تعلیم کے لیے جانے لگے، ان میں مذہبی طلبہ بھی تھے جنھوں نے ترکی اور عربی کو اپنا موضوع قرار دیا اور وہ ان زبانوں میں اس طرح کامیاب ہوئے کہ ان کی تعداد کم ہونے کے باوجود ان کو علمی شہرت ملی۔

درسگاہیں اور مجلات

ہنگری میں مشرقی علوم و فنون کے کئی مرکز ہیں، جن میں ٹرانسلوانیا کا پروٹسٹنٹ کالج بوڈاپسٹ یونیورسٹی اور اس کے معہد مشرقی، معہد وسط ایشیا اور معہد یہودی جن میں سامی زبانوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے بہت مشہور مرکز ہیں، مشرقی علوم کے کتب خانوں میں ہنگری کی علمی اکیڈمی کی لائبریری بہت مشہور ہے اسی طرح وہاں پر مشرقیات کے میوزیم اور عجائب خانے بھی ہیں۔ ایشیائی فن کا میوزیم جسے بوڈاپسٹ میں ۱۹۱۹ء میں فرنسیس ہوپ (FR. HOPP) نے قائم کیا تھا، اس کا پہلا محافظ و نگراں زولطان طاقاج (Z. TAHACJ) تھا اس نے اس کی ترتیب دی اور اس کی فہرست تیار کی، یہ فاضل آج تک بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ہنگری چینی اور جاپانی فنون کا استاذ ہے اس کی پیدائش ۱۸۸۱ء میں ہوئی۔

نیز اس میوزیم سے اروِن بقطالی (E. BAKZAY) کا خصوصی تعلق ہے یہ فاضل ہندی فن اور ہندوستان کی زبانوں کا متخصص ہے، اس کی پیدائش ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔

اس میوزیم کے موجودہ نگراں ڈاکٹر ٹیبور حورات (T. HORYATH) ہیں جنھوں نے کئی سال جاپان میں گزارے ہیں اور ایشیائی فن پر انگریزی میں ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے۔

Marfat.com

مشرقیات پر بحث کرنے والے مجلدات ورسائل ہیں (۱) مجلہ شرقیہ کلی سملہ (REVUE ORIENTALE) (۲) کوروشی گوما (REVUE KOROSIG SONA) (۳) اور حجری زبان کا سالنامہ (ACTA ORIENTALIA) جو ہنگری کی علمی اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوتا ہے، یہ رسالے مستشرقین کے مباحث کو شائع کرتے ہیں اور ان کا خصوصی موضوع استشراق ہے

ہنگری کے قدیم وجدید مستشرقین

(۱) کانٹ کاروی ریوتیسکی (CTA-REVIC3KY.K.) (۱۷۴۶ء، ۱۷۹۳ء) اس نے وائنا کی درسگاہ میں تعلیم پائی جسے ملکہ ماریہ تریزہ نے مشرقی ممالک میں اپنے سفرا اور مندوبین کی تعلیم کے لیے قائم کیا تھا۔ کاروی کو آسٹریا کے بادشاہ نے فارسودیہ میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، پھر لندن بھیجا جہاں کاروی اور سر ولیم جونس کے درمیان تعلقات نہایت خوشگوار ہو گئے سر ولیم جونس بہت مشہور انگریز مستشرق تھا۔ کاروی نے ۱۷۷۱ء میں حافظ شیرازی کے فارسی دیوان کا لاطینی ترجمہ شائع کیا، بعد میں اس ترجمہ کو بنیاد قرار دے کر ۱۷۷۴ء میں انگریز مستشرق انشاء سون نے دیوان حافظ کا ترجمہ کیا نیز کاروی کے ترجمہ کی بنیاد پر ۱۷۸۲ء میں فریڈل نے اس کا ترجمہ جرمنی زبان میں شائع کیا۔

(۲) یانوش اوری (URI ، ۲) (۱۷۲۴ء، ۱۷۹۶ء) یہ ناگو کوروش میں پیدا ہوا ۱۷۵۳ء میں ہالینڈ کی ہاؤرویگ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کی اور اپنے دور میں مشرقی علوم میں سب سے آگے گیا، ۱۷۵۶ء سے ۱۷۶۶ء تک لیڈن میں مقیم رہا۔ اور اسی جگہ سے ۱۷۶۱ء میں امام بوصیری کا قصیدہ بردہ شائع کیا، یورپ میں اس قصیدہ کو نہایت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، اور دس سال بعد ۱۷۷۱ء میں اس کا دوسرا اڈیشن شائع کرنا پڑا، نیز اوری نے قصیدہ نسفی کا لاطینی ترجمہ کیا، ۱۷۶۶ء میں اس کا تعلق آکسفورڈ یونیورسٹی سے ہو گیا جہاں اس نے ۱۷۸۷ء میں کتب خانہ بودلیہ کے مشرقی مخطوطات کی فہرست مرتب کی۔ اس کتب خانہ میں عربی، عبرانی، کلدانی، سریانی، قبطی، ترکی اور فارسی زبانوں کے مخطوطات تھے، بعد

Marfat.com

اس فہرست کی تکمیل نیکول اور بوازی نے کی، نیز اوری آکسفورڈ یونیورسٹی میں مشرقی زبانوں
کا پروفیسر مقرر کیا گیا، اس کی علمی عظمت کا یہ حال تھا کہ جب وہ مرا تو قدیس میثیل کے جوار میں
دفن کیا گیا۔

(۳) شاندور کوارش گوما (CSOMA K.S.) (۱۷۸۴ء تا ۱۸۴۲ء) اس نے پروٹسٹنٹ
کالج میں عربی، ترکی، فارسی اور عبرانی زبانوں کی تعلیم حاصل کی اوران کی تکمیل انجورن سے کی، اس
نے مجریوں کے قدیم اور اصل مسکن کی تحقیق وتلاش میں پیدل سفر شروع کیا، ترکی، ایران اور
افغانستان ہوتا ہوا تبت پہونچا جہاں سات سال رہ کر ایک بودھی درسگاہ میں تبتی زبان
سیکھی اور ۱۸۳۴ء میں انگریزی زبان میں تبتی زبان کی نہایت مستند لغت تیار کی جو بعد میں
اس زبان کے لیے مرجع بنی۔ تبت کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں مدتوں مقیم رہا،
۱۸۴۲ء میں پھر تبت کے سفر کے ارادہ سے نکلا، مگر راستہ میں موت واقع ہوگئی اور دارجلنگ
میں انگریزوں کے قبرستان میں دفن ہوا۔

(۴) جارج کاتبورسکی (HANYURSEKY G.) (۱۸۱۹ء) اس نے وائنا یونیورسٹی
میں تعلیم پائی اور وہیں سے ۱۸۸۳ء میں عربی نحو کا مشہور متن اجرومیہ مجری زبان میں شرح
کے ساتھ شائع کیا۔

(۵) کوفمان (KAUFMANN D.D.) (۱۸۵۲ء تا ۱۸۹۹ء) برسلاڈ یونیورسٹی میں
تعلیم حاصل کی اور بوڈاپسٹ کے معہد علمی یہودی میں مدرس بنایا گیا، کوفمان نے اپنا قیمتی کتب
خانہ علمی اکیڈمی مجر پر وقف کیا، اس نے بوڈاپسٹ سے ۱۸۹۹ء میں سلموں بن جبرول
کے علمی وتحقیقی کارناموں کو شائع کیا اور خود جو علمی اور تحقیقی کارنامے چھوڑے جن کی اشاعت
بعد میں فرانکفورٹ سے ۱۹۱۰ء میں تین جلدوں میں کی گئی۔

(۶) کانٹ غیزاقوون (CTE. KUUN G.D.) (۱۸۳۷ء تا ۱۹۰۵ء) نخوتنفن یونیورسٹی
میں تعلیم حاصل کی اور مجر کی قدیم تاریخ کے عربی اور فارسی ماخذ و مصادر کا خصوصی طور سے

پتہ چلایا۔طبی تصنیفات وکتب پر ایک جامع کتاب لکھی، نیز ترکوں کے ادب ولغت پر متعد
مقالات لکھے۔

(۷) دہ بجیف توری (THURY, J) (۱۸۶۱ء ۱۹۰۶ء) بوڈاپسٹ اور لیپزیگ
یونیورسٹیوں سے فراغت حاصل کی، اور وسطِ ایشیا کی زبانوں اور ترکی لب ولہجہ پر وا
کے طرز پر کتاب لکھی۔

(۸) ولہلم باخر (BACHER, W.) (۱۸۵۰ء ۱۹۱۳ء) برلن یونیورسٹی میں تعل
حاصل کی اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی اور اس سے متعلق معہد علمی یہودی میں سامی زبانوں
استاذ کی حیثیت سے مقرر کیا گیا، باخر نے لیپزیگ سے ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۴ء کی درمیانی مد
میں موسیٰ بن میمون پر ایک کتاب دو جلدوں میں شائع کی اور ۱۹۰۹ء میں "سامی زبانوں
تاریخی ادوار" کے نام سے کتاب لکھی، نیز اس نے "تاریخِ یمن" اور" بلادِ عرب میں یہودی ستم
نامی کتابیں لکھیں۔

(۹) آمن وامبیری (YAMBERY, A) (۱۸۳۲ء ۱۹۱۳ء) اس نے بغیر استا
مشرقی زبانیں سیکھیں، ایک زمانہ تک ترکی میں رہ کر مجریوں کے اصل مسکن کے آثار وعا
پر بحث کی، پھر درویشانہ صورت اختیار کرکے ایران کے شہروں سے خیوا تک سفر کیا، نیز
اور بخارا گیا، واپسی پر بوڈاپسٹ یونیورسٹی کے معہد علمی میں ترکی اور فارسی زبانوں کا پروفیس
کیا گیا اور ایسی کتابیں لکھیں جن سے وسط ایشیا کی قدیم زبانوں پر نئی روشنی پڑتی ہے۔

(۱۰) کموشکو یاوری (KAMOSKO, M.) (۱۸۷۶ء ۱۹۱۳ء) مشہور مستشرق غولد صہ
بوڈاپسٹ کے معہد میں تعلیم حاصل کی اور استاذ کے بعد ان کی جگہ سنبھالی، کموشکو
نصوص سریانیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر نہایت قیمتی کتاب ہے
اس کی کئی شرحیں ہیں۔

(۱۱) پیٹر ہاٹالا (HATALA, P.) (م ۱۹۱۸ء) لیپزیگ یونیورسٹی میں تعلیم پائی او

Marfat.com

لک کا علمی سفر کیا، واپسی پر سامی زبانوں کے پروفیسر کی حیثیت سے تقرر ہوا، ہاٹالا نے ۱۸۷۶ء
ں عربی نحو کا مشہور متن اجرومیہ اپنے اہتمام سے شائع کیا۔ اور اس کے ساتھ سامی
انوں کی باریکیوں کے مباحث بھی شامل کیے۔

(۱۲) سالمون اسنرٹرن (ڈی OSZTERN) (پیدائش ۱۸۷۸ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی
ں تعلیم پائی، اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ کے مباحث میں خصوصی شہرت پائی، اسلامی
ریخ کے اجتماعی نظریات پر بہت کچھ لکھا، اسنرٹرن نے مجری زبان کے علاوہ کئی اجنبی
بانوں میں کتابیں لکھیں، قرآن حکیم میں اخلاق کی آواز اور قرآن حکیم میں جہاد اور شریعت
اد ائیگی کے موضوعات پر کتابیں اور مقالات لکھے۔

(۱۳) غولڈصیہر (ڈی GOLDZIER) بوڈاپسٹ لیپزیک اور برلن کی یونیورسٹیوں
یں ان کے بڑے بڑے اساتذہ سے سامی زبانیں حاصل کیں، جب ان کی علمی شہرت زیادہ
ئی تو ۱۸۷۳ء میں ہنگری کی حکومت نے شام کے سفر کی دعوت دی، شام میں ایک
انہ تک شیخ طاہر[۱] جزائری سے علمی تعلقات رہے، پھر وہاں فلسطین اور پھر مصر جانا ہوا

---

[۱] شیخ طاہر جزائری (۱۸۵۰ء، ۱۹۲۰ء) دمشق میں ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے، ان کے والد
خ محمد صالح سمعونی جزائری مالکی مسلک کے زبردست عالم و فقیہ تھے، الجزائر سے ہجرت کر کے
شق آئے اور مالکیہ کے مفتی بنے۔

شیخ طاہر جزائری نے شیخ عبدالرحمٰن بوشناقی اور شیخ عبدالغنی میدانی وغیرہ سے پڑھا
بی علوم کے ساتھ لغت۔ و ادب سے بڑا شغف تھا۔ سات سال کی عمر سے قلمی کتابوں
ے پڑھنے اور جمع کرنے کا شوق تھا، ۱۲۹۵ھ میں مدحت پاشا کی گورنری کے زمانہ میں
ام کے ابتدائی مدارس کے مفتش۔ بنائے گئے، ۱۳۲۵ھ میں مصر چلے گئے اور وہیں
ے حج یا زیارت سے مشرف ہوئے اور پیرس میں مستشرقین کی (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

مصر میں غولڈصیہر نے جامع ازہر کے اساتذہ وشیوخ سے خصوصًا شیخ محمد عبدہ سے خو
استفادہ کیا اور سامی لغات کے اصول پر بیش بہا معلومات حاصل کیں۔ نیز اسلامی
مسلمانوں کے علوم وفنون اور ان کی فکری حرکات پر بے نظیر تحقیقات کیں، جس کی وجہ
غولڈصیہر کا مشاہیر مستشرقین میں شمار ہونے لگا، اور بڑے بڑے مستشرقین نے ان کی عظ
کالوہا مانا اور وسعت علمی کے ساتھ ان کی بے تعصبی کا اقرار کیا، غولڈصیہر بوڈاپس
یونیورسٹی میں سامی زبانوں کے پروفیسر بنائے گئے، اور بہت سی علمی اکیڈمیوں کے
چنے گئے، چنانچہ مجمع علمی دمشق اور مجمع لغوی قاہرہ کے ممبر رہے، ابرڈین اور کیمبرج کی
نے ان کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی، ۱۸۸۳ء میں لندن کی مستشرقین کانفر
میں امام داؤد ظاہری کے مذہب پر علمی اور تحقیقی مقالہ پیش کیا، امام داؤد ظاہری اور اما
حزم کی کتابیں جمع کی تھیں، اور ابن حزم کی کتاب الابطال کا ایک حصہ شائع بھی ک

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) کانفرنس میں شرکت کی، ۱۳۳۸ھ میں دمشق واپس آئے تو المجمع الع
رکن اور دار الکتب الظاہریہ کے مدیر بنائے گئے، اس کتب خانہ کو آپ نے اپنے چند ہم
کی مدد سے قائم کیا تھا مگر مصر چلے جانے کی وجہ سے اس سے تعلق باقی نہیں رہا تھا، طا
عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے عالم تھے، ساتھ ہی فرانسیسی، سریانی، حبشی اور زنداوی ز
سے تھوڑے بہت واقف تھے۔ ۱۳۳۹ھ میں فوت ہوئے۔
بیسیوں کتابیں لکھیں جن میں الجواہر الکلامیہ فی بعقائد الاسلامیہ، قصص الا
تسہیل المجاز الی فن المعنی والالفاظ الارشاد البار الی طریق تعلیم الف بار، توجیہ ال
علم الاثر، التبیان لبعض مباحث القرآن، التقریب الی اصول التبویب وغیرہ زیادہ
مشہور سامی ادیب ومحقق علامہ محمد کرد علی نے شیخ طاہر جزائری کی شاگردی سے بڑ
پایا تھا، وہ ان کو ائمہ اصلاح میں شمار کرتے تھے اور شیخ المصلحین کہا کرتے تھے۔

Marfat.com

۱۹۰۲ء میں ہمبرگ کی مستشرقین کانفرنس میں "عربوں کے نزدیک علم المرایا" پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا، نیز اسلام سے متعلق بہت سے علمی مقالات ایشیا اور یورپ کے جرمنی، فرانسیسی انگریزی، روسی، مجری، اور عربی زبانوں کے جرائد و مجلات میں شائع کیئے، غولڈصیہر نے اپنی مشہور کتابیں، جرمنی، فرانسیسی، اور انگریزی زبانوں میں لکھیں، ان کے ذاتی کتب خانہ میں چھ ہزار ایسی کتابیں تھیں جن کا تعلق فقہ، فلسفہ، فنون، لغت اور ادب سے تھا، ان کتابوں پر غولڈصیہر نے نہایت قیمتی حواشی، استدراکات اور تحقیقات درج کی تھیں، ان کے علاوہ ہزاروں علمی و تحقیقی مجلات و کتب تھیں جن کو دنیا کے مستشرقین نے ہدیہ میں پیش کر کے ان کے علم و فن کا اعتراف کیا تھا، ان کے مرنے کے بعد اس کتب خانہ کو ان کے خاندان نے قدس کے مکتبہ عربیہ کو فروخت کر دیا، اس طرح غولڈصیہر کا یہ کتب خانہ اس کے لیے بنیاد بنا

استاذ غولڈصیہر نے مختلف موضوعات پر علمی اور تحقیقی آثار و متروکات چھوڑے اور اسلام، اسلامی فقہ، اور عربی ادب پر فرانسیسی جرمنی اور انگریزی زبانوں میں کتابیں لکھیں یہود انگریزی میں (لیبزیگ ۱۸۷۰ء) شیعہ کے آداب جدل جرمنی میں (لیبزیگ ۱۸۷۴ء) یہود کے اساطیر (لیبزیگ ۱۸۷۶ء) ۱۸۷۷ء میں اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ اسلام جرمن زبان میں (بوڈاپسٹ ۱۸۸۱ء، نیز ہیڈبرگ ۱۹۱۰ء) آج تک مستشرقین میں کسی نے اس موضوع پر ایسی کتاب نہیں لکھی، غولڈصیہر کی نگرانی میں ارن نے اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں اسلام میں عقیدہ اور شریعت کے نام سے کیا (پیرس ۱۸۹۰ء) اس کے بعد عربی میں اس کا ترجمہ ہوا، درس اسلام دو ضخیم جلدوں میں لکھی۔ (ہالہ ۱۸۸۵ء و ۱۸۹۰ء)، "فقہ اسلامی پر فلسفیانہ بحث" جرمنی زبان میں دو جلدوں میں (۱۸۸۹ء) مشہور عربی شاعر خطیہ کا دیوان عربی متن اور ترجمہ و تعلیق کے ساتھ شائع کیا (لیبزیگ ۱۸۹۳ء) نیز غولڈصیہر نے اپنے درست شیخ طاہر جزائری کی کتاب توجیہ النظر فی علم الاثر کو جرمن زبان میں منتقل کیا، اسی طرح سجستانی کی کتاب المعمرین کا ترجمہ کیا۔

Marfat.com

کیا (لیڈن ۱۸۹۹ء) مرجیہ کے نزدیک عقائد و شرائع اور قدریہ و معتزلہ نامی کتابیں ۱۸۹۶ء میں شائع کیں، امام غزالی کی کتاب المستظہرین فی فضائح الباطنیہ و فضائل المستظہریہ کے ایک بڑے حصہ کو ۸۱ صفحے کے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا (لیڈن ۱۹۰۶ء) پھر اس کتاب کے بارے میں ۱۱۲ صفحات کی ایک بحث لکھی۔

نیز غولڈصیہر نے کئی قیمتی مقالات لکھے، ایک مقالہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کے بارے میں اسرائیلی تصریحات پر بحث کی، فرانسیسی زبان میں سامری اور اس کے سونے کے بچھڑے پر ایک رسالہ لکھا اور حسین بن منصور حلاج پر ایک رسالہ لکھا جس میں کتاب الطواسین پر اچھوتے انداز میں بحث کی، یہ رسالہ ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔

(۱۴) شاندور کیجل (KEGEL ی د) بوڈاپسٹ کے معہد میں استاذ غولڈصیہر سے تعلیم حاصل کی اور ادب فارسی کے نوادر و عجائبات میں تخصص کیا، کیجل کے علمی کارناموں میں جدید ادب فارسی (بوڈاپسٹ ۱۸۹۲ء) جلال الدین رومی، فارسی کی قومی شعر و شاعری (۱۸۹۹ء) اور امیر خسرو اور ان کے اشعار (بوداپسٹ ۱۹۱۱ء) کتابیں ہیں۔

(۱۵) بوناٹ مونقاجی (MUNKACSI د B.) (۱۸۶۰ء ۱۸۳۷ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں مشرقی زبان کی تعلیم حاصل کی، پھر ہنگری کی علمی اکیڈمی کے مجلہ مشرقیہ کے مدیر تحریر ہوئے اور اس میں "فنلینڈ کی زبان کا تعلق ترکی اور تاتاری مصطلحات سے" کے موضوع پر نہایت کامیاب بحثیں لکھیں، اور مجری زبان میں توقازی زبان کے مفردات کو جمع کیا۔

(۱۶) اوریل شٹین (SLEIN د A U د M .) (۱۸۶۲ء ۱۹۴۳ء) یہ شخص وسط ایشیا چین، ایران اور عراق کے آثار کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے اور اس کی کتابیں اب تک نئی دہلی کے میوزیم میں محفوظ ہیں۔

(۱۷) ہللر (HELLER د B) (۱۸۷۳ء ۱۹۴۵ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں تعلیم

Marfat.com

پائی اور اسلامی اور یہودی علوم کو اپنا موضوع بنایا، اس نے غولدصیہر کے ان باقی ماندہ علمی کارناموں کو شائع کیا جن کا تعلق اسلام اور یہودیت کے مباحث سے تھا اور وہ اب تک شائع نہ ہو سکے تھے، اس کا مقدمہ ماسینیون نے لکھا، یہ کتاب مجری، جرمنی، فرانسیسی، انگریزی، روسی، سویڈی اور عربی زبانوں میں چھپی۔

(۱۸) ولیوس پرڈھلی (PROHLE .W .J) (۱۸۷۱ء – ۱۹۴۶ء) اس نے ترکی، فارسی عبرانی اور عربی زبانوں کو حاصل کیا، اور ۱۹۲۳ء تک ڈیبرین یونیورسٹی میں پروفیسر رہا، پھر بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں آگیا، اس کی کتابوں میں "تاریخ ادب عثمانی" اور "تاریخ ادب جاپانی" زیادہ مشہور رہی۔ نیز اس نے ترکی زبان کے قواعد لکھے، جس میں قوقازیں ترکی لہجوں اور مشرقی ایشیا کی زبانوں کے قواعد میں ہم آہنگی پر بحث کی۔

(۱۹) ڈاکٹر عبد الکریم جرمانوس (GERMANUS .J) (پیدائش ۱۸۸۴ء) آپ بوڈاپسٹ میں پیدا ہوئے، شروع ہی سے سامی زبانوں کا شوق تھا چنانچہ بوڈاپسٹ معہد کے دو بڑے اساتذہ وامبیری اور غولدصیہری سے یہ زبانیں حاصل کیں اور انہی دونوں اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے اسلامی اور مشرقی علوم و فنون کا ذوق پایا بوڈاپسٹ سے نکلنے کے بعد ۱۹۰۵ء تک استنبول اور وائنا کی یونیورسٹیوں میں مشرقیات کی تعلیم حاصل کرتے رہے، ۱۹۰۶ء میں ادب عثمانی پر جرمنی زبان میں کتاب لکھی نیز ترکی کی فتح کے بعد ہنگری کی یونیورسٹیوں کی تاریخ لکھی اور ایک مدت تک لندن کے برطانوی میوزیم میں رہ کر ترکی زبان کے قدیم نصوص کی تحقیق کی، ۱۹۱۲ء میں بوڈاپسٹ آئے اور اس کے معہد میں مشرقی زبانوں کے استاذ مقرر کئے گئے جہاں انھوں نے اسلامی فکر اور عربی و ترکی زبانوں کی تعلیم دی اور امم اسلامیہ کی تاریخ کو اپنا موضوع قرار دے کر ان کے قدیم نفسیات اور جدید اجتماعی نہضت کے مابین تعلقات پر بحث کی۔

ٹیگور نے آپ کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، آپ نے دعوت قبول کر کے

Marfat.com

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۲ء تک دہلی، لاہور، اور حیدرآباد کی یونیورسٹیوں میں تعلیم دی، اسی زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور ۱۹۳۰ء میں اسلام میں جدید تحریکات نامی کتاب شائع کی نیز ۱۹۳۱ء میں جدید ادب ترکی اور ۱۹۳۳ء میں "اسلامی تاریخ میں ترکوں کا زمانہ" شائع کی۔

ڈاکٹر صاحب قاہرہ بھی گئے جہاں جامع ازہر میں دقتِ نظر کے ساتھ اسلامی علوم کو حاصل کیا، پھر وہاں سے حرمین شریفین گئے اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے حج کے احوال و کوائف "اللہ اکبر" نامی کتاب میں متعدد زبانوں میں شائع کئے۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۱ء تک قاہرہ اور سعودی عرب میں رہ کر علمی تحقیقات کرتے رہے اور نتیجہ کے طور پر ادب عربی کی بلندیاں اور عربی زبان کی تراکیب نامی کتابیں شائع کیں ۱۹۵۵ء میں حکومت مصر کی دعوت پر چند ماہ قاہرہ اور اسکندریہ میں گذارنے کے لیے آئے نیز دمشق آئے تاکہ فکر عربی اور موجودہ ادب عربی اور ادبِ مجری پر لکچر دیں، اس کے بعد ۱۹۵۷ء میں مشہور شاعر ابن الرومی اور اس کے افکار پر کتاب لکھی اور ۱۹۵۹ء میں ابن الرومی کے مجموعہ اشعار کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا، ۱۹۵۸ء میں عرب کے مشرقی علاقوں کا سفر کیا تاکہ عروبت کی تحریک، جدید عربی ادب اور موجودہ ادبا کے بارے میں معلومات فراہم کریں ۱۹۵۳ء میں اٹلی کی اکیڈمی کے اور ۱۹۵۶ء میں قاہرہ کی المجمع اللغوی کے ممبر منتخب کیے گئے۔

تقریبًا دو سال ہوئے ڈاکٹر عبدالکریم صاحب دوبارہ ہندوستان تشریف لائے تھے، اور مختلف تعلیمی اداروں میں اسلامیات اور دوسرے عنوانات پر معلوماتی لکچر دئے الحمد للہ آپ بقید حیات ہیں اور علمی و دینی کاموں میں مشغول ہیں۔

(۲۰) جیولا نیمث (NEMETH, G.) (پیدائش ۱۸۹۰ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں ترکی علوم کی تحصیل کی اور اس میں ترکی تاریخ کے پروفیسر مقرر کیے گئے، نیمث کی تصنیفات

میں" عثمانی دور حکومت میں مجر کی تاریخ" ہے۔

(۲۱) دی شوموجی (SOMOGYI J. D. E پیدائش ۱۸۹۹ء) بوڈاپسٹ میں پیدا ہوئے اور استاد غولد صیہر سے بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس سے پڑھا اور اپنی علمی کاوش کو اسلامی تاریخ میں محدود کیا، اس میں اتنی ترقی کی کہ عرب مورخین کے ہمرنگ بن گئے، ۱۹۳۱ء میں امام ابن جوزی کی کتاب المنتظم کی تلاش و تحقیق میں لندن گئے۔ اس سے پہلے اس کی تکمیل کے لیے یورپ کے مختلف بلاد و امصار کا سفر کیا، اس کتاب کی بارہ جلدیں یورپ، قاہرہ اور قدس کے مختلف کتب خانوں میں بکھری پڑی ہیں" دائرۃ المعارف العثمانیہ" حیدر آباد میں بڑی تلاش وجستجو کے بعد ۱۳۵۷ھ سے ۱۳۵۹ھ تک اس کی پانچویں جلد سے دسویں جلد تک چھپ سکی نیز شوموجی نے اس سفر میں کمال الدین دمیری کی کتاب حیاۃ الحیوان کے ماخذ و مصادر کی تلاش کی، غولد صیہر نے اس کام کو شروع کیا تھا شوموجی فی الحال ولایات متحدہ امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں کام کرتے ہیں اور اسلام کی تمدنی تاریخ کے لکچرار ہیں۔

(۲۲) لاسلوراشونی (RASONYI L. D. E پیدائش ۱۸۹۹ء) بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں تعلیم پائی، پھر ترکی کے علوم میں تخصص حاصل کیا اور انگورہ یونیورسٹی میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۱ء تک پروفیسر رہے، اس کے بعد ہنگری کے مجمع علمی کے مشرقی شعبہ کے ذمہ دار بنائے گئے، موصوف نے ترکی زبان کے اصول و قواعد پر متعدد مباحث لکھے ہیں۔

(۲۳) سیغموند تلغدی (TELEGDI Z. D. E پیدائش ۱۹۰۹ء) بوڈاپسٹ، برسلاؤ اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی، اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں فارسی زبان و ادب کے پروفیسر مقرر کیے گئے مجلہ ایشیا میں "فارسی ادب کا تعلق مشرقی زبانوں سے" کے موضوع پر سلسلہ بحث شروع کیا۔

Marfat.com

(۴۲) کاروی ٹسیو لیدی (K. Czegledy) (پیدائش ۱۹۱۴ء) لیڈن اور پلواسٹ کی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں سامی زبانوں کے پروفیسر بنائے گئے مجر کی قدیم تاریخ عربی زبان کی بحث پر ماہرین لغات کی تحقیقات میں حصّہ لیا، موصوف نے ابن فضلان اور خوارزمی کے سفرناموں پر ایک رسالہ لکھا اور انگریزی زبان میں قدیم مجریوں کی تاریخ کے مباحث لکھے ہیں۔

(۲۱)

اسپین میں امام ابن حزمؒ کی نوسو سالہ یادگار تقریب

اسپین میں عربی و اسلامی علوم سے دلچسپی

آٹھ دس سال کی بات ہے کہ بمبئی کے ایک تاجرِ کتب کے یہاں "الکلیات" کے نام سے طب کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی تھی جو اندلس کے ایک مشہور مسلمان فلسفی و طبیب کی تصنیف تھی، اس وقت مصنف کا نام یاد نہیں آرہا ہے۔ اسے اندلس کی سرکاری جمعیۃ الادب العربی نے بڑے اہتمام سے آرٹ پیپر پر قلمی نسخہ کا فوٹو لے کر شائع کیا تھا، تقریباً چار سو صفحات کی تھی۔ سرِ ورق پر لکھا تھا کہ یہ کتاب حکومت اسپین کے صدر جنرل فرانکو کی زیر سرپرستی قائم شدہ جمعیت کی طرف سے شائع کی جارہی ہے، اسی وقت یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ وطنیت اور قومیت ہی کے نام سے سہی حکومتِ اسپین نے اسلامی علوم و فنون کی طرف کچھ توجہ تو کی، شاید آگے چل کر اس کے نتائج اچھے نکلیں۔

اس کے بعد تقریباً تین سال ہوئے بمبئی کے مدرسہ عربیہ کوئنتیہ میں ایک دن مغرب بعد ایک اندلسی نوجوان مسلمان زید نامی سے ملاقات ہوئی۔ جو غالباً ہانگ کانگ سے واپس ہوتا ہوتا ہوا ایک آدھ دن کے لیے بمبئی میں ٹھہر گیا تھا۔ یہ نوجوان اسپینی اور انگریزی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا، ہم نے اپنے ایک مصری گریجویٹ دوست کے ذریعہ اس سے بات کی، اس نے بتایا کہ اسپین میں الجزائر اور مراکش کے کئی ہزار مسلمان مزدور اور عمال کی حیثیت سے مقیم ہیں، اور معمولی کام کرتے ہیں، وہاں پران مسلمانوں کی نہ کوئی تنظیم ہے نہ کوئی مسجد و مکتب ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ترجمان اخبار یا رسالہ ہے۔ اسپین کے عیسائی

Marfat.com

باشندے اپنے عقیدے میں بہت ہی سخت ہیں، حتیٰ کہ عیسائیوں کے دوسرے فرقوں کو بھی برداشت نہیں کرتے، اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کی مذہبی رواداری اور رعایت برتتے ہیں جنرل فرانکو صدر مملکت کی خصوصی فوج میں بہت سے مسلمان شامل ہیں بلکہ ان کا افسر اعلیٰ ایک مسلمان فوجی ہے۔

چند دن ہوئے ایک کتاب "تتعلم الاسبانیۃ فی اسبوعین" ہاتھ لگی تھی، جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ اسپینی زبان عربی زبان سے اب تک بے حد متاثر ہے، تقریباً ہر مفرد لفظ کے شروع میں "ال" کا استعمال عام ہے اور بہت سے الفاظ عربی ہی کے ہیں جن کو اسپینی لب ولہجہ میں ڈھال لیا گیا ہے۔ اسی دوران میں طنجہ سے بین الاقوامی تولیت کے ختم ہونے کی بات آئی تو سب سے پہلے جنرل فرانکو نے بحق مغرب اقصیٰ (مراکش) اس سے اپنی دست برداری ظاہر کی، جس سے جانبین میں اعتماد و تعلق کی خوشگوار فضا پیدا ہوئی نیز مراکش اور الجزائر کی آزادی اور ذمہ دارانہ روش نے اسپین سے ان کے تعلقات کی نوعیت میں دوستانہ رنگ بھرا، اور ایک دوسرے سے قریب ہوئے، اس کے بعد اسپین میں کئی ایسے ادارے قائم ہوئے جن میں اسلامی اور عربی علوم و فنون پر ابحاث و تحقیقات ہو رہی ہیں چنانچہ (۱) معہد الاسبانی العربی للثقافۃ (۲) مدرسۃ الابحاث العربیہ میڈرڈ۔ (۳) مدرسۃ الابحاث العربیۃ غرناطہ (۴) معہد الدراسات الاسلامیۃ میڈرڈ، وغیرہ کسی نہ کسی مقدار اور انداز میں کام کر رہے ہیں۔ جن میں عرب فضلاء و محققین بھی شامل ہیں، جیسے ڈاکٹر حسین مونس وکیل معہد دراساتِ عربیہ میڈرڈ، اور ڈاکٹر محمود علی مکی، وکیل معہد دراساتِ اسلامیہ میڈرڈ۔

ان ہی مذکورہ بالا عربی و اسلامی ابحاث و دراسات کے اداروں نے اس سال ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء سے لے کر ۱۸ مئی تک مشہور اندلسی عالم امام ابن حزمؒ کا نوسو سالہ جشن منایا اور حکومت اسپین کی نگرانی میں یہ پورا ہفتہ اسی اندلسی امامِ اسلام کی یادگار منانے

میں گزرا۔

یادگاری جشن کی کیفیت یہ جشن امام ابن حزمؒ کے وطن قرطبہ میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا، اس میں بیس۲۰ محققین و فضلاء نے امام ابن حزمؒ پر مقالات پیش کئے، جن میں چودہ۱۴ مستشرقین اور چھ عرب فضلاء تھے، نیز اس جشن میں اسپین میں موجود تمام عرب ممالک کے سفراء اور مندوبین نے شرکت کی۔ اور اسپین کے مشہور و ماہر مصوّر و فنکار " امادیو رویت " نے ابن حزم کی تصانیف کی روشنی میں ان کا خیالی مجسمہ تیار کیا، جسے بڑی شان و شوکت سے ۱۲ مئی کو باب العطارین (موجودہ باب اشبیلیہ) کے سامنے ایک چبوترے پر نصب کیا گیا، اس کی نقاب کشائی کے موقع پر اسپین کا سرکاری ترانہ سنایا گیا، پھر عربی قومی ترانہ گایا گیا اور مجسمہ کے قدموں پر پھول نچھاور کئے گئے، ۱۵ مئی کو امام ابن حزمؒ کے نام اور یادگار کی تختی کی نقاب کشائی کی گئی جسے ان کے مکان کی جگہ پر لگایا گیا ہے، اس یادگار تقریب کے موقع پر امام ابن حزمؒ کی زندگی سے متعلق قرطبہ کے مقامات کی تحقیق و تعیین بھی کی گئی۔ یہاں پر ان مقامات کی نشاندہی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

مختصر حالات امام ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم قرطبی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ ۳۰ رمضان ۳۸۴ھ (۷ نومبر ۹۹۴ء) کو قرطبہ کے سب سے خوبصورت محلہ مُنیۃ المغیرہ میں پیدا ہوئے، اس محلہ کے چاروں طرف ہرے بھرے باغات تھے، اسے قرطبہ کے دسویں اموی خلیفہ ہشام المؤید کے چچا مغیرہ نے آباد کیا تھا جب خلیفہ عبد الرحمٰن المستظہر کا دور آیا تو اس نے مغیرہ کو قتل کر دیا، اور اس کے آباد کردہ علاقہ میں وزراء، عمال اور سرکاری آدمیوں نے اپنے قصور و محلات تعمیر کرائے چنانچہ امام ابن حزمؒ کے ایک خاندانی بزرگ اور خلیفۂ وقت کے وزیر احمد بن حزم نے بھی مُنیۃ المغیرہ میں ایک محل تعمیر کیا۔ اسی میں امام ابن حزم پیدا ہوئے، نیز اسی علاقہ میں بنو شہید، بنو زجالی، بنو طبینی، بنو برد، وغیرہ قبائل کے مکانات

تھے جن کے حالات اندلس کی اسلامی تاریخوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔

یہ علاقہ موجودہ شہر قرطبہ کے شمالی حصہ میں واقع ہے، آج کل اس محلہ کو "سان لورنزو" کہتے ہیں، اور تحقیق کے مطابق امام ابن حزم کا مکان اسی مقام پر تھا جہاں آج "سان لورنزو" کا گرجا واقع ہے، خدا کی شانِ بے نیازی کا یہ منظر کتنا عبرت ناک ہے کہ جہاں پر قصرِ بنی حزم تھا وہاں پر صلیب و تثلیث کی عمارت کھڑی ہے۔

امام ابن حزم اپنے محلہ سے جامع قرطبہ میں درس و تدریس کے لیے آتے جاتے باب عبدالجبار سے گزرتے تھے، یہ عبدالجبار خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کی اولاد میں مغیرہ مذکور کا بھائی تھا جسے منصور بن ابی عامر نے قتل کر دیا تھا۔ ابن حزم باب عبدالجبار سے گزر کر تنگ راستوں سے ہوتے ہوئے محجّۃ العظمیٰ تک جاتے تھے، یہ مقام موجودہ شہر قرطبہ کی سب سے بڑی سڑک میں آگیا ہے۔ جو وادی کبیر کے پل کے سامنے سے شروع ہو کر انتہائی شمال میں باب یہود تک جاتی ہے۔

۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) میں ابن حزم کو خلیفہ عبدالرحمٰن المستظہر نے اپنا وزیر بنایا، اس لیے انھوں نے بنیۃ المغیرہ میں واقع اپنے آبائی مکان کو چھوڑ کر شہر کے مغربی علاقہ میں بلاط مغیث میں سکونت اختیار کی، یہ محلہ حضرت طارق بن زیاد اور حضرت موسیٰ بن نصیر کے ایک فوجی افسر مغیث رومی کے نام سے منسوب تھا، اس محلہ سے دار الوزارۃ تک جانے کے لیے ابن حزم کو وادی کبیر کے قریب باب العطارین سے گزرنا پڑتا تھا جسے آج کل باب اشبیلیہ کہتے ہیں۔ یہ شہر پناہ کے قریب واقع ہے، کئی بار اس دروازہ کی اصلاح و مرمت ہو چکی ہے اسی دروازہ کے سامنے امام ابن حزمؒ کا اسٹیچو بلند چبوترے پر نصب کیا گیا ہے۔ چونکہ عبدالرحمٰن المستظہر جلد ہی قتل کر دیا گیا، اس لئے ابنِ حزم وزارت سے خود بخود الگ ہو گئے اور اپنے مکان بلاط مغیث میں رہنے لگے کیونکہ یہ محلہ جامع قرطبہ سے قریب تھا جہاں آپ درس و تدریس کے لیے جایا کرتے تھے، مگر تشدد کی وجہ سے اواخر ۴۱۶ھ (۱۰۲۶ء) میں ان کو اور ان کے استاذ ابوالخیار مسعود بن سفلت کو جامع قرطبہ چھوڑنی پڑی، اس واقعہ کی وجہ سے ابن حزم بہت رنجیدہ ہوئے، یہاں تک کہ قرطبہ چھوڑ کر

Marfat.com

اندلس کے مختلف علاقوں میں گھومتے رہے۔ اسی درمیان میں وہ ایک مرتبہ قرطبہ آئے اور منیۃ المغیرہ اور بلاط مغیث کے قصور و محلات کی تباہی و بربادی کا منظر دیکھا تو پھر وہاں سے نکل کر اندلس کے مغربی علاقہ میں گئے، جہاں "ہفت لیشم" نام کے ایک گاؤں میں ان کی خاندانی جاگیر اور جائداد تھی، آج گاؤں کا نام مونتیجا رہے، جو مَرْدَیْدَہ کے شمالی جانب سات کیلو میٹر پر واقع ہے، اس دُور اُفتادہ مقام پر امام ابن حزم نے تقریباً ۲ سال بسر کئے، اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں رہ کر علمی و دینی خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ اسی جگہ پر ۲۸ شعبان ۴۵۶ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۰۶۴ء کو فوت ہوئے، (رحمہ اللہ تعالیٰ)

شرکائے جشن جن مغربی مستشرقین اور عرب فضلاء نے اس جشن میں ابن حزم پر مقالات پیش کئے اُن کے نام اور مقالات کے عنوانات یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر خوان برنیت خلینس، پروفیسر برشلونہ یونیورسٹی، "ابن حزم کے نزدیک علمائے ریاضیات کا مقام"

(۲) ڈاکٹر روجیہ ارنالدیز، پروفیسر لیون یونیورسٹی، "ابن حزم اور اسلامی الٰہیات کے اہم مسائل"

(۳) ڈاکٹر شارل بیلا، پروفیسر پیرس یونیورسٹی، "ابن حزم اور ابن شہید اور عربی شاعری"

(۴) ڈاکٹر مانویل اوکانیا خیمینیث، رکن قرطبہ اکیڈمی، "قرطبہ ابن حزم کے زمانہ میں"

(۵) ڈاکٹر خاثینتو بوسک بیلا، پروفیسر غرناطہ یونیورسٹی، "ابن حزم ماہرِ انساب"

(۶) ڈاکٹر فرناندو دی لاجرانخا سنتاماریا، پروفیسر میڈرڈ یونیورسٹی، "ابن حزم کے نزدیک محبّت کی تاثیر میں مشرقی اولیات"۔

(۷) ڈاکٹر داریو کابانیلاس رودریجث، پروفیسر غرناطہ یونیورسٹی، "ابن حزم اور اندلس میں طریقہ تعلیم"

(۸) ڈاکٹر بدرو مارتینیث مونتابث، ممبر معہد اسبانی عربی برائے ثقافت، "عربی شاعری میں دارالخلافہ قرطبہ اور اندلس"

(۹) ڈاکٹر الیاس تریس (بطرس) سادایا، پروفیسر میڈرڈ یونیورسٹی، "ادب اور تنقید میں ابنِ حزم کی آراء"

(۱۰) ڈاکٹر داوید جوشتا لوبالیسو، پروفیسر غرناطہ یونیورسٹی، "ابن حزم اور ابن النغریلہ یہودی کے مابین دینی مباحثہ"

Marfat.com

(۱۱) ڈاکٹر میجیل کروث ایز ناندیث، پروفیسر سلمنقہ یونیورسٹی، "دورِ خلافت میں ثقافتِ اندلسیہ اور ابن حزم کے افکار"

(۱۲) ڈاکٹر خایمہ اولیفر آسین، مدیر مدرسہ ابحاث عربیہ میڈرڈ، "ابن حزم کی طوق الحمامہ اور اسپینی ادب میں اس کا اثر"۔

(۱۳) ڈاکٹر ہنری تیراس، مدیر دار بلاسکت میڈرڈ، "دسویں صدی کے اواخر میں اندلسی فن کے منصوبے"

(۱۴) ڈاکٹر لوییس سیکوری لوثینا، مدیر مدرسہ ابحاث عربیہ غرناطہ، "ابن حزم کی نقط العروس میں جدید نظریئے"

یہ اسپین کے مستشرقین ہیں، جن کے ناموں کو عربی سے لیا گیا ہے، اسپینی زبان میں ان کا تلفظ کچھ مختلف ہوگا۔ عرب اساتذہ کے نام اور ان کے مقالات کے عنوانات یہ ہیں:۔

(۱) ڈاکٹر سعید الافغانی، عمید کلیتہ الآداب، دمشق یونیورسٹی، "ابن حزم کے نظریات لغت میں"

(۲) ڈاکٹر حسین مونس، مدیر معہد دراساتِ اسلامیہ میڈرڈ، "ابن حزم کے نزدیک علوم کے مراتب"

(۳) ڈاکٹر محمود علی مکی، وکیل معہد دراساتِ اسلامیہ میڈرڈ، "قرطبہ کے فقہی کارنامہ میں ابن حزم کا موقف"

(۴) ڈاکٹر جمال الدین الشیال، پروفیسر اسکندریہ یونیورسٹی، اور مشیر ثقافی برائے سفارت متحدہ عرب جمہوریہ متعینہ رباط، "اسکندریہ اور ابن حزم کے تعلقات"

(۵) ڈاکٹر احمد مختار عبادی، پروفیسر اسکندریہ یونیورسٹی و رباط یونیورسٹی، "ابن حزم اور ابن الخطیب کے باہمی تعلقات"

(۶) استاذ محمد عبداللہ عنان، "ابن حزم اور مختلف اقوام کا اجتماع"۔

غالب گمان ہے ان تمام مقالات و محاضرات کو اور امام ابن حزم کے نو سو سالہ یادگار جشن کی جملہ کارروائی کو اس کی کمیٹی کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا، اس تقریب کے موقع پر جلسہ گاہ میں عربی زبان میں یہ بورڈ آویزاں کیا گیا تھا:۔

احتفال الذکری المئویۃ التاسعۃ لوفاۃ ابن حزم القرطبی قرطبۃ من ۱۲ الی ۱۸ مایو ۱۹۶۳

ملدیۃ قرطبۃ معہد الدراسات الاسلامیۃ فی مدرید مدرسۃ الابحاث العربیۃ فی غرناطۃ المعہد الاسبانی العربی للثقافۃ

(۲۲)

فرقۂ یزیدیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ مفرط غلو اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور امویوں کے ساتھ بیجا بدگمانی کے ردِ عمل میں حضرت معاویہ اور یزید کے بارے میں بھی مبالغہ آرائی شروع ہوئی، اور ان کو ایک جماعت نے اسی سطح پر رکھا جس پر حضرت علیؓ کو ان کے غالی معتقدین نے رکھا ہے۔

اس فرقہ کی تاریخ علامہ مقدسی بشاریؒ نے احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم میں چوتھی صدی کے آخر میں اس کی نشاندہی اس طرح کی ہے کہ بغداد میں ایسے غالی لوگ بھی ہیں جو حُبِّ معاویہؓ میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں، ایک مرتبہ واسط کی جامع مسجد میں ایک شخص کے پاس لوگ جمع تھے، اور وہ ان سے سند کے ساتھ بیان کر رہا تھا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن معاویہ کو اپنے پاس بلا کر پہلو میں بٹھائے گا اور اپنے دستِ خاص سے ان کی نقاب کشائی کر کے خلقت کے سامنے عروس نو کی طرح جلوہ گر کرے گا، جب میں نے اس کو ٹوکا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ اس رافضی کو پکڑو، اس کا یہ کہنا تھا کہ لوگ مجھ پر جھپٹ پڑے، مگر چند جان پہچان والوں نے درمیان میں پڑ کر مجھ کو بچایا۔[1]

عراق کے علاوہ ایران میں بھی حضرت معاویہؓ کی شان میں غلو سے کام لینے والے موجود تھے، علامہ مقدسی بشاری ہی کا بیان ہے کہ:۔

اصفہان میں مجھے ایک بڑے عابد و زاہد کا پتہ بتایا گیا، میں زیارت و

---

[1] احسن التقاسیم صـ۱۲۶ طبع یورپ

Marfat.com

برکت کی نیت سے اس کے پاس گیا، باتوں باتوں میں، میں نے کہا معصاحبؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے اس نے لعنت بھیجی، اور کہا کہ اس نے ہمارے سامنے نیا مذہب پیش کیا ہے، صاحب کہتا ہے معاویہ رسول نہیں ہیں، میں نے کہا کہ کیا تم ان کو رسول کہتے ہو؟ اس نے کہا میں تو وہی کہتا ہوں جس کا اللہ تم نے حکم دیا ہے، لا نفرق بین احدٍ من رُسلہٖ ابوبکر رسول تھے، عمر رسول تھے، عثمان و علی رسول تھے، اور معاویہ بھی رسول تھے، میں نے کہا ایسا نہ کہو، خلفائے اربعہ تو خلیفہ تھے، اور معاویہ بادشاہ تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، الخلافۃ بعدی الی ثلاثین سنۃ ثم تکون ملکا وہ شخص میری بات سن کر حضرت علیؓ پر طعن و تشنیع کرنے لگا اور مجھے رافضی بتانے لگا، اگر میرے آدمی وہاں پر نہ پہونچ گئے ہوتے تو اس کے آدمی مجھ پر ٹوٹ پڑتے، ان لوگوں کے متعلق اس طرح کے اور بہت سے واقعات مشہور ہیں۔[1]

یہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں غلو کی مثال ہے، یزید کے بارے میں غلو نے مستقل کی صورت اختیار کرلی اور فرقہ یزیدیہ ایک مستقل فرقہ بن گیا ہے، اس کا مرکز موصل کے او جبال ہکاریہ ہے، اس کی تاریخ یہ ہے کہ اکراد ہکاریہ کے یہاں شیخ عدی (ولادت ۶۷ وفات ۵۵۵ھ نامی ایک بزرگ آئے، جن کا دل شیعوں کے یزید پر الزامات و افترا س آچکا تھا۔ انہوں نے ان کردوں کو بتلایا کہ یزید مسلمانوں کے ائمہ میں ہے، اس کے خلا جو باتیں کی جاتی ہیں ان کی کوئی صحت و سند نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنے رسالہ عدویہ میں لکھا ہے کہ شیخ عدی کا طریقہ ع پہلے اچھا طریقہ تھا مگر اس کے خلفاء میں شیخ حسن نامی ایک بزرگ کو شیعوں نے قتل کر جس سے بڑا فتنہ برپا ہوا، اس کے نتیجہ میں ہکاری کردوں نے شیخ عدی اور شیخ حسن

[1] احسن التقاسیم ص ۳۹۹، طبع یورپ۔

Marfat.com

بارے میں حد درجہ غلو سے کام لیا، اور یزید کی نبوت تک کے قائل ہو گئے، یہ لوگ امام ابن تیمیہ کے زمانہ تک اسی حال پر تھے، آپ نے ان کی اصلاح کے لیے الرسالۃ العدویہ نامی کتاب لکھی جس میں بتلایا کہ شیخ عدی بن مسافر نیک آدمی تھے، اگر وہ زندہ ہوتے تو کردوں کو اپنے اور یزید کے بارے میں غلو کرنے سے منع کرتے، رسالہ عدویہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ یزید کی نبوت کے قائل ہونے کے بعد اسے خدا تک مانتے تھے، ان کو یزیدیہ کہتے ہیں، یہ لوگ شمالی عراق کے علاقہ سنجار اور اس کے علاقہ اروان میں بکثرت آباد ہیں، ان میں کچھ دمشق بغداد اور حلب کے اطراف میں بھی پائے جاتے ہیں[1]

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں پنجاب کے بعض مسلمان فوجی ان کے علاقہ میں گئے اور ان کے بارے میں بعض اخبارات و رسائل میں معلومات دی تھیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مور کی شکل میں شیطان کی پرستش کرتے ہیں، اور بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں

آج کل ان کا مرکز جبال ہکاریہ کا علاقہ جبل شیخان ہے، جہاں ان کا امام اور امیر رہتا ہے، حال ہی میں بعض عربی رسالوں میں ان کے بارے میں بعض لوگوں نے سوالات کیے تھے، اس کے جواب میں خود ان کے امام اور امیر یزید خاں بن اسماعیل بیگ نے عربی میں ایک رسالہ لکھا جو مجلۃ العربی کویت بابت ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ میں شائع ہوا ہے، اس مقالہ کے ساتھ فرقہ یزیدیہ کے شیوخ اور امیر کے گروپ کے فوٹو بھی ہیں ان کے لباس ڈھیلے اور پرانی وضع کے ہیں، جن سے مذہبی تقدس ظاہر ہوتا ہے، داڑھیاں بارعب شاندار ہیں، فرقہ یزیدیہ کے کمسن امیر کے چہرہ پر داڑھی نہیں ہے صرف مونچھیں ہیں، اور ان کی وضع قطع مغربی ہے، ذیل میں ہم اس کے مقالہ کا ملخص ترجمہ پیش کرتے ہیں، فرقہ یزیدیہ کے بارے میں یہ معلومات شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

فرقہ یزیدیہ کے امام و امیر یزید خاں اسمٰعیل بیگ کا بیان	بنی امیہ کے زوال کے بعد جب

[1] حوالہ حاشیہ المنتقی ص ۲۷۹، ۲۸۰ طبع مصر۔

Marfat.com

شام میں بنو عباس کی حکومت قائم ہوئی تو عباسیوں نے ہر جگہ امویوں کو تلاش کر کے ختم کیا، اور شکست خوردہ اموی بری طرح تباہی اور انتشار کا شکار ہوئے، اور ان کی ٹولیاں مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئیں، ان ہی میں شیخ عدی بن شیخ مسافر شامی اموی بھی تھے، جنہوں نے شمالی عراق میں پناہ لی اور جبل ہکار کو اپنا مستقر اور وادی لالش میں زاویہ بنا کر طریقہ عدویہ جاری کیا، جو بعد میں "یزیدیہ" کے نام سے مشہور ہوا، مختلف ملکوں اور شہروں کے عرب اور اکراد نے ان کی پیروی کی، شیخ عدی بن مسافر نے پوری زندگی زہد و ریاضت میں بسر کی اور ۵۵۵ھ میں وادی لالش میں انتقال کیا، اس وقت ان کی عمر تقریباً اسی سال تھی۔

چونکہ شیخ عدی نے شادی نہیں کی تھی، اور ان کے اولاد نہ تھی، اس لیے ان کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے شیخ عدی الثانی بن شیخ ابو البرکات خلیفہ ہوئے، شیخ عدی الثانی کے زمانہ میں طریقہ عدویہ حدود استنبول تک پھیل گیا، ان کے بعد ان کے لڑکے شیخ حسن جانشین ہوئے، انہوں نے اپنے حلقۂ دعوت واثر کو وسیع اور منظم کر کے ہر منطقہ میں اپنے خاندان کے افراد کو والی اور عامل مقرر کیا، اور بہت بڑی فوجی طاقت جمع کرلی، جس میں تقریباً ا ہزار سپاہی تھے، اس سے موصل کے امراء و حکام کو تشویش ہوئی اور عماد الدین زنگی اور اس کے نائب بدرالدین ٹوٹو اور شیخ حسن کے درمیان بڑے خونیں معرکے ہوئے، ان معرکوں کا نتیجہ بدرالدین ٹوٹو کی فتح اور عدویہ کی شکست کی صورت میں ظاہر ہوا، اور شیخ حسن کا زمانہ جنگ و مقابلہ میں گزرا، اور فرقہ عدویہ طاقت کے ذریعہ آگے بڑھا۔

زمزم، کوثر، اور عرفات وغیرہ

فرقہ یزیدیہ کے بانی شیخ عدی بن مسافر کی قبر موصل کے شما میں جبل ہکار کی وادی لالش میں واقع ہے، یہیں پر ان آل واصحاب کی قبریں بھی ہیں، اس لیے فرقہ یزیدیہ کے لوگ یہاں حج کے لیے آتے ہیں اس وادی میں جبل ہکار سے نکلے ہوئے آب شیریں کے کئی چشمے ہیں، ان میں ایک چشمہ

Marfat.com

زمزم ہے، یزیدیوں کا عقیدہ ہے کہ شیخ عدی بن مسافر نے ایک سخت پتھر پر اپنا عصا مار کر کہا کہ "زمزم تعال"، جس سے کعبہ شریف سے آب زمزم وادی لائش کی طرف پھر گیا، زمزم کی طرح اسی وادی میں جبل عرفات، جبل المشہد، حوض کوثر، عین البیضاء اور حجر اسود بھی ہے

طاؤس الملائکہ

طاؤس ملک یا طاؤس الملائکہ یزیدیوں کے نزدیک رئیس الملائکہ ہے، جو اللہ تعالےٰ کا مقرب اول اور عالم ملکوت کا محافظ ہے، یہی طاؤس ملک یا طاؤس الملائکہ اللہ تعالےٰ کے امور و معاملات کو اس کے وسیع ملک میں چلاتا ہے، جب اللہ تعالےٰ نے تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں تو اس طاؤس الملائکہ کے سوا تمام ملائکہ نے آدمؑ کو سجدہ کیا، اس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اے رب! میں آدم کو کیسے سجدہ کروں؟ تو نے مجھے نور سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا ہے[1]

طاؤس ملک زمین میں "سنجق" کے عہدہ پر فائز ہے، فرقہ یزیدیہ کے ہر منطقہ کے لیے ایک خاص سنجق ہوتا ہے جو ان کی خیرات فروض جمع کرتا ہے، اور ہر علاقہ کا سنجق سال میں ایک مرتبہ اپنے علاقہ میں مذہبی جلوس نکالتا ہے، جس میں مذہبی علماء شریک ہوتے ہیں، جن کو القوالین (قوال) کہتے ہیں، یہ لوگ جلوس میں مذہبی قصائد پڑھتے ہیں، اس جلوس کے موقع پر نذر و نیاز کی جاتی ہے اور یزیدی صدقہ و خیرات دیتے ہیں، جن کو سنجق جمع کرتا ہے، طاؤس ملک پوری دنیا کا سنجق تسلیم کیا جاتا ہے۔

فرقہ یزیدیہ کی مذہبی کتابیں

فرقہ یزیدیہ کے پاس دو مقدس کتابیں ہیں، ایک مصحفِ رش جو یزیدیوں کا دینی دستور ہے، مصحفِ رش ہرن کی کھال پر شیخ عدی کے قلم سے لکھا ہوا موجود ہے، دوسری کتاب "الجلوۃ" ہے یہ مصحف رش کی تفسیر ہے جو شیخ حسن بن عدی الثانی نے لکھی ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ معلم الملائکہ جو بعد میں شیطان ہوا، وہی طاؤس کی شکل میں فرقہ یزیدیہ کے اعتقاد میں سب کچھ ہے۔

Marfat.com

فرقہ یزیدیہ کے نزدیک لکھنا پڑھنا محرمات دین میں سے ہے، اسلئے مصحف رش طاق نسیاں میں پڑا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کا ایک ماہر آثار قدیمہ یہاں آیا، اسے اس قدیم مخطوطہ کا پتہ چلا، تو اس نے اسے چرا لیا، فی الحال یہ کتاب جرمنی کے میوزیم میں موجود ہے، البتہ کتاب الجلوۃ کے دو نسخے پائے جاتے ہیں، ایک سنجار میں اور دوسرا یزیدی فرقہ کے مرکزی مقام شیخان میں موجود ہے۔

فرقہ یزیدیہ کے طبقات یزیدی چار مذہبی طبقوں میں منقسم ہیں۔ اور انکے درمیان کسی حال میں مناکحت جائز نہیں ہے۔

(۱) طبقۃ الامیر، اس خاندان کے افراد عائلۃ امیر الشیخان کے لقب سے مشہور ہیں، یہ عدی الثانی کی اولاد سے ہیں، ان کا نسب اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان بن حکم تک پہونچتا ہے، طبقۃ الامیر انیسویں صدی کے اوائل میں قریب ختم ہو گیا تھا، جب امیر شیخان علی بن حسن بک کو صوران قبائل نے قید کر کے قتل کر دیا، علی بک بن حسن بک کے تین بچے تھے۔ یزیدیوں نے پہاڑ کی چوٹیوں پر لے آکر ان کی پرورش کی، انھوں نے جوان ہو کر پھر اپنی قوم کی تنظیم کی، ان تینوں بھائیوں کے نام یہ ہیں، حسین بک امیر تحسین کے دادا، عبدی بک اس مقالہ نویس کے دادا، اور سلیم بک مقالہ نگار کی والدہ کے دادا، اس خاندان کے افراد کی تعداد بہت ہی کم ہے، مگر عظمت بھی ہے۔ طائفۂ یزیدیہ کی نظر میں بڑی محترم ہے، یہی لوگ فرقۂ یزیدیہ کے جملہ امور و معاملات کے ذمہ دار ہیں، عراق کے اندر باہر روحانی شیوخ مذہبی پیشواؤں کا عزل و نصب انہیں کے اختیار میں ہے، تحلیل و تحریم کے بھی وہ مجاز ہیں، اور تمام علاقوں کے سناجق کے ذریعہ خیرات اور عتبات مقدسہ کی جو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی انہیں کے پاس جمع ہوتی ہے، جس یزیدی کے کوئی وارث نہیں ہوتا اس کی میراث بھی انہیں کو منتقل ہو جاتی ہے، دعاؤں اور مذہبی تقریبات میں ان کے نام لیے جاتے ہیں،

(۲) طبقۃ الشیوخ، یہ روحانی لوگوں کا طبقہ ہے، اس میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں

Marfat.com

ادانی اور قاتانی یعنی عدنانی اور قحطانی، یہ لوگ عام طور سے اپنے شیوخ کے مرید ہوتے ہیں، اور ان کے جملہ احکام کو مانتے ہیں، مریدوں پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے شیوخ کی خدمت میں مالی نذرانہ اور زکوۃ پیش کریں، یعنی شیوخ اپنے مریدوں کے بارے میں فرقہ یزیدیہ کے امیر کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔

(۳) طبقۃ البیر (پیر) یہ طبقہ روحانی صفات کا حامل ہوتا ہے اور مذہبی تقریبات، اور مراسم میں اسے امتیازی شان حاصل ہوتی ہے، کسی پیر کا نکاح اپنے خاندان کے علاوہ دوسرے خاندان میں جائز نہیں ہے۔

(۴) طبقۃ المریدین، یہ لوگ فرقہ یزیدیہ کے سواد اعظم ہیں، اور انہیں کی اکثریت ہے، یہ طبقہ شیوخ اور طبقہ پیر کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں، ہر مرید کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شیخ یا پیر کا پوری طرح مطیع ہو، ویطیعھا طاعۃ عمیاء بدون قیود و شرط یعنی بغیر شرط و قید کے ان کی اندھی تقلید و اطاعت کرے، مرید ہر ممکن طریقہ سے اپنے شیخ اور پیر کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور ہر مرید اپنی آمدنی کا تہائی اور بعض اوقات نصف حصہ سالانہ شیخ پیر سنجق اور عتبات مقدسہ کو دیتا ہے۔

ان طبقات کے علاوہ دینی افراد کے دو اور طبقے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں طبقہ مرید سے اونچے ہوتے ہیں، ایک طبقۃ القوال، دوسرا طبقۃ الفقیر،

اس کے نزدیک نماز اور روزہ: یزیدی موحّد ہیں[1]، اللہ کی وحدانیت کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس نے غیر کو سجدہ کیا اس نے غلط کام کیا، ان کے نزدیک عبادت فرض ہے، یزیدی آفتاب نکلنے سے پہلے اٹھتا ہے۔ اور غسل کر کے مشرق کی طرف متوجہ ہو کر جھکتا ہے، اور زمین کے اس حصہ کو بوسہ دیتا ہے جس پر سورج کی پہلی کرن

---

[1] فرقہ یزیدیہ کے امام و امیر کا یہ دعوی اسی کی تصریحات کی رو سے سراسر غلط ہے (مترجم)

Marfat.com

پڑتی ہے، اس کے بعد صبح کی دعا پڑھتا ہے، جس میں اپنے رب سے مغفرت اور خیر طلب کرتا ہے، اور شر سے دور رہنے کی دعا کرتا ہے، استقبال آفتاب کی حکمت یہ ہے کہ آفتاب خدائے عظیم کی مخلوق کا نور ہے جس کے ذریعہ انسان سیدھا راستہ پاتا ہے۔

یزیدیوں کے یہاں روزہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک ہوتا ہے، اور اس درمیان میں کھانے پینے اور ہر نفسیانی خواہش سے بچنا ضروری ہے، روزہ کے چند مخصوص دن ہیں، جس میں سب سے اہم صوم یزیدہے، یہ ہر سال کانون ثانی (جنوری) میں تین دن رکھا جاتا ہے، انہیں دنوں کے روزے ہر یزیدی پر فرض ہیں، اور سفر میں بھی ساقط نہیں ہوتے، ان کے علاوہ بھی چند روزے ہیں جن کی مجموعی تعداد پندرہ ہے، ان میں صوم بحلخانہ سب سے اہم روزہ ہے، یہ چالیس دن کا ہوتا ہے، اور سردی اور گرمی کے خاتمہ پر ان کا وقت ہے، گویا یہ روزے فرض نہیں ہیں، مگر ان کے لیے شرط ہے کہ چالیس دن تک مسلسل رکھے جائیں بہت سے یزیدی یہ روزہ رکھتے ہیں۔

اخروی بھائی بندی اور تناسخ

ہر یزیدی پر فرض ہے کہ طبقہ روحانیہ میں سے اپنے لئے ایک بھائی چنے جس سے آخرت میں مدد لے سکے، جب تک یزیدی زندہ رہتا ہے، اپنے اس روحانی بھائی کو رسوم مفروضہ ادا کرتا ہے، یزیدیوں کا عقیدہ تناسخ اور حلولِ ارواح پر بھی ہے، ان کے عقیدہ کی رو سے روح فنا نہیں ہوتی، بلکہ آسمان پر اس کے اعمال کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اس کا دنیا میں واپس ہونا ضروری ہے، اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو بڑی شخصیت کے قالب میں اس کا ظہور ہوتا ہے ورنہ جانوروں مثلاً گدھے، کتے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح روح صعود و نزول اور تناسخ کے چکر میں رہا کرتی ہے۔

فرقہ یزیدیہ کے محرمات

فرقہ یزیدیہ کے نزدیک خس (ایک قسم کی ترکاری) سور کا گوشت خوشبودار مسالے، خوشبودار بخور وغیرہ اور نیلا رنگ حرام ہے

گو میں خود یزیدیوں کا امیر اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا ہوں، لیکن ان چیزوں کی تحریم کو میں دینی نقطہ نظر سے اب تک نہیں سمجھ سکا کیونکہ یہ روحانی علماء کے مخصوص علم و حکمت سے متعلق ہے، میں اس تحریم کو صحت کے اسباب و علل پر محمول کرتا ہوں، مثلاً خس گندی جگہ میں اگتی ہے اور نجاست میں رہنے کی وجہ سے اپنے اندر بہت سے جراثیم رکھتی ہے اس لیے اطباء بغیر صفائی کے اس کا استعمال منع کرتے ہیں، تھوک متعدی بیماری کا باعث ہوتا ہے، خوشبودار مسالے اور بخور وغیرہ بھی صحت کے لیے مضر ہیں، نیلا رنگ اکثر میل کچیل اور گرد و غبار کو جذب کرتا ہے، اور اس میں گندگی کے نشان ظاہر نہیں ہوتے، سور کی گندگی اور نجاست مشہور ہے، نیز اس میں مہلک بیماری کے جراثیم ہوتے ہیں۔

لکھنا پڑھنا حرام ہے

فرقہ یزیدیہ کے نزدیک لکھنا پڑھنا زمانہ قریب تک حرام تھا، صرف شیوخ کے خاندانوں کے لیے اس کا جواز اور رواج تھا، یہ لوگ شب قدر میں آیت الکرسی پڑھتے ہیں، لکھنے پڑھنے کی حرمت ان ہی روحانی شیوخ کی طرف سے تھی، تاکہ یزیدی قوم ہمیشہ ان کی غلامی میں رہے، مگر اب وہ یزیدی جو ان آگے بڑھ رہے ہیں، ان میں لکھنے پڑھنے کا رواج ہونے لگا ہے۔

نکاح، طلاق، اور میراث

یزیدیوں کے یہاں شادی اسلامی طریقہ پر ہوتی ہے، فرق یہ ہے کہ منگنی کرنے والا شخص لڑکی کے خاندان کو ۲۰۰ سے ۳۰۰ تک دینار کی نقد رقم دیتا ہے، جو اس خاندان کی ملکیت ہو جاتی ہے، یزیدی کو تعدد ازدواج کا بھی حق ہے، البتہ اپنے بھائی یا چچا کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہے، زن و شوئی میں خیانت، بانجھ پن، اور تین سال تک شوہر کی غیبوبت سے طلاق کی صورت نکل آتی ہے، مطلقہ سے کسی حالت میں نکاح یا رجعت جائز نہیں ہے۔

صرف اولاد ذکور باپ کی وارث ہوتی ہے، لڑکیوں کو وراثت کا مطلق حق نہیں ہے اگر متوفی کے لڑکا نہ ہو تو اس کا ترکہ بھائی، یا چچا، یا چچا زاد بھائی پاتا ہے، اگر ان میں سے

Marfat.com

بھی کوئی نہ ہو تو پھر یہ ترکہ امیر الشیخان کے خاندان کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

ختنہ اور کریف الدم

یزیدی فرقہ کے نزدیک ختنہ دینی فریضہ ہے، جب بچہ ایک سال کا ہو جاتا ہے تو محفل ختنہ دھوم دھام سے منعقد کی جاتی ہے اور اس میں کسی ایسے شخص کو دعوت دی جاتی ہے جس کی دوستی پر ان کو اعتماد ہوتا ہے، یہ شخص ختنہ کے وقت بچہ کو گود میں لے کر بیٹھتا ہے اور جب خون کا قطرہ اس کے کپڑوں پر گرتا ہے تو وہ شخص کریف العائلہ ہو جاتا ہے، ایسے شخص کو کریف الدم بھی کہتے ہیں۔

اس رسم کے ذریعہ یزیدی اپنے خاندان اور دوسرے طبقہ کے خاندانوں سے روابط و تعلقات پیدا کرتے ہیں، کریف الدم کا غیر یزیدی مسلمان ہونا ضروری ہے، اور اگر یزیدی ہو تو پھر بچہ کے طبقہ کے علاوہ دوسرے طبقہ سے اس کا تعلق ہونا چاہئے، تاکہ سات پشت تک دونوں خاندانوں میں رشتۂ مناکحت قائم نہ ہو سکے کریف یزیدیوں کے نزدیک بہت ہی معزز و محترم شمار کیا جاتا ہے، وہ اسے اپنے خاندان کا فرد سمجھتے ہیں، جو اس کے مال و دولت اور گھر بار میں شریک ہوتا ہے، البتہ محرمات میں اس کا حصہ نہیں ہوتا۔

استدراک مزید معلومات

معارف ستمبر ۱۹۶۱ء کے شمارے میں یہ مضمون شائع ہوا، اس کے بعد ہی اکتوبر ۱۹۶۱ء کے معارف میں جناب لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر خواجہ عبد الرشید صاحب (پاکستان) نے "فرقہ یزیدیہ" کے عنوان سے اس پر استدراک لکھا، وہ لکھتے ہیں کہ معارف ماہ ستمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۲۳ پر تلخیص و تبصرہ کے تحت "فرقہ یزیدیہ اپنے امیر کے بیان کی روشنی میں" چند صفحات لکھے گئے ہیں، اور صفحہ ۲۲۵ کے وسطی پیرے میں لکھا ہے کہ "دوسری جنگ عظیم کے دوران میں پنجاب کے بعض مسلمان فوجی ان علاقوں میں گئے تھے، اور ان کے بارے میں بعض اخبار و رسائل میں معلومات دی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مور کی شکل میں شیطان کی پرستش کرتے ہیں، اور بڑے مہمان نواز ہوتے ہیں" خط کشیدہ جملہ میرے مضمون سے ہے جو بعنوان "ملک طاؤس" ۱۶ برس

Marfat.com

ہوئے ندوۃ المصنفین کے مجلہ شہریہ برہان میں شائع ہوا تھا، اس مضمون کا ایک اقتباس چھوٹے
ہیں صدق جدید نے اسی سال دیا تھا، پھر میرا ایک مضمون یزیدیوں پر انگریزی زبان میں بھی
تقسیم ملک کے بعد لاہور سے سول ملٹری اخبار میں شائع ہوا تھا، میرے علاوہ اس موضوع پر کسی
اور نے نہیں لکھا، البتہ میرا حوالہ دے کر ایک مرتبہ مولانا ابو اعلیٰ چشتی (حاجی لق لق) نے اس
مضمون کو اپنے اخبار میں نقل کیا تھا، میں نے تو ان تمام مقامات کی سیر کی تھی، اور چند روز
شیخ عدی (مقام ہیدکوارٹر یزیدیاں) میں رہا، اور جبل سنجار کی بھی سیر کی، میرے مضمون میں
تمام چشم دید حالات بیان کئے گئے ہیں، یہاں تک کہ ملک طاؤس کے مجسمہ کا بھی بیان دیا
گیا ہے۔ متذکرہ بالا تبصرہ میں فرقہ یزیدیہ لکھا گیا ہے، یہ غلط ہے، یہ فرقہ یزیدیہ نہیں
بلکہ قوم یزیدی ہے اور اس کی مفصل تفصیل اور اس قوم کی تاریخ میں نے بیان کر دی ہے[1]
یہ قوم شیطان پرست اور آتش پرست ہے، ان کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کا نام
یزیدی کیونکر پڑا، اس کے متعلق بھی میں نے اپنی تحقیق لکھی ہے جو اس مقالے میں ملے گی

صفحہ ۲۲۵ آخری پیرے کے شروع میں لکھا ہے "آج کل ان کا مرکز جبال ہکاریہ کا
علاقہ جبل شیخان ہے" معلوم ہوتا ہے مصنف نے خود یہ علاقہ نہیں دیکھا ہے، جبل شیخان پہاڑ
نہیں ہے بلکہ ایک قصبہ ہے جس کو "باشیخان" کہتے ہیں اور یہ مقام جبل مقلوب پر واقع ہے، جو
کہ موصل سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر شروع ہوتا ہے۔ نہ کہ جبال ہکاریہ جیسا کہ لکھا گیا ہے،
اور جبال کی ترکیب بھی سمجھ میں نہیں آئی۔

---

[1] یہ باتیں ہم نے المنتقیٰ کے حاشیہ کے حوالہ سے درج کی ہیں جسے شیخ محب الدین خطیب کے تحقیق
کے بعد تحریر کیا ہے، شیخ محب الدین الخطیب مصر کے مشہور محقق و مقدمہ نگار اور حواشی نگار عالم
ہیں، انھوں نے مکہ مکرمہ سے ہاشمی دور سلطنت میں القبلہ نامی اخبار جاری کیا تھا پھر مصر میں
الفتح رسالہ جاری کیا اور بہت زیادہ علمی و تحقیقی کام کئے آخر شوال ۱۳۸۹ھ میں مصر ہی میں فوت ہوئے
(رحمہ اللہ)

Marfat.com

شیخ عدی بن مسافر کے متعلق غلط لکھا ہے کہ انہوں نے شمالی عراق میں پناہ لی اور فرقہ یزیدیہ کو جاری کرکے اس کا نام یزیدیہ رکھا، شیخ عدی تو وہاں کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ اور غالباً معاویہ کے زمانے کی بات ہے یہ، اس وقت ٹھیک یاد نہیں ہے، یہ یزیدی علاقہ کے گورنر تھے، اس وقت یزیدیوں کو بزداری کہا جاتا تھا، تفصیل کے لیے میرا مقالہ مطبوعہ برہان ملاحظہ ہو۔

آخری اور صحیح معلومات اس سلسلہ کی سب سے زیادہ مستند و صحیح اور تفصیلی معلومات ایک مصری فاضل الاستاذ محمد سید گیلانی نے دی ہیں، جو قاہرہ یونیورسٹی کے ماسٹر ہیں، اور انھوں نے عبدالکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کو نئے انداز و اسلوب میں اڈٹ کرکے اس کے آخر میں ذیل الملل والنحل کے نام سے قدیم و جدید فرقوں کے بارے میں معلومات جمع کی ہیں اور ۱۹۶۷ء (۱۳۸۷ھ) میں کتاب کے آخر میں اسے چھاپ کر شائع کیا ہے، شہرستانی متوفی ۵۴۸ھ کے بعد جو مذاہب و فرق پیدا ہوئے ان میں سب سے پہلے یزیدیۃ او عبدۃ الشیطان کے عنوان سے اس فرقہ کے بارے میں صفحہ ۳۳ سے صفحہ ۴۰ تک جو کچھ بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، یہ اس فرقہ کے بارے میں سب سے آخری اور سب سے زیادہ محقق و مستند معلومات ہیں۔

فرقہ یزیدیہ کے مقامات اور ان کی تعداد فرقہ یزیدیہ یا شیطان کے پجاری اکثر کرد قبائل سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر ان علاقوں میں آباد ہیں (۱) موصل کے شمال مشرق کے قضاء الشیخان ہیں، یہ ان کا اہم ترین دینی و سیاسی مرکز ہے، یہیں باعدری ان کے امیر کا مقام اور شیخ عادی کی قبر ہے (۲) عراق کے شمال مغرب میں قضاء سنجار میں یہ پہاڑی مقام عراق اور شام کی سرحد پر ہے۔ راستے دشوار گزار ہیں اور قلعہ جات ہیں، ہنگامے کے زمانہ میں یہ لوگ اسی علاقہ میں پناہ لیتے تھے، (۳) دیار بکر میں، ماردین، جبل طور، (۴) منطقہ حلب میں کلس اور عین تاب

کے آس پاس، (۵) آرمینیہ کے شہروں میں، جو روس اور ترکی کی سرحد پر واقع ہیں، خاص طور سے فرص اور ایراوان کے منطقے ہیں، اور بلاد قوقاس کے شہر تفلیس کے قرب وجوار ہیں۔

(۶) ایران میں یزیدیہ فرقہ کے بعض افراد رہتے ہیں یہ لوگ اکثر دیہات وقریات میں بستے ہیں اور کھیتی باڑی کرتے ہیں، بعض صحرائی اور بدوی زندگی بھی بسر کرتے ہیں، خاص طور سے کوچر نامی قبیلہ خانہ بدوش ہے، یزیدیوں کی مجموعی تعداد اسی ہزار کے قریب ہے۔

یزیدیہ کی وجہ تسمیہ ان کے یزیدی کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے، خود ان کا کہنا ہے کہ وہ خلیفہ اموی یزید بن معاویہ کی طرف نسبت کرتے ہیں، جس نے ان کے قدیم دین کو زندہ کیا ہے، ان کے امیر اسمٰعیل چول متوفی ۱۹۳۳ء نے اس سلسلہ میں نہایت جاہلانہ اور دیومالائی روایت بیان کی ہے، جو تاریخ سے نری جہالت پر مبنی ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ یزید الٰہ مقدس ہے، اس فرقہ کے لوگوں کو خود اپنے بارے میں معلومات نہیں ہیں، بعض لوگ ان کو یزید بن انیسہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو خوارج میں سے تھا۔

بعضوں کا قول ہے کہ یہ شہر یزد یا مجوسیوں کے معبود یزدان کی طرف منسوب ہے ان کے اعتقادات میں مرورِ ایام اور جہالت کی وجہ سے قصص وخرافات اور نہایت احمقانہ باتیں داخل ہیں، وہ الٰہ اکبر پر ایمان رکھتے ہیں مگر اس طور سے کہ وہ بالکل معطّل ہے اس نے اپنے تمام کام ملک طاؤس کے حوالہ کر دئیے ہیں، جو یزیدیوں کے نزدیک مرتبہ الوہیت رکھتا ہے، یہ ملک طاؤس وہی سب سے بڑا فرشتہ ہے جس نے اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی تو اس نے اس کو سزا دی جس پر وہ ستر ہزار سال تک روتا رہا اور سات گھڑے اس کے آنسوؤں سے بھر گئے اور ان کو جہنم میں ڈال دیا گیا جس کی وجہ سے اسکی آگ بجھ گئی، اسی لیے یزیدیوں کے نزدیک دوسرے مذاہب والے غلطی پر ہیں کہ وہ ملک اعظم یعنی شیطان پر لعنت کرتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک اس کی تسبیح کرنی چاہیئے اگر اس کی محبت سے نہیں تو اس کے غضب سے بچنے کے لیے ایسا کرنا چاہیئے، وہی اس عالم کا مدبّر حقیقی ہے اور تمام انسانوں پر عذاب نازل کرنے پر قادر ہے،

Marfat.com

ان کے عقیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یزیدیوں کا شیطان دوسروں کے شیطان سے جدا ہے، اس کو ملک طاؤس کیوں کہتے ہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ لفظ تموز کا محرّف جو قدیم بابل والوں کا ایک معبود تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی روایت والا طاؤس ہے جو شیطان اور سانپ کے درمیان واسطہ بنا تھا۔

ان کا نبی شیخ عادی یا شیخ عدی

ان کا نبی شیخ عادی ہے جس سے یزیدی فرقہ کے لوگ اپنی مذہبی خبریں اور روایتیں نقل کرتے ہیں، اسے مرتبۂ نبوت و رسالت سے زیادہ درجہ دے کر ملک طاؤس کے ساتھ الوہیت میں شریک مانتے ہیں، یہ روایات کسی درجہ میں ایک مسلمان بزرگ شیخ عدی بن مسافر پر جو شیخ عدیا کے لقب سے مشہور ہیں منطبق ہوتی ہیں، یہ بعلبک میں پیدا ہوئے، اور مشرقی موصل میں جا کر انہوں نے اپنی خانقاہ بنائی ان کے ساتھ ان کے تلامذہ و مریدین بھی وہاں رہے، اور ان کی شہرت ہوئی، وہ ۵۵۵ھ یا ۵۵۷ھ میں فوت ہوئے، اور اپنے زاویہ شیخان میں دفن کئے گئے، ابن خلکان نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

سار ذکرہ فی الآفاق وتبعہ خلق کثیر وجاز حسن اعتقادھم فیہ الحد حتی جعلوہ قبلتھم التی یصلون الیھا وذخیرتھم فی الآخرۃ التی یقومون علیھا۔	ان کا چرچا تمام دنیا میں پھیلا اور بہت بڑی خلقت ان کے تابع ہوئی، ان کا اعتقاد شیخ عدی کے بارے میں حد سے بڑھ گیا حتی کہ لوگوں نے ان کو اپنا قبلہ قرار دے کر اس کی طرف نماز پڑھنی شروع کی اور ان کو اپنا ذخیرہ عقبیٰ سمجھ کر اسی عقیدہ پر چلنے لگے۔

مگر خود شیخ عدی بن مسافر کی کتابوں میں فرقۂ یزیدیہ کا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا ہے اس لئے شیخ عادی کی شخصیت کو شیخ عدی بن مسافر کی شخصیت سے ملانا مشکل ہے اس کے باوجود یزیدی ان کو مقدس مانتے ہیں، اور شیخان میں ان کی قبر کا حج کرتے ہیں۔

عادات و تقالید

ان کے نزدیک یہ حضرات بہت مقدس سمجھے جاتے ہیں۔ شیخ منصور حلاج

شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت حسن بصری اور ایک شیخ جو حسن بصری کی طرف منسوب ہے اور شیخ عادی کی قبر کا متولی محافظ ہے، اس کے حکم و فتویٰ کے بغیر یہ لوگ کوئی مذہبی کام نہیں کرتے ہیں، یہ لوگ سبزی ترکاری نہیں کھاتے ہیں، کیونکہ ان کی روایت کے مطابق شیخ عادی سبزی کے ایک کھیت سے گزرے اور اس کا سوال کیا تو مالک نے دینے سے انکار کر دیا، اسی وجہ سے انہوں نے اس کا استعمال حرام قرار دے دیا بلکہ اس کھیت کے پاس سے بھی نہیں گزرتے جس میں سبزی ہو، اسی طرح وہ ہرن کا گوشت نہیں کھاتے کیونکہ اس کی آنکھ شیخ عادی کی آنکھ کے مشابہ ہے، ان کے نزدیک نماز کا تعلق قلب سے ہے اور اسے پوشیدہ طور سے ادا کرنا چاہئے، اسی لئے نماز کا نہ کوئی انتظام ہے اور نہ اس کے اوقات ہیں، شراب ان کے یہاں حلال ہے، ایک مرتبہ حکومت عراق نے اس فرقہ کے لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنا چاہا تھا مگر انھوں نے اسے منظور نہیں کیا اور یہ وجوہات بتائیں (۱) ہر یزیدی پر فرض ہے کہ ۱۲ ستمبر کو شیخ عادی کی قبر کی زیارت کو جائے، ورنہ کافر ہو جائے گا اور ہر سال یہ فرض ہے، (۲) طلوع آفتاب کے وقت مشرق کی طرف رخ کر کے اس طرح نماز پڑھے کہ کوئی مسلمان نہ دیکھ سکے، ورنہ کافر ہو جائے گا (۳) خود یزیدی کسی مسلمان کو نماز پڑھتا ہوا نہ دیکھے ورنہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں یزیدی عقیدہ کے خلاف اعوذ باللہ پڑھ کر شیطان سے پناہ چاہی جاتی ہے، اس پر مسلمان کو قتل کر دینا چاہیے یا خود قتل ہو جانا چاہئے، یا پھر ایک ہفتہ کفارہ کا روزہ رکھ کر شیخ عادی کے نام کی قربانی کرنی چاہئے (۴) روزہ رکھنے کے لیے اپنا وطن ضروری ہے، دوسری جگہ رہ کر روزہ صحیح نہیں ہوگا ہر صبح کو اپنے شیخ کو بتانا چاہیے کہ وہ روزہ سے ہے اور ہر شام کو افطار سے پہلے اس کے ہاتھ سے مقدس شراب پینی چاہئے، ورنہ روزہ صحیح نہیں ہوگا اور وہ کافر ہو جائے گا۔ (۵) اگر کوئی یزیدی ایک سال یا اس سے زائد باہر رہے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے اور وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا، (۶) جو نیا کپڑا خریدا جائے ضروری ہے کہ اسے آبِ زمزم میں بھگویا جائے، جو شیخ عادی کی قبر کے پاس ہے (۷) کپڑا

Marfat.com

خوبصورتی کے لیے نہیں پہننا چاہتے، اور مسلمانوں اور یہودیوں کی کنگھی سے بال درست نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ ہی اُن کے اُسترے سے بال منڈوانا چاہئیں، اور اگر ایسا ہوگیا تو شیخ عادی کے پانی سے غسل کرنا ضروری ہے ورنہ کافر ہو جائے گا۔

عقائد اور مذہبی کتابیں

یہ لوگ تناسخ اور حلول کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان کی دو مذہبی کتابیں ہیں ایک کا نام جلوہ ہے جس میں وعدہ وعید اور ترغیب و ترہیب کی باتیں ہیں، دوسری کا نام مصحف رش ہے یعنی کتاب اسود، اس میں دنیا کی تخلیق کے قصے اور یزیدی عقائد اور حلال و حرام کا بیان ہے، ان کے یہاں مذہبی تہوار بھی ہیں جن میں ناچ گانا اور شراب حلال ہے، ایک تہوار عید خضر الیاس ہے جو ماہ فروری کے پہلے پنجشنبہ کو ہوتی ہے، اس کے لیے ایک یا تین روزے رکھے جاتے ہیں، یہ مسلمانوں کے تہوار عید الاضحیٰ کے مشابہ ہے، اس میں ہر یزیدی کے لیے قربانی کرنا واجب ہے، شب قدر کو ان کے یہاں بڑا جشن ہوتا ہے، رات بھر جاگتے ہیں اور عمدہ عمدہ کھاتے ایک دوسرے کے یہاں تحفہ اور ہدیہ کے طور پر بھیجتے ہیں اور اس کے بعد والی رات میں سوتے ہیں، شب قدر میں جاگنا ملک الموت کے احترام میں ہوتا ہے اور دوسری رات میں سونا ملک شمس کے احترام میں ہوتا ہے، ان کے یہاں علم حاصل کرنا حرام ہے، مگر شیخ اسماعیل چول نے اسے ختم کر کے سرکاری اسکولوں میں جانا مباح کر دیا ہے۔

Marfat.com

(۲۳)

فرقہ صابئہ کی ایک شاخ

نمرودوں کی سرزمین بابل ونینوی اپنی کلدانی تہذیب وفکر کے اعتبار سے بڑی سخت جان ثابت ہوئی، اور ان کے دورِ عروج کے کچھ آثار وعلائم کسی نہ کسی رنگ میں آج بھی اس سرزمین پر پائے جاتے ہیں، اور عراق وشام کے دور افتادہ علاقوں میں ایسی قومیں موجود ہیں جن کو ہم بابلی مکتبِ فکر کی بگڑی ہوئی شکل کہہ سکتے ہیں، فکر ونظر کے عجائبات کی اس سرزمین پر آج بھی یہ حقیقت کم دلچسپ نہیں ہے کہ ان اطراف میں مور کی شکل میں شیطان کی عبادت کرنے والا ایک پہاڑی فرقہ پایا جاتا ہے یہاں دروزی بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں اور ماندی فرقہ بھی اس علاقہ میں موجود ہے، ماندیوں کے متعلق ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں، اس لیے ان کے بارے میں جو کچھ معلومات مل سکی ہیں، پیش کی جاتی ہیں۔

ماندی فرقہ کی تاریخ

ماندی فرقہ دجلہ وفرات کے دوآبے میں آباد ہے، یہ فرقہ نہ مسلمان ہے۔ نہ عیسائی اور نہ یہودی، بلکہ ستاروں کی پوجا کرتا ہے، اور ساتھ ہی مسیحیت ویہودیت اور اسلام کی بعض تعلیمات پر بھی عمل کرتا ہے، کواکب پرست ہونے باوجود اس کا تعلق ان صابئہ سے نہیں ہے جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، زیادہ سے زیادہ اسے صابئہ کی ایک شاخ کہا جاسکتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی فرقہ ہے جس کا ذکر سفر ایوبؑ میں سبیئین کے نام سے آیا ہے، بعض مسیحی مورخین اسے عیسائی ثابت کرنے کی کوشش کرتے

Marfat.com

ہیں جو خلافِ واقعہ ہے، البتہ یہ لوگ اپنے کو یوحنا کا شاگرد بتاتے ہیں، اور اسی سے اپنے کو مشہور کرتے ہیں، چنانچہ لفظ ماندی ان کی زبان میں تلمیذ اور شاگرد کے معنی میں ہے انکی زبان کا نام بھی ماندی ہے جو قدیم سامی زبانوں سے تعلق رکھتی ہے اور سریانی سے قریب ہے۔

ویسے تو یہ فرقہ بہت قدیم ہے، اور تاریخ کے قدیم دور سے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں آباد ہے، مگر اس کے پاس کوئی خاص تاریخ و روایت اور علمی و فکری سرمایہ نہیں ہے، اب تک صرف اس کی ایک مذہبی کتاب اور بعض دوسری چھوٹی کتابوں کا پتہ چل سکا ہے۔

سترہویں صدی عیسوی میں ماندی فرقہ کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی، مگر اس وقت صرف تین ہزار رہ گئی ہے، ان کا قدیمی مرکز دجلہ و فرات کا دوآبہ ہے، لیکن ان میں سے بہت سے عراق کے جنوب میں واقع سوق الشیوخ نامی بستی میں آباد ہیں، اور کچھ بغداد میں ہیں، یہ لوگ ایسی جگہ آباد ہوتے ہیں جہاں پانی قریب ہوتا ہے، کیونکہ ان کی مذہبی تعلیم ہے کہ وہ پانی کے کنارے رہیں، ترکوں نے اپنے دور میں ان کو فوجی تعلیم دینی چاہی لیکن ان لوگوں نے اس سے اس لیے دامن بچایا کہ پانی سے دور رہنا پڑے گا جو ان کی دینی تعلیم کے خلاف ہے، روز بروز ان کے کم ہونے کی وجوہ مختلف ہیں، سب سے پہلی اور بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ قدیم وحشی قبائلی زندگی بسر کرتے ہیں، اور ان میں ہمیشہ خانہ جنگی برپا رہتی ہے، جس سے یہ لوگ خود بخود ختم ہوتے گئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی عورتیں کثرت سے مسلمانوں سے شادی کر لیتی ہیں۔

اگرچہ ان کی قدیم مذہبی زبان ماندی ہے مگر یہ لوگ عربی زبان بھی بلا تکلف بولتے اور سمجھتے ہیں، یہ لوگ عام طور سے تین پیشے اختیار کرتے ہیں۔

(۱) کشتی سازی۔

(۲) دودھ کا کاروبار، اور

(۳) چاندی کے زیورات بنانا۔

Marfat.com

یہ چاندی کے زیورات اور ظروف پر بہترین نقش و نگار بناتے ہیں، اور اس میں ان کو خاص شہرت حاصل ہے، ۱۸۵۶ء میں ایک جرمن مستشرق بیٹرمان نے دوسال تک سوق الشیوخ کے مانڈیوں میں رہ کر ان کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کی تھیں۔

مذہبی کتاب سدرا ریا ان کے یہاں بابل کی قدیم بت پرستی اور کواکب پرستی بھی ہے، یہودیت کی تطہیر اور قربانی بھی ہے، مسیحیت کے عقیدہ کے مطابق ہفتہ کے پہلے ان کا احترام اور یوحنا کی تعظیم بھی پائی جاتی ہے، اور اسلام کا قانون ازدواج بھی موجود ہے، ان کی مذہبی کتاب کا نام "سدرا ریا" ہے جس میں مذہبی تعلیم کے الگ الگ فقرے ہیں، اور ان میں کھلا ہوا تناقض ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کتاب کو مختلف مؤلفوں نے تالیف کیا ہے، غیر مانڈی شخص کے لیے اس کتاب کا دیکھنا بہت ہی مشکل ہے، چند سال پہلے بعض سیاحوں نے اس کا ایک نسخہ چوری سے حاصل کیا تھا، مگر مانڈی فرقہ نے برطانوی قنصل خانہ سے اتنا سخت احتجاج کیا کہ یہ نسخہ واپس کرنا پڑا، ایک سیاح و مورخ جارج خوری سمعان کا خیال ہے کہ برطانوی عجائب خانہ میں اس کتاب کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ۱۹۰۷ء میں اس فرقہ کے کاہن اعظم سے اس کا تعارف و تعلق ہو گیا۔ اس لیے اس نے ایک نسخہ بارہ لیرا ترکی میں خریدا، دوسرے دن جب ان کے عوام کو اس کی خبر لگی تو انہوں نے بڑا سخت مظاہرہ کیا، مگر یہ نسخہ واپس نہ ہو سکا، اور امریکہ میں اس کا ترجمہ بھی کیا گیا۔

اس کتاب کی کتابت آدھی سیدھی اور آدھی الٹی ہوتی ہے، تاکہ اس کو بیک وقت دو طرف سے دو کاہن پڑھ سکیں، ان کے یہاں ایک اور مذہبی کتاب الارواح ہے، جس کے ۲/۳ دو تہائی حصہ میں زندہ لوگوں کے لیے اور تہائی میں روحوں کے لیے دعا ہے، اس میں حضرت آدمؑ کی وفات کا بیان بھی ہے، یہ لوگ حضرت آدمؑ کو سب سے بڑا نبی مانتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے پاس کچھ اور بھی کتابیں ہیں، جن میں کاہنوں کی دعائیں، یوحنا کے حالات، نجوم، جادو، شعبدہ اور اسی قسم کے علوم کے تعویذ اور منتر ہیں۔

Marfat.com

اس فرقہ کا عقیدہ	ان کا عقیدہ ہے کہ زمین سب سے پہلے پہل سے بنائی گئی، اور اللہ نے زندگی کو پیدا کیا، زندگی نے اپنے دور سے ایک دوسری زندگی

پیدا کی، یہ یسوع مسیح ہے، مگر ان کے عقیدہ میں چونکہ یسوع مسیح نے پہلی زندگی کی قوت کو غصب کرنا چاہا، اس لیے ان کو مریخ ستارے میں رکھ دیا گیا، اور تمام سیارے صاف وشفاف پانی سے پیدا ہوئے ہیں، اور نہایت مصمت اور ٹھوس ہیں، حتیٰ کہ الماس بھی ان کو کاٹ نہیں سکتا، ان ہی سیاروں سے نظام شمسی جاری ہے اور زمین اسی نظام سے تعلق رکھتی ہے زمین کے تین طرف پانی ہے اور چوتھی طرف فیروزی رنگ کا پہاڑ ہے، جس کے عکس سے آسمان کا رنگ نیلا ہے، اور ظلمت کی ملکہ نے آتش سے شادی کی جس سے چوبیس بچے پیدا ہوئے، سبعہ سیارے، سورج اور آسمانوں کے بارہ برج، یہ سب اس کے بچے ہیں اور پانچ بچوں کا حال معلوم نہیں، ان کے خیال میں سیارے انسان کی طرف شر پھیلاتے ہیں، اور قطبی ستارہ آسمانی قبہ پر رکھا ہوا ہے اس لیے وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ صابئہ کی شاخ اور اس کے کاہن مسیحیوں کے عشاء ربانی کی طرح عشار (کھانا) کا بہت اہتمام کرتے ہیں ان کے معبدوں میں دو تین کاہن سے زیادہ نہیں رہتے، عبادت خانوں کے نیچے پانی کی نہریں جاری رہتی تھیں، اور کاہن اوپر سے دعائیں پڑھتے ہیں، عبادت خانے میں عورتیں نہیں ہوتیں، البتہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کاہن ہوتی ہیں، بشرطیکہ وہ کسی کاہن سے شادی کرلیں، ان کے یہاں مذہبی پیشوائی اور کہانت کے کئی مراتب ہیں، پہلا مرتبہ شماس ہے دوسرا کاہن، تیسرا اسقف، اور چوتھا کاہن اعظم ہر کاہن کا جسمانی عیب سے پاک ہونا ضروری ہے، عیب دار آدمی کاہن نہیں ہوسکتا، اسی لیے ان کے مذہبی پیشوا بہت ہی وجیہ وشکیل ہوتے ہیں، یہ لوگ نہ سیاہ لباس استعمال کرتے ہیں اور نہ اپنے بال کترواتے یا منڈواتے ہیں۔

Marfat.com

(۲۴)

خانوادۂ نائبین قضاۃ مبارکپور

شیراز ہند پورب کے قصبات میں مبارک پور (ضلع اعظم گڈھ) ایک مشہور اور قدیم اسلامی قصبہ ہے جسے عہد ہمایوں (۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ) میں راجہ سید مبارک مانک پوری نے دوبارہ بسایا اور اسی وقت ایک مانک پوری خاندان بھی یہاں آباد ہوا جس میں قصبہ اور ملحقات و متعلقات کے لیے نیابت قضاء کا عہدہ آخری دور تک باقی رہا، اسی خانوادۂ نیابتِ قضاء سے راقم کا نسبی و خاندانی تعلق ہے۔ آخری ایام میں اس خاندان کو زوال و انحطاط کا سامنا کرنا پڑا، اور خاندانی روایات تقریباً ختم ہوگئیں، پھر بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے آثار و اثرات پائے جاتے تھے، بلکہ اب بھی کچھ خاندانی اقدار و روایات، کچھ سرکاری اسناد و توقیعات اور کچھ نیابتِ قضا کے امور و معمولات باقی رہ گئے ہیں اس لیے خیال ہوا کہ قصبہ ہذا کے اس قدیم ترین علمی و دینی خانوادہ کی بچی کھچی یادگار اور تاریخ کو مختصر طور سے محفوظ کر دیا جائے۔ تلاشِ بسیار کے بعد آخری دور کے چند بزرگوں کے نام اور ان سے متعلق اسناد و فرامین مل سکے ہیں ان ہی کو مرتب کر کے پیش کیا جا رہا ہے کہ کچھ نہ ہونے کے مقابلے میں یہی بہت کچھ ہے، افسوس کہ مغل دور اور نوابی اودھ کے دور کے بہت سے شاہی فرامین و اسناد انگریزی عملداری کے بعد عدالتوں میں طلب کیے گئے اور پھر واپس نہ مل سکے، جس سے اس قصبہ کے اسلامی محاسن و مفاخر کے بہت سے تابناک پہلو نظروں سے اوجھل ہو گئے اور آخری زمانہ کے چند کاغذات جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی نیست و نابود ہو رہے ہیں اس لیے شدید احساس ہوا کہ ان کو مرتب کر دینا چاہیے تاکہ اسلامی قدروں کے

Marfat.com

یہ چند دھندلے نقوش باقی رہ سکیں۔

اس خانوادہ کی تاریخ ساتویں صدی کے شروع میں سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ کے دور میں ترکستان کے شہر گردیز سے جو افغانستان میں غزنین کے مشرق میں واقع ہے، دو بھائیوں پر مشتمل ایک دینی و روحانی کارواں دہلی پہونچا ایک بھائی کا نام سید شمس الدین اور دوسرے کا نام سید شہاب الدین تھا، ان کا سلسلۂ نسب امام جعفر زکی النفسؒ تک پہنچتا ہے، کچھ دنوں کے بعد دونوں بھائیوں نے پھر دہلی سے رخت سفر باندھا سید شمس الدین نے اپنی آخری منزل علاقۂ میوات کو قرار دیا اور سید شہاب الدین نے مشرق کی طرف بڑھ کر کڑا مانک پور میں اقامت اختیار کی، جو اُن دِنوں دہلی کی مسلم سلطنت کا مشرقی دار الحکومت تھا[1]

اسی خانوادہ میں ایک مشہور بزرگ حضرت راجہ سید حامد شاہ مانک پوری رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں، جو قطبِ عالم حضرت شیخ حسام الدین مانک پوری متوفی ۸۵۳ھ رحمۃ اللہ علیہ کے اجلِ خلفاء میں سے ہیں، راجہ حامد شاہ نے شیرازِ ہند پورب کو اپنا روحانی مرکز بنا کر سلاطین شرقیہ کے دور میں دہلی ثانی جون پور میں دین و دیانت اور خیر و برکت کی بزم سجائی، ان ہی کی اولاد میں ایک بزرگ حضرت راجہ سید مبارک شاہ بن راجہ سید احمد شاہ بن راجہ سید نور شاہ بن راجہ سید حامد شاہ مانک پوریؒ گذرے ہیں[2] جنھوں نے خاندانی روایات کے مطابق بلادِ پورب سے روحانی تعلق قائم رکھ کر یہاں پر دینی و روحانی فیوض و برکات جاری کیے اور دلوں کی تعمیر کے ساتھ ایک آبادی کی بھی تعمیر کی، یعنی دسویں صدی میں شہنشاہ ہمایوں کے دور میں (۹۳۷ھ تا ۹۶۳ھ) بلادِ پورب کے ایک قدیم اسلامی و دینی اور صنعتی قصبہ قاسم آباد کے کھنڈروں پر اپنے نام سے قصبہ مبارک پور کی طرحِ نو ڈالی۔[3]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۹۴ ۔ [2] نزہۃ الخواطر ج ۱ ص ۱۷۰ و آئینہ اودھ ص ۲۶۱۔
[3] اعظم گڈھ گزیٹیر ۱۹۱۱ء، ص ۲۶۱، و واقعات و حوادث مبارکپور قلمی ص ۹۱ و ص ۹۴

Marfat.com

راجہ مبارک شاہ اپنے ہمراہ کڑا مانک پور سے ایک دینی وروحانی اور علمی خانوادہ یہاں لائے، بعد میں اس کو اپنا جانشین مقرر کر کے خود مانک پور تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا، ایک خاندانی روایت کی رو سے یہ خاندان بھی سید شہاب الدین کے ہمراہ دہلی سے آکر کڑا مانک پور میں آباد ہوا اور بعد میں راجہ مبارک شاہ کے ہمراہ مبارک پور آکر رہ بس گیا، یہ قصبہ ہذا کا پہلا گھرانا ہے جو آباد ہوا اور راجہ صاحب کے مانک پور چلے جانے کے بعد ان کا قائم مقام اور ان کی مسجد کا متولی بنا، اس کے بعد اطراف وجوانب سے مسلمان آکر آباد ہوئے اور ان کی دینی وعلمی سربراہی اسی خاندان میں رہی۔

یہ خانوادہ قصبہ ہذا اور اطراف وجوانب کی مسلم بستیوں میں شرعی امور ومعاملات کا معتمد ومتولی ہو کر نیابت قضاء کا عہدہ نہایت دیانتداری اور ذمہ داری کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ سنبھالتا رہا، حالانکہ بعد میں قصبہ کے اندر اور اطراف وجوانب میں ریاست وامارت اور علم وفضل کے کئی اور خانوادے آکر آباد ہو گئے تھے، خاص قصبہ میں شیخ محمود بائیسی قریشی اور فاروقی شیوخ لہرا میں حضرت شاہ ابوالغوث گرم دیوانؒ اور حضرت شاہ ابواسحٰق صاحب مصطفےٰ آباد میں صدیقی شیوخ، اور املو میں پیرزادہ شیخ محمد ماہ کے خاندان موجود تھے، اس کے باوجود نیابتِ قضاء کا عہدہ مغل دور سے لے کر انگریزی دَور تک اسی خانوادہ میں ہونا اس کے اسلاف میں ہر طرح کے استحقاق کو بتا رہا ہے اور اگر اسلام میں دینی واسلامی عہدوں پر فخر کرنا جائز ہوتا تو اس کا جواز قصبہ میں صرف اسی خاندان کے لیے مخصوص ہوتا۔

حضرت شیخ علی شہیدؒ حضرت شیخ علی مبارکپوریؒ سے پہلے اس خاندان کے کسی بزرگ کا نام نہیں ملتا ہے۔ آپ کے حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان میں علمی وروحانی دولت کے ساتھ ساتھ دنیاوی دولت وثروت اور مالداری بھی قدیم زمانہ سے تھی، شیخ علی کی پیدائش ۱۱۳۰ھ اور ۱۱۴۰ھ کے درمیان ہوئی ہوگی آپ خاندانی خوش حالی، مالداری اور نیابت قضاء کے ساتھ پہلوانی اور شہ زوری میں بھی مشہور

زمانہ تھے، اور اطراف وجوانب میں اس فن کے استاذ مانے جاتے تھے، ذکر و شغل اور زہد و تقویٰ میں بہت آگے تھے، اور اوروظائف اور معمولات پر آخری وقت تک کاربند رہے، اسّی سال سے زائد کی عمر میں اکھاڑہ اور پہلوانی کی رقابت میں شہید کردیئے گئے۔ آپ کی شہادت کا واقعہ مقامی اصطلاح میں "علی شاہی" کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ علی حسن بن شیخ غلام مرتضیٰ فاروقی مبارک پوری نے "واقعات وحوادث مبارک پور" میں یہاں کا چھٹا حادثہ شیخ علی کی شہادت کو بتایا ہے اور تفصیل سے اس کا تذکرہ کیا ہے، شیخ علی نے عبادت وریاضت، نیابتِ قضا اور شہ زوری اور پہلوانی میں نہایت شاندار اور کامیاب زندگی بسر کی، نوابانِ اودھ کے بعد انگریزی عمل داری دیکھی حضرت مولانا شاہ ابوالغوث گرم دیوان لہراوی (ولادت ۱۱۰۰ھ وفات ۱۱۸۷ھ) کے زمانہ میں تھے غالب گمان ہے کہ دونوں حضرات میں علمی و دینی تعلقات استوار تھے۔

ہم شیخ علی حسن بن شیخ غلام مرتضیٰ کے بیان کا خلاصہ درج کرتے ہیں جو آپ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ مسمی میانجی علی قصبہ مبارک پور کے رئیس قدیم، نائب قاضی اور اکھاڑہ قدم رسول محلہ پورہ رانی کے خلیفہ تھے، اسی برس کی عمر کے باوجود قویٰ ازبس قوی تھے، جوان لوگ کشتی میں عہدہ برآنہ ہوتے، ایسے کشتی باز کہ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کے شاگرد ایسے ایسے نامی ہوئے ہیں کہ اکثر ہندوستانی ریاستوں میں ان کا نام مشہور ہے قصبہ ہذا میں پانچ اکھاڑے نامی تھے، مگر ان پانچوں میں قدم رسول کا اکھاڑہ ہمیشہ سے سب پر بالا رہا اور میانجی علی کے باعث ان کے شاگردوں نے اس اکھاڑے کو اور بھی نامی وگرامی بنا دیا۔ ان کے صدہا شاگرد تھے، جن میں سے غوثی خلیفہ، اور حاجی خوش حال خلیفہ، اور دوست محمد خلیفہ، اور ماحد خلیفہ اور ولی خلیفہ اور عالم خلیفہ، ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ، ان لوگوں نے فن کشتی میں ایسا نام پیدا کیا کہ ان کی پشت کو حالتِ کشتی میں کسی نے نہ لگایا اور نہ ان کے مقابلہ میں کوئی جوان کھڑا ہوا۔

Marfat.com

شہادت کی کیفیت

شیخ علی کے حادثہ کی کیفیت یہ ہوئی کہ وہ ایک روز اپنے مکان میں نمازِ عصر کے بعد بیٹھے ہوئے وظیفہ پڑھ رہے تھے، ان کے اسی مکان میں ایک کرایہ دار رہتا تھا اور اس کا داماد اپنی منکوحہ کو رخصت کرانے کے لیے آیا تھا، کرایہ دار کا منشا یہ تھا کہ فی الحال رخصتی کا سامان نہیں ہے پندرہ دن کے بعد رخصتی ہو جائے گی، اس کا داماد رخصتی نہ ہونے پر اپنے گھر واقع محلہ پورہ خواجہ میں گیا اور ایک شخص کو جو بنارس کا رہنے والا تھا اور لوگوں میں ناحق فساد کراتا تھا لیوا کر اپنی سسرال آیا، نیز اس کے ساتھ چار پانچ مفسد اور بھی تیار ہو کر آئے اور حجت و تکرار کے بعد مارپیٹ شروع ہو گئی۔ جب کرایہ دار نے شور کیا تو میانجی علی مرحوم وظیفہ سے اٹھ کر ان کمبختوں کو منع کرنے لگے، ان کو اسی بنا پر اس مفسد نے ایک طمانچہ مارا یہ بے چارے تو ضعیف تھے ہی آنکھ سے کم معلوم ہوتا تھا اس لیے وہاں سے ہٹ آئے اور جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ پورہ خواجہ کے بدمعاشوں نے میانجی علی کو مارا ہے تو وہ شور و غوغا ہوا کہ الامان، ان کے شاگردوں نے یہ صلاح ٹھہرائی کہ ابھی چل کر پورہ خواجہ کو لوٹ لو۔ میانجی نے ہر چند حیلہ حوالہ کیا کہ مجھ کو کسی نے نہیں مارا ہے، جانے دو عملداری انگریزی ہے سب کے سب لوگ تباہ و برباد ہو جائیں گے یہ وقت نمازِ مغرب کا تھا۔ آخر صلاح ٹھہری کہ کل علی الصباح پورہ خواجہ میں جا کر مفسدوں سے مقابلہ ہوگا بلکہ پورہ خواجہ کے لوگوں کو اس کی اطلاع بھی کر دی۔ صبح کے وقت شیخ علی کے جس قدر شاگرد لوپہ رانی اور پورہ خضر کے تھے غریب شاہ کے باڑہ واقع پورہ خضر میں جمع ہوئے، حاصل کلام ٹھاکردوارہ کے پورب ایک باغ تھا جس میں ایک قبرستان ہے وہیں دونوں جماعتوں میں مقابلہ ہوا، پورہ خواجہ کے ایک شخص غلام نامی نے بندوق چلائی، نیز معرکہ میں دو آواز بھی پورہ خواجہ کے بندوقچیوں نے سر کی، جب میانجی علی کی طرف کے لوگوں نے یہ دیکھا تو دو تین جوانوں کو آہنی ہتھیار اور تلوار لانے کے لیے بھیجا، اس معرکہ میں خوش حال حاجی، واحد خلیفہ، لالو اور کوئی حجام نے ایسی دادِ شجاعت دی اور ایسی جواں مردی سے لڑے کہ تلوار بندوق ہونے کے باوجود پورہ خواجہ کے سب لوگ بھاگ گئے، مگر ایک شخص غلام محمد جو بنارس کا رہنے والا تھا

Marfat.com

اور چند روز سے اس محلہ میں رہتا تھا، میدان جنگ میں ثابت قدم رہا، اور آخر میں ایک تلوار لگنے سے وہیں مر گیا۔

اِدھر لوگ لڑنے میں مصروف تھے اور اس طرف یہ کیفیت ہوئی کہ میانجی علی کو شاگردوں نے مکان میں بٹھا کر تاکید کر دی کہ آپ مکان سے ہرگز باہر نہ نکلیں مگر وہ آہستہ آہستہ پیچھے سے چلے آئے اور جب ٹھاکر دوارہ کے پاس والی سڑک کے قریب پہونچے تو ایک شخص واحد ولد روشن نے تنہا پاکر ایک گنڈاسہ سے ان کا کام تمام کر دیا اور دوسرے شخص نے تلوار ماری، اس حادثہ کے بعد جانبین میں جنگ اور تیز ہوگئی، بعد میں شیخ علی اور غلام محمد کی لاشیں اعظم گڈھ بغرض معائنہ گئیں اس کے بعد گورکھپور کے انگریز جج کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، کیونکہ اس وقت اعظم گڈھ میں صرف کلکٹری تھی ججی نہیں تھی، اس مقدمہ میں شیخ علی کے چھ شاگرد اور پورہ خواجہ کے دو شخص سزا یافتہ ہو کر سات سات سال کے لیے قید ہوئے حاجی خوشحال خلیفہ اور دوست محمد خلیفہ ہزاری باغ کے جیل خانہ میں فوت ہوئے اور باقی لوگ سزا کی میعاد پوری کر کے گھر لوٹ آئے۔[1] ایک خیال ہے کہ مبارک پور کا مشرقی محلہ علی نگر آپ ہی کے نام سے آباد کیا گیا ہے۔

اس زمانہ میں مبارک پور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ضلع گورکھپور میں تھا، گورنر جنرل ولزلی اور نواب سعادت علی خاں۔ نواب اودھ کے درمیان ۱۰ ر نومبر ۱۸۰۱ء (۱۲۱۶ھ) میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے اعظم گڈھ کے تمام علاقے نوابی اودھ سے نکل کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت آگئے اور ۲۸ ر دسمبر ۱۸۳۲ء (۱۲۴۸ھ) کو برطانوی حکومت نے اعظم گڈھ کو مستقل ضلع قرار دیا۔

حضرت قاضی شیخ علی کی شہادت ۱۲۱۶ھ کے بعد ہوئی اس زمانہ میں اس خانوادہ کا آبائی مکان راجہ صاحب کی مسجد کے پاس تھا اور وہیں شیخ علی رہتے تھے، آپ کی تدفین بھی آبائی قبرستان میں ہوئی جو قصبہ کے دکھن جانب شیوالہ اور پوکھرا کے پورب لبِ سڑک تھا اور

[1] واقعات و حوادث مبارک پور ص۳۴ تا ص۳۸ ملخص۔

اب اس پر مکانات بن رہے ہیں۔

شیخ امام بخش بن شیخ علیؒ آپ حضرت شیخ علی کے صاحبزادے اور ان کے سچے جانشین تھے، زہد و تقویٰ اوراد و وظائف، اور اشراق و تہجد کے پابند اور نیکی و شرافت میں مشہور زمانہ تھے، آپ کے بارے میں متعدد اسناد و فرامین اور کاغذات موجود ہیں جن سے دین و دیانت اور صلاحیت و تقویٰ کی شہادت ملتی ہے۔ حضرت مولانا شاہ ابو اسحاق صاحب لہراوی متوفی ۱۲۳۴ھ کے زمانہ میں نیابتِ قضا کے عہدے پر فائز تھے جامع مسجد راجہ صاحب کے مستقل امام تھے، ۱۲۳۳ھ میں سکٹی اور مبارک پور کے لیے جمعہ و عیدین کے مستقل امام بنائے گئے، اس کے بعد ۱۲۵۰ھ سے ۱۲۶۱ھ تک قصبہ کے ایک حلقہ کے قاضی رہے جبکہ اسی زمانہ میں آپ کے دو صاجزادے قاضی شیخ محمد رضا اور قاضی شیخ حسام الدین دوسرے حلقوں کے قاضی تھے، نیز اسی درمیان میں اپنے پوتے قاضی شیخ حسام الدین دوسرے حلقوں کے قاضی تھے، نیز اسی درمیان میں اپنے پوتے قاضی شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضا کے نام کو بھی بحیثیت قاضی کے سند قضائیں درج کرایا۔ آپ کے زمانہ میں دار القضار محمد آباد میں تین قاضی گذرے ہیں۔ مولانا قاضی محمد رؤف صاحب، مولانا قاضی محمد سلیم صاحب اور مولانا قاضی محمد شاہ عالم صاحب ان سب حضرات نے شیخ امام بخش کو "دیانت آثار" قرار دیا، اور ان کے کارناموں کو پسند فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔

چند سندیں شیخ امام بخش صاحب کے متعلق سب سے پرانی سند وہ تحریر ہے جو ۱۸۱۷ء (۱۲۳۳ھ) میں سکٹی میں عیدین کی امامت کے سلسلے میں پائی گئی ہے۔ یہ دار القضار کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کوئی بزرگ سید ناصر علیؒ کی جانب سے ہے، غالبًا یہ صاحب ان اطراف کے شرعی محتسب تھے۔ اس تحریر کی نقل حسب ذیل ہے:

(مہر) سید ناصر علی ۱۲

"نور بافان، زمینداران وغیرہ ساکنانِ موضع سکٹی بدانند، چوں مسمی امام بخش

را بعہدہ خطبہ خوانی در عیدین ثابت و مقرر و مفوض نمودہ شد، لازم کہ نام زدہ را مصوب و مستقیم دانستہ ہمراہ ایشان بمسجد شریف حاضر شدہ نماز خطبہ گذارند، و ادا سازند کہ ایشان دینداری ظاہر شود و مشار الیہ را نیز باید کہ مردمان را از حسنِ سلوک خود راضی شاکر دارد، و بکار مرجوعۂ خود حاضر و مستعد باشد، در صورت اختلاف امور دینداری دیگرے مقرر نمودہ خواہد شد، دریں تاکید مزید بلیغ دانستہ حسب المسطور بعمل آرند"

تحریر بتاریخ بست ہفتم ماہ رمضان المبارک ۱۲۲۴ فصلی۔

اس تحریر کی پشت پر یہ عبارت ہے "دوازدہ ماہ اگست ۱۸۱۷ء، کاغذ ہذا بدست شاہ محمد، ساکن مبارک پور"

شیخ امام بخش صاحب کے ابتدائی زمانہ میں دار القضار محمد آباد کے قاضی مولانا محمد روف صاحب تھے، ان کے بعد ۱۲۴۹ھ میں مولانا محمد سلیم مچھلی شہری قاضی ہوئے جن کا انتقال ۱۲۶۶ھ میں ہوا۔ ان کے بعد قاضی محمد شاہ عالم صاحب دار القضار کے قاضی ہوئے، افسوس کہ مولانا قاضی محمد رؤف صاحب کی طرف سے نیابت قضار کی سندیں جو شیخ امام بخش کو ملی تھیں ان میں سے خاندان میں کوئی محفوظ نہ رہی، البتہ قاضی محمد سلیم صاحب اور قاضی محمد شاہ عالم صاحب کی سندیں موجود ہیں۔

شیخ صاحب کو قاضی محمد سلیم صاحب نے دو سندیں ۱۲۵۰ھ اور ۱۲۵۱ھ میں عطا کیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

" دیانت آثار شیخ امام بخش، ساکن مبارک پور، متعلقہ دار القضاء پرگنہ محمد آباد گہنہ بعافیت باشند۔

چونکہ ایشان از عہد جناب قاضی مرحوم بکفالت عہدۂ نیابت اقضاء مامور شدہ الی الیوم انجام آں باحسن وجوہ دادہ آمدہ اند کہ موجب خوشنودی این نیاز مند حضرت ایزد نیز متصور گردیدہ، وحالات دینداری و امانت گذاری ایشان بکرر سماعت و معائنہ رسیدہ، لہذا ایشان را بدستور سابق بر عہدۂ مذکورہ بحال داشتہ سند ہذا عنایت فرمودہ شد، باید کہ ہیچک دقیقہ از دقائق دیانت و امانت، وترویج رسوم دینداری، والتزام روش سید المرسلین صلعم، واقامت جمعہ وجماعات، وتحریض مردم بطاعات واقتدائے شرعیہ، وسلوک طریق سنت سنیہ، ونکاح مسلمین، واصلاح ذات البین وقت مخاصمت مومنین مہمل وغیر مرعی نگذارند، دریں باب تاکید دانند، المرقوم نوزدہم شہر ربیع الآخر ۱۲۵۰ھ ہجریہ "

موضع

پورہ خضر متعلقہ مبارک پور، پورہ شاہ محمد پور متعلقہ مبارک پور۔ پورہ صوفی متعلقہ ایضاً، پورہ دولہن متعلقہ ایضاً، حسین آباد، سکٹی، سرائے مبارک، مصطفیٰ آباد، سون پار، سونا بر، کجھرا، چاندی، تحریر بتاریخ ....

اس کے ایک سال بعد ۱۲۵۱ھ میں قاضی محمد سلیم صاحب نے دوسری سند عطا کی جس میں شیخ امام بخش کے پوتے شیخ رجب کا نام بھی درج ہے، یہ سند حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(دستخط)

(مہر)
۱۲۳۸ محمد سلیم احمدی

" دیانت آثار میانجی امام بخش و رجب نکاح خوانان مبارک پور

اعلام آنکہ حال اکثر عوام ...... مفروضہ نکاح سُل میکنند و تاکید و ترغیب آنہا بر ذمہ

عہدہ داران شریعت واجب، لہذا اعلام دادہ می شود باید کہ بطریق احسن مومنان
ساکنان علاقہ نکاح خوانی خود را تاکید اقامت صلوٰۃ نمایند، درصورتیکہ از طرف احدے
تعذر و عدم فہمید سخن حق واضح شود، خواہ در اعلار کلمۃ اللہ و اجرائے شعار دین افساد و
برہم کارے بظہور رسد، اطلاع ایں معنی بقید نام شخص مذکور در دار القضا، نما کنند،
ازیں بعون اللہ و حولہ و قدرتہ و مشیتہ تعالیٰ و تقدس البتہ تدبیرے مناسب حال
آنکس بعمل خواہد آمد، دریں باب تاکید شدند، و قدغن بلیغ دانستہ کمال جانفشانی
بظہور رسانند، و غفلت یک لحظہ روا نداراند، و الآ باز پرس حاکم ملک الحکم الحاکمین
جلت عظمتہ تصور رسانند، فقط، دوازدہم شہر مبارک ۱۲۵۱ ؁ھجریۃ قدسیہ
علی صاحبہا السلام و الصلوٰۃ و التحیۃ "

اس سند کی پشت پر یہ تحریر درج ہے۔ شیخ سعادت علی عفی عنہ، المرقوم پانزدہم۔
شہر صیام ۱۲۵۱ ؁ھ ہجریۃ، صلعم۔

اس کے دس سال بعد قاضی محمد شاہ عالم صاحب نے ۱۲۶۱ ؁ھ میں اپنی طرف سے سند
عنایت کی اور ان کی مہر میں بھی ۱۲۵۱ ؁ھ درج ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت مولانا محمد سلیم
صاحب کی جگہ پر قاضی محمد شاہ عالم صاحب آگئے تھے۔ نیز ان کی مہر میں ضلع اعظم گڈھ درج ہے
اور سند میں محال و مواضعات کے وہی نام درج ہیں جو ۱۲۵۰ ؁ھ کی سند میں تھے، البتہ چند محلوں کے
علاقوں کی نشاندہی کی گئی ہے، اور اس سلسلہ میں تین مشہور و معزز لوگوں کے نام آئے ہیں۔ نیز
اس سند سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امام بخش قاضی محمد رؤف صاحب کے زمانہ سے اس عہدہ پر فائز
تھے، ان کی سند حسب ذیل ہے۔

۱۲۵۱ ؁ھ ہجری
خادم شرع محمدی
قاضی محمد شاہ عالم
قاضی پرگنہ محمد آباد گہنہ
ضلع
اعظم گڈھ

(مہر)

(دستخط)

دیانت آثار شیخ امام بخش ساکن مبارک پور، متعلقہ دار القضار پرگنہ محمد آباد گہنہ

بعافیت باشند۔

"چوں ایشان از عہد جناب قاضی مولوی محمد رؤف صاحب مرحوم و مغفور،

و سر بعہدۂ جناب قاضی مولوی محمد سلیم صاحب بکفالت عہدۂ نیابت قضار ماموُر شدہ

الی الیوم۔ انجام آن باحسن وجوہ دادہ آمدہ اند، نظر برین ایشان را بدستور سابق

بر عہدہ مذکورہ بحال گذاشتہ سند، ہذا عنایت فرمودہ شد، باید کہ ہیچگ دقیقہ

از دقائقِ دیانت، وامانت، وترویجِ رسوم دینداری، والتزامِ روش سید المرسلین صلعم

واقامت جمعہ وجماعات وتحریص مردم بطاعات، واقتدامِ آداب شرعیہ، وسلوک

طریق سنت سنیہ ونکاح مسلمین، واصلاح ذات البین وفتِ مخاصمتِ مومنین

مہمل وغیر مرعی نگذارند، دریں باب تاکید بلیغ دانند"

تفصیل دہات نیابتِ مذکور

پورہ خضر متعلقہ مبارک پور طرف محمد مہتر، پورہ شاہ محمد متعلقہ ایضاً، پورہ صوفی

متعلقہ سکٹی طرف خان محمد، پورہ دودھن متعلقہ ایضاً طرف ضیار الدین، حسین آباد،

سکٹی، گجھڑا، سرائے مبارک، سون پار، پرانی بستی، طرف ..... سونابر، چانڑی۔

المرقوم بست و یکم ماہ ربیع الآخر ۱۲۶۱ھ ہجری۔

ان ہر چہار اسناد سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قاضی شیخ امام بخش "دیانت آثار" بزرگ

تھے، نیابت قضار کی جملہ ذمہ داریاں بوجہ احسن انجام دیتے تھے، اسی لیے دو دو قاضی

القضاۃ نے ان کے حالاتِ دین داری وامانت داری کو خود سن کر اور دیکھ کر ان کی صلاحیت

وقابلیت کی تحریری شہادت دی۔ اور اس عہدہ پر آئندہ ان ہی کو باقی و برقرار رکھا قصبہ اور

ملحقات کے ۱۲ مقامات میں قضار کی نیابت فرماتے تھے جس میں نکاح خوانی کے علاوہ

ترویج رسوم دین داری، التزام سنتِ رسول، اقامتِ جمعہ وجماعات، وعظ وتذکیر،

Marfat.com

مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ، زن وشوئی کے معاملات وقضایا کا حل، اور اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دیگر کام انکے سپرد تھے جن کی ادائیگی میں یوں سعی بلیغ فرماتے تھے کہ دار القضاء پوری طرح مطمئن رہتا تھا۔

ایک حادثہ جس زمانہ میں شیخ امام بخش راجہ صاحب کی جامع مسجد میں جمعہ اور پنجوقتہ نمازوں کے امام تھے قصبہ ہذا میں ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا جس کا تعلق جامع مسجد سے ہے۔ شیخ علی حسن فاروقی نے اپنی کتاب " واقعات وحوادث مبارک پور" میں "سولھواں واقعہ فخر الدین شاہی،، کے عنوان سے اس کی تفصیل درج کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فخر الدین نامی ایک مفسد آدمی موضع آستانہ بھیرا سے آکر اپنی سسرال مبارک پور میں رہتا تھا، اس نے اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر جامع مسجد کی سیڑھی پر سور کے بچّہ کا سر کاٹ کر رکھا۔ یہ حرکت اس نے فجر کی نماز کے وقت کرنا چاہی، مگر ہمت نہیں پڑی نمازی فارغ ہو کر اپنے اپنے مکان چلے گئے اور میاں جی امام بخش کہ وہ اس مسجد کے نماز یومیہ کے امام تھے، ان کا معمول تھا کہ نماز صبح کے بعد درود وظیفہ میں رہتے تھے، اور جب آفتاب طلوع ہوتا تھا تو نماز اشراق پڑھ کر مکان جاتے تھے چنانچہ وہ نماز صبح کے بعد مسجد میں اپنے معمولات میں مصروف تھے جب آفتاب طلوع ہوا اور انھوں نے نماز اشراق ادا کی تو کہیں کچھ نہیں تھا۔ جب وظیفہ سے فارغ ہو کر مکان کو چلے تو دیکھا کہ وہ مفسد فخر الدین مسجد کے دروازے پر ٹہل رہا ہے اور جب آپ اوٹ میں ہوئے تو وہ بچۂ خوک کو جلدی سے قدم بڑھا کر اور اس تختۂ سنگی کے نیچے رکھ کر چلدیا، جس پر نمازی وضو کرنے کے بعد پیر رکھ کر مسجد کے فرش پر جاتے تھے ، دو گھڑی دن نکلنے تک کسی کو کچھ خبر نہیں لگ سکی تو خود اس نے دو چار شخصوں کو جمع کر کے شور مچایا، قصبہ میں ہنگامہ ہوا اور اعظم گڈھ سے گبن صاحب کلکٹر آیا، اور مسلمانوں کے جوش وخروش کو دیکھ کر بھاگ گیا، آخر اس مفسد کا پتہ چلا، اور تین سال کی سزا ہوئی۔[1] یہ حادثہ حدود ۱۲۶۷ھ میں رونما ہوا اور اس کے بعد آپ نے

[1] واقعات وحوادث مبارک پور ص ۶۶ ، صنٔ قلمی ملخص۔

انتقال کیا اور آبائی قبرستان میں دفن کیے گئے۔

شیخ محمد رضا ابن شیخ امام بخش اور ان کی سندیں

شیخ امام بخش کے دو صاحبزادے تھے، شیخ محمد رضا اور شیخ حسام الدین اور دونوں بھائی اپنے والد کی حیات ہی میں قصبہ اور ملحقاتِ قصبہ میں نیابت قضار کی خدمت انجام دیتے تھے، ابتدا میں یہ عہدہ شیخ حسام الدین کو سونپا گیا تھا، مگر بعض شرعی معاملات میں وہ دارالقضار کے کے معیار پر پورے نہ اتر سکے تو ان کو ۱۲۴۷ھ میں معزول و موقوف کر کے ان کے بھائی شیخ محمد رضا صاحب کو یہ عہدہ دیدیا گیا اس زمانہ میں مولوی محمد رؤف صاحب قاضی تھے۔ موصوف نے شیخ محمد رضا صاحب کو نیابت قضا کی جو سند دی تھی یہ ہے۔

محمد رضا ساکن مبارک پور بعافیت باشند

"چوں سابق ازیں سند عہدۂ نکاح خوانی بنام حسام الدین شدہ بود، وحالا بسبب قصورات چند کہ خلاف شرع بود، از عہدۂ مذکور نامزدہ را موقوف کردہ بجائے شاں ایشان را بعہدۂ نکاح خوانی بفصلۂ ذیل مقرر نمودہ شد، بایدکہ ایشاں مستعد بودہ نکاح خوانی وغیرہ بموجب شرع شریف می پرداختہ باشند، و در روزہ نماز مسلمانان را ترغیب و ہدایت ..... باشند وخلافِ شرع شریف کدام امر مکروہ باشند دریں باب تاکید کردہ شد، پورہ رانی، دادٗ دپور، ڈھکوا، اساور، سٹھیاؤں۔

المرقوم ہشتم رمضان المبارک ۱۲۴۷ھ ہجری قدسی"

اس سند کی پشت پر یہ عبارت تحریر ہے "سند جدید دادہ شد المرقوم بستم ربیع الآخر

۱۸۳۴ء موافق ۱۲۵۰ سنہ ہجریہ، قاضی محمد سلیم منصف۔"

مولانا محمد سلیم صاحب ۱۲۴۹ھ میں قاضی القضاۃ بنائے گئے تھے، ان کی طرف سے جو سند جدید ۱۲۵۰ھ میں شیخ محمد رضا صاحب کو دی گئی اس کی نقل یہ ہے۔

(مہر)

منظور شدہ

"دیانت آثار شیخ محمد رضا ساکن مبارک پور متعلقہ دار القضار پرگنہ محمد آباد گوہنہ بعافیت باشند چونکہ ایشان از عہد جناب قاضی مرحوم بکفالت عہدۂ نیابت قضا مامور شدہ الی الیوم انجام آن باحسن وجوہ دادہ آمدہ اند کہ موجب خوشنودیٔ این نیازمند حضرت ایزد نیز منصور گردیدہ و حالات دین داری و امانت گذاریٔ ایشان بکرر سماعت و معائنہ رسیدہ، لہذا ایشان را بدستور سابق بر عہدۂ مذکور بحال داشتہ سند ہذا عنایت فرمودہ شد، باید کہ ہیچ دقیقہ از وقائق دیانت و امانت، ترویج رسومِ دین، والتزامِ روش سید المرسلین صلعم، و اقامت جمعہ و جماعات و تحریص مردم بطاعاتِ و اقتدار آداب شرعیہ، و سلوک طریق سنت و نکاح مسلمین و اصلاح ذات البین وقت مخاصمتِ مومنین مہمل و غیر مرعی نگذارند، دریں باب تاکید بلیغ دانند، المرقوم شہر ربیع الثانی ۱۲۵۰ سنہ ھ

پورہ رانی، داؤد پور، ڈھکوا، اساور، سٹھیاؤں، تحریر بتاریخ ..... بکرر ارشاد: مدار پور، سلار پور، چیونٹھی۔ بمہور، حاجی پور، پورانی بستی۔ انیٹھی، بنڈریا سکندر پور، گونجر پار، منظور است۔"

شیخ محمد رضا کی امانت گذاری اور دیانت داری کے بکرر سماع و معائنہ کے بعد قاضی محمد سلیم صاحب

لے نہ صرف یہ کہ ان کو سند جدید دی، بلکہ ان کا حلقۂ نیابت وسیع کر دیا گیا، اور مکرر ارشاد کے ذریعہ ان کو مزید اعزاز بخشا گیا، اور پندرہ مقامات میں ان کو نائب قاضی بنایا گیا، پورب میں پرانی بستی تک، دکھن میں سٹھیاؤں تک، پچھم میں ممبور اور حاجی پور تک، اور اتر میں گوبجریا اور بنڈیا تک ان کی قضا کی حدود تھیں، اور وہی اس پورے علاقہ کے مسلمانوں کے جملہ شرعی امور و معاملات کے ذمہ دار تھے، جن میں نکاح خوانی سے لے کر امر بالمعروف نہی عن المنکر، اقامتِ جمعہ و جماعات اور ہر قسم کے جھگڑے اور مقدمات کے فیصلے شامل تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ محمد رضا صاحب کی علمی و دینی قابلیت و بصیرت کس قدر بلند تھی۔

لے مولانا قاضی شیخ محمد سلیم بن محمد عطا جعفری مچھلی شہری جون پوری، ۱۲۲۲ھ میں مچھلی شہر میں پیدا ہوئے اور عربی کی تعلیم وہیں مفتی علی کبیر بن علی محمد مچھلی شہری متوفی ۱۲۶۹ھ سے حاصل کر کے مولانا قاضی محمد شکور صاحب مچھلی شہری متوفی ۱۳۰۱ھ سے اکثر کتبِ درسیہ پڑھیں، بعض کتابیں مولانا رحمت اللہ کابلی سے بھی پڑھیں، آپ علوم و فنون میں شخصیت بازرہ رکھتے تھے، فراغت کے بعد قسمت نے یاوری کی، اور قاضی بنائے گئے، پھر ترقی کر کے صدارت قضا کے عہدہ کو پہونچے جو اس زمانہ میں اہل علم کے لیے سب سے اونچا عہدہ ہوتا تھا، ۱۲۵۰ھ میں دار القضا پرگنہ محمد آباد گوہنہ کے قاضی مقرر کیے گئے اس پرگنہ میں جتنے قصبات و مواضعات تھے سب میں آپ کے ماتحت قاضی مقرر تھے، اس زمانہ میں ان اطراف میں ہر طرف دینی و علمی فضا قائم تھی، آپ کے عطا کردہ اسنادِ قضا میں سے قاضی محمد رضا صاحب مبارک پوری اور مولانا محمد طاہر صاحب معروفی متوفی ۱۲۹۶ھ کی سندیں اب تک محفوظ ہیں۔ مولانا علی احمد صاحب بھیروی نواسۂ شاہ ابو اسحٰق صاحب نے آپ سے اکثر کتبِ درسیہ کی تعلیم حاصل کی تھی، آپ نے شبِ یکم جمادی الاول ۱۲۶۶ھ میں بمقام اعظم گڈھ انتقال کیا، اس وقت عمر ۴۴ سال کی تھی، مولانا محمد سلیم صاحب کی تصنیفات میں یہ کتابیں ہیں (۱) رقیۃ السلیم، حدیث میں (۲) حاشیہ شرح چغمینی ہیئت میں (باقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

آپ نے یہ عہدہ نہایت ہوشیاری وہوش مندی اور ذمہ داری سے سنبھالا اور امور مفوضہ کو بوجوہ احسن انجام دیا جس کے نتیجہ میں دس سال کے بعد قاضی القضاۃ مولانا محمد شاہ عالم نے اپنی طرف سے یہ سند عنایت فرمائی۔

(قاضی محمد شاہ عالم عفا اللہ عنہ [illegible])

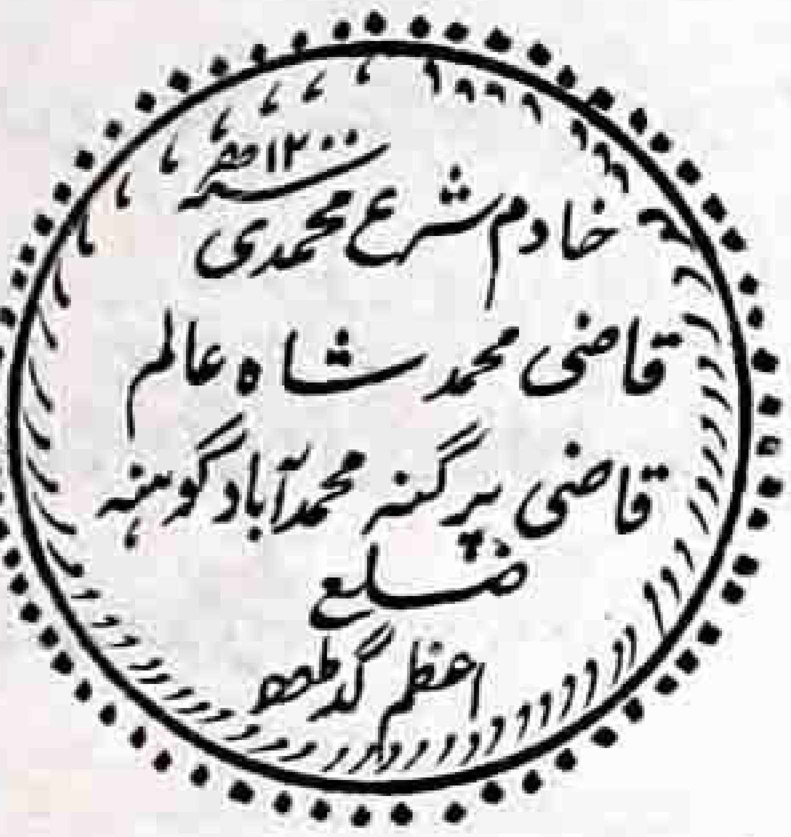

(مہر)

دیانت آثار شیخ محمد رضا ساکن مبارک پور خاص متعلقہ دار القضاء پرگنہ محمد آباد گوہنہ بعافیت باشند۔

"چوں ایشان از عہد جناب قاضی مولوی محمد رؤف صاحب مرحوم ومغفور، وسر بعہد جناب قاضی محمد سلیم صاحب بکفالت عہدۂ نیابت قضاء مامور بودہ انجام آن دادہ آمدہ اند نظر بریں ایشاں را بدستور سابق بر عہدہ مذکور بحال داشتہ سند ہذا عنایت فرمودہ شد باید کہ ہیچک دقیقہ از دقائقِ دیانت وامانت، وترویج رسوم دین داری، وپرہیزگاری، والتزامِ روش سید المرسلین صلعم واقامت جمعہ وجماعات وتحریص مردم بطاعات واقتدار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۳) ہفوات الامجاد، ادب عربی میں (۴) رسالہ جبر ومقابلہ، ریاضی میں، (۵) میزان الوافی فی علم العروض والقوافی (۶) رسالہ تحقیق شہور (۷) جون پور نامہ، تاریخ میں (۸) دیوان اشعار فارسی جس میں عربی کے بھی بہت سے قصائد واشعار ہیں۔ لہ دلال گھاٹ اعظم گڈھ کی مسجد کے سامنے چہار دیواری میں آپ کی قبر اب تک موجود ہے۔ (تجلی نور ج ۲ ص ۱۳۲ وص ۱۳۳ وتذکرہ علمائے ہند ص ۱۴۳۔

آدابِ شرعیہ، و نکاح مسلمین، و اصلاح ذات البین ہنگام تخاصم مومنین مہمل و غیر مرعی نگذارند، دریں باب تاکید، قدغن بلیغ داشتہ حسب المسطور بعمل آرند، المرقوم ہفتدہم ماہ ربیع الاول ۱۲۶۱ھ ہجریہ قدسیہ صلعم"

بفصل دہات متعلقہ نیابت مذکور

پوسہ رانی، داؤد پور، ڈھکوا، اساور، سٹھیاؤں، مدار پور، سلار پور، چیو نتھی، بہور، حاجی پور، انیٹھی۔ بنڈ بیا، سکندر پور، گونجر یار، پیرو پور، پورانی بستی۔

اس سند میں پیرو پور کا اضافہ کیا گیا ہے، اس طرح کل سولہ مقامات و دیہات شیخ محمد رضا صاحب کے حلقۂ نیابت میں تھے، اور ان تمام بستیوں کے مسلمانوں کے جملہ اسلامی امور و معاملات کا تعلق آپ ہی سے تھا۔

شیخ حسام الدین شاہ بن شیخ امام بخش رحمہ

شیخ حسام الدین شاہ بن شیخ امام بخش بن شیخ علی رحمۃ اللہ علیہ زہد و تقویٰ اور خدا ترسی و پارسائی میں بہت آگے تھے، اور ولیِ کامل سمجھے جاتے تھے، آپ کی بزرگی و ولایت کا شہرہ دور دور تک تھا، قاضی مولوی محمد رؤف صاحب کے دور میں مبارک پور کے حلقہ کے نائب قاضی تھے، مگر ۱۲۴۷ھ میں ان سے کچھ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے جو خلافِ شرع معلوم ہوتے تھے، اور باوجود تقویٰ و طہارت اور پارسائی و بزرگی کے آپ ان کی وجہ سے وہ شرعی امور و معاملات کے ذمہ دار اور نگراں نہیں بن سکتے تھے، اس لیے قاضی محمد رؤف صاحب نے شیخ حسام الدین صاحب کے بجائے ان کے بھائی شیخ محمد رضا صاحب کو نیابتِ قضا کا عہدہ سپرد فرمایا، چونکہ شیخ حسام الدین صاحب اس واقعہ کے بعد قانونی طور سے وعظ و ارشاد، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دوسرے شرعی معاملات میں مجاز و ذمہ دار نہیں رہ گئے۔ حالانکہ ان کی زندگی ان ہی دینی کاموں میں گذری تھی۔ اس لیے وہ نیابت قضا کے عہدے سے علیحدگی کے بعد درس و تدریس میں لگ گئے اور اسی علمی و دینی خدمت میں باقی زندگی گذار دی۔

Marfat.com

خاندانی روایت کے مطابق شیخ حسام الدین شاہ صاحب جن کو لوگ حسامدی بابا کہتے تھے باہر کسی مقام پر مدرس تھے، وہیں سخت بیمار پڑے، اٹھاکر مبارک پور لائے گئے اور ۹ یا ۱۰ ر جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ کو انتقال فرمایا، مولانا عبدالعلیم صاحب رسول پوری نے اپنی ایک کتاب میں یادداشت کے طور پر آپ کی تاریخ وفات ان تاثرات و الفاظ میں درج کی ہے۔ "حسام الدین شاہ ازادلیا، کامل مبارک پوری انتقال کردہ بماہ جمادی الاول روز چہارشنبہ تاریخ ۹ و بقول بعضے ۱۰ ر کہ شش گھنٹہ روز باقی بود، ۱۲۹۷ھ"

شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضاؒ

شیخ محمد رجب بن شیخ محمد رضا بن شیخ امام بخش بن شیخ علی رحمہم اللہ اس خانوادۂ قضارت و مشیخت کے خاندانی عہدہ اور روایت کے آخری فرد تھے، جن پر صدیوں کی روایات کا خاتمہ ہوگیا۔ انگریزی حکومت نے اسلامی عدالتوں کو بند کرکے عام قانونی عدالتیں قائم کیں جس سے رہی سہی اسلامی روایت اور اس کے حاملین ختم ہوگئے۔ قاضی القضاۃ مولانا محمد سلیم صاحب نے ۱۵ ر رمضان ۱۲۵۱ھ کو شیخ امام بخش کو جو سندِ نیابت عطا کی تھی اس میں شیخ محمد رجب کا نام بھی سرنامہ میں شامل ہے، ان کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور امورِ شرعیہ میں ذمہ داری کے سلسلے میں خاندانی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زبردست عالم اور نہایت متقی و دیندار بزرگ تھے، ساتھ ہی اسلامی شان و شوکت کے مالک تھے، خاندانی رسم کے مطابق پالکی نشینی ان کے دور تک قائم رہی، جب ان کی پالکی نکلتی تھی تو اربابِ علم و فضل اس کے دائیں بائیں چلتے تھے، عموماً جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے پالکی ہی میں آتے جاتے تھے۔

ان کے پاس خاندانی مخطوطات و نوادرات اور کتابوں کا بیش بہا کتب خانہ بھی تھا جسے بعد میں لوگوں نے راجہ صاحب کی مسجد کے پاس والے کنویں میں ڈال دیا، البتہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قرآن شریف اور تسبیح اور عصا خاندان میں موجود تھے، مگر بعد میں یہ تبرکات بھی ضائع ہوگئے، راقم کو ان کا مملوکہ مجموعۂ خطب مولانا اسمٰعیل شہیدؒ محلہ پرانی بستی کی ایک مسجد سے دستیاب ہوا ہے جو مطبوعہ ہے اور اس پر آپ کے ہاتھ کی تملیک کی تحریر اور دستخط موجود ہیں۔

پالکی

Marfat.com

اور اس کے آخر میں آپ کے ہاتھ سے نہایت عمدہ عربی خط میں خطبہ ثانیہ لکھا ہوا ہے جس کے آخر میں ۱۲۹۲ھ درج ہے، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید اور دوسرے مجاہدین حضرات کو مسلمانوں کا ایک طبقہ موردالزام ٹھہراتا تھا اور ان کی تکفیر و تفسیق کرتا تھا۔ ان کی کتابوں کو گھر میں رکھنا اور ان کو ہاتھ لگانا حرام سمجھتا تھا، اس زمانہ میں شیخ محمد رجب صاحب مولانا مرحوم کے خطبہ کو جمعہ اور عیدین میں پڑھتے تھے، ۱۲۵۱ھ میں مولانا محمد سلیم صاحب نے آپ کے دادا شیخ امام بخش صاحب کو جو سند قضا ر دی اس میں آپ کا نام بھی درج کیا مگر چونکہ اس وقت آپ نو عمر تھے اس لیے اس میں آپ کے نام کے ساتھ "شیخ" کا لفظ نہیں ہے۔

اولاد و احفاد

شیخ محمد رجب کے دو صاحبزادے تھے، میانجی حاجی لعل محمد اور میانجی ولی محمد میانجی ولی محمد کے دو لڑکے ہوئے میانجی محمد شفیع مرحوم اور میانجی حاجی محمد عمر جو ابھی حیات ہیں، میانجی حاجی لعل محمد صاحب زندگی بھر کسی نہ کسی درجہ میں خاندانی روایات کے حامل رہے، حج و زیارت کی دولت حاصل کی۔ ان کے چار صاحبزادے ہوئے، (۱) میانجی عبداللہ متوفی دوشنبہ ۱۵ ار رجب ۱۳۵۷ھ۔ (۲) میانجی حاجی اسداللہ متوفی شنبہ ۲۵ ر صفر ۱۳۸۲ھ (۳) میانجی حاجی محمد حسین متوفی ۲۵ رجب ۱۳۶۵ھ دہم) اور میانجی حاجی محمد حسن ۱۳۶۵ھ، میانجی عبداللہ سب بھائیوں میں بڑے تھے، بڑے قد و قامت رعب و داب اور سمجھ بوجھ کے آدمی تھے، میانجی شیخ علی مرحوم کی شہ زوری اور پہلوانی کی جھلک ان میں پائی جاتی تھی ان سے چھوٹے میانجی حاجی اسداللہ تھے، ان میں خاندانی روحانیت کا رنگ نمایاں تھا، اور صوفیاء و اہل دل کی صحبت میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے ان سے چھوٹے میانجی حاجی محمد حسین نیابت قضا کی رہی سہی روایتی ذمہ داری کو سنبھالتے تھے، نکاح خوانی، جمعہ و عیدین کی امامت وغیرہ کرتے رہے مگر حج کے بعد جب بیمار رہنے لگے تو صرف قصبہ تک اپنے کام کو باقی رکھا اور دیہاتوں کے لیے دوسروں کو مقرر کر دیا اور میانجی حاجی محمد حسن صاحب اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے اور راقم کے والد ماجد ہیں اور الحمدللہ کہ ابھی حیات ہیں۔

Marfat.com

(۲۵)

لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ

ہندوستان کے علمی وتحقیقی مفاخر میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، دارالمصنفین اعظم گڈھ، ندوۃ المصنفین دہلی اور مجلس علمی ڈابھیل عالمی مقام رکھتے ہیں، ان کے علاوہ بعض دوسرے خالص علمی وتحقیقی ادارے بھی ہیں، جن کی خدمت ان اداروں سے کم نہیں ہے، ان ہی میں لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد بھی ہے مگر افسوس کہ ہندوستان کے اہلِ علم اس ادارے سے بہت کم واقف ہیں اور اربابِ علم وتحقیق کے حلقہ کے علاوہ اس کا عام تعارف نہیں ہے، اس کی بڑی وجہ اس ادارہ کے مخلص ارباب نظم ونسق کی بے نیازی اور عام اہل علم کی بے پروائی ہے۔

۱۳۴۸ھ میں تاسیس

۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا ابوالوفا صاحب افغانی مدظلہ کی سرپرستی میں دس مخلصوں نے مل کر اپنے طور پر ائمہ احناف کی امہاتِ کتب شایع کرنے کے لیے لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ کے نام سے اس ادارہ کو قائم کیا اور متاخرین علمائے احناف کی جنایت کا کفارہ ادا کیا تھا، انھوں نے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور دوسرے قدیم ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصنیفات کے مقابلہ میں علمائے متاخرین خصوصاً علماء ماوراء النہر کی کتابوں کو زیادہ اہمیت دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ احناف کی امہاتِ کتب کا رواج ہی نہیں بلکہ ان کا وجود بھی ختم ہونے لگا تھا، چنانچہ بہت سی قدیم اہم کتابیں عالم اسلام سے نیست ونابود ہوگئیں، جو باقی رہ گئیں، ان کے نادر ونایاب نسخے ایشیا اور یورپ کے کتب خانوں کی زینت بنے رہے، حالانکہ ان کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کی کتابیں ہمارے علماء کی توجہ کا مرکز بنی رہیں،

Marfat.com

وہ داخلِ نصاب کی گئیں، ان کے شروح و حواشی لکھے گئے، اور ان کو وہ اہمیت دی گئی جس کی وہ کسی حال میں مستحق نہیں تھیں، اس صورتِ حال نے مولانا ابوالوفا صاحب افغانی اور ان کے چند رفقاء کو آمادہ کیا کہ وہ صرف اخلاص اور علمی و دینی خدمت کے لیے خدا کے بھروسے پر یہ کام شروع کریں، چنانچہ انھوں نے اتنی خاموشی اور بے نیازی سے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا کہ ہندوستان کے اہلِ علم اس کی پوری قدر نہ کر سکے، اور نہ ائمۂ فقہ و حدیث کی جو نادر و نایاب اور اہم کتابیں شایع ہوئیں ان سے دلچسپی لے سکے، کیونکہ عام مذاق کے مطابق احیاء المعارف النعمانیہ کے کارکنوں نے اخبارات و رسائل اور دوسرے ذرائع سے پروپیگنڈا نہیں کیا، بلکہ کام میں لگے رہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس خالص علمی ادارہ سے ہم اس قدر بے خبر اور بے نیاز رہیں کہ اس کی مطبوعہ کتابوں تک سے نابلد ہوں، ہندوستان کے علماء اور خاص طور سے علمائے احناف کی یہ ناقدردانی بڑی افسوسناک ہے۔ ۲۳

البتہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء المعارف النعمانیہ کا تذکرہ نہایت فاضلانہ انداز میں قدردانی اور ہمت افزائی کے طور پر کیا ہے خود اس کے بانی و صدر مولانا ابوالوفا صاحب افغانی نے راقم کے نام متعدد خطوط میں تحریر فرمایا ہے کہ "سید صاحب ہمارے کام کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اور جہاں کوئی نئی کتاب یہاں سے شایع ہوتی اور ان کی خدمت میں روانہ کی جاتی تو فوراً نہایت انشراح و انبساط کے ساتھ معارف میں اس کا ذکر فرماتے اور ہماری ہمت افزائی فرماتے۔"

پچھلے دنوں راقم نے اس ادارہ کی دو ایک کتابوں کا تفصیلی تعارف معارف میں کرایا ہے، جی چاہتا ہے کہ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معارف ہی میں اس ادارہ کی تمام مطبوعات کا سرسری تعارف کرایا جائے تاکہ اہلِ علم کو اس ادارہ کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکے اور وہ ملک کے دوسرے علمی و تحقیقی اداروں کی طرح اس مخلص اور خاموش ادارہ کی طرف بھی اپنی توجہ منعطف کریں۔

Marfat.com

۱۳۴۹ھ میں اس ادارہ نے پہلی کتاب، کتاب العالم والمتعلم شائع کی، اس کے آخر میں عربی اور اردو میں مجلسِ احیاء المعارف النعمانیہ کا تعارف بعنوان بشارت یوں درج ہے:۔

اس کا منشور ومنشاء

"عامۂ اہلِ اسلام کو عموماً اور علمائے احناف کو خوش خبری دی جاتی ہے کہ حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب اور اصحابِ اصحاب کی تصانیفِ مہمہ جو اب تک طبع نہیں ہوئیں اور بالکل نایاب ہیں، ان کی طباعت واشاعت کی غرض سے مجلس احیاء المعارف النعمانیہ قائم کی گئی ہے، جو چند باخیر علماء اور باخیر اصحاب کی ہمتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے للہ الحمد کہ سب سے پہلے جس کتاب کی اشاعت کی سعادت مجلس ہذا کے حصّہ میں آئی وہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تصنیف منیف کتاب العالم والمتعلم ہے، اس کے بعد انشاء اللہ کتاب النفقات للخصاف کی شرح للصدر الشہید شائع ہوگی، نیز کتاب ادب القاضی للخصافؒ کی شرح للصدر الشہید، جامع کبیر للامام محمدؒ اور مبسوط للامام محمدؒ، بہ روایت ابی سلیمان جوزجانیؒ کی طباعت بھی پیش نظر ہے، امید کہ اہلِ علم اور ارباب کرم مجلس ہذا کی اعانت فرمائیں گے، کتاب العالم والمتعلم مقامات مندرجہ ذیل سے طلب کی جاسکتی ہے۔

(الف) دفتر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ (شفاخانہ محمودیہ) جلال کوچہ حیدرآباد۔

(ب) جناب مولوی ابوالوفا صاحب رکن مجلس احیاء المعارف النعمانیہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد۔ (ج) محمد اکبر علی معتمد مجلس احیاء المعارف النعمانیہ بازار گھانسی حیدرآباد"

یہ اشتہار محمد اکبر علی صاحب معتمد مجلس کی طرف سے ۱۳۴۹ھ میں شایع ہوا ہے اور مجلس کی فہرست میں ۱۳۴۸ھ درج ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۳۴۸ھ میں یہ مجلس مولانا ابوالوفا صاحب افغانی مدرس مدرسہ نظامیہ اور محمد اکبر علی صاحب معتمد مجلس وغیرہ دس ارکان کی کوشش سے قائم کی گئی جس کا بنیادی مقصد ائمہ احناف کی امہات کتب کی اشاعت تھا اور مندرجہ اشتہار کتابیں اس کے ابتدائی اشاعتی نظام میں رکھی گئی تھیں۔

Marfat.com

اس کی مطبوعات کا مختصر تعارف

سنہ ۱۳۴۸ھ سے سنہ ۱۳۸۵ھ تک (۳۷ سال کی مدت میں) اس مجلس نے مندرجہ ذیل کتابیں شایع کیں، ہم سلسلہ وار ہر کتاب کا سرسری تعارف مختصر الفاظ میں کراتے ہیں، تفصیلی تعارف مقصود نہیں۔

۱- **کتاب العالم والمتعلم**:- امام ابوحنیفہؒ کی تالیف ہے، کشف الظنون میں اس کا تعارف اس طرح درج ہے،

یہ کتاب متعلم کے سوال اور عالم کے جواب کے طریقے پر لکھی گئی ہے، جو عقائد و نصائح پر مشتمل ہے، اس کتاب کو ابو مقاتل نے امام صاحب سے روایت کیا ہے، مجلس کے علم میں اس کا ایک قلمی نسخہ رامپور کے شاہی کتب خانہ میں تھا، جو اغلاط سے پُر تھا، مگر اس وقت اس کے دوسرے نسخہ کا پتہ نہیں تھا اسی لیے اس کو اصل قرار دے کر حاشیہ میں جگہ جگہ عبارت کی تصحیح کی گئی۔ بعد میں اس کا ایک نسخہ اور ملا، مگر کتاب چھپ چکی تھی اس لیے دوسری اشاعت میں اس سے استفادہ کا وعدہ کیا گیا غالباً اس کے مصحح و محشی مولانا ابوالوفا صاحب افغانی تھے، یہ کتاب مطبع چشتی حیدرآباد میں ربیع الاول سنہ ۱۳۴۹ھ میں چھپی۔ کل صفحات ۳۱ تھے، تعداد طبع ایک ہزار تھی، کتابت، طباعت اور کاغذ معمولی تھا، جو مجلس کی بے سروسامانی اور مالی دشواری کا نتیجہ تھا۔

۲- **شرح کتاب النفقات**:- امام ابوبکر احمد بن عمرو بن مہیر الخصاف الشیبانیؒ متوفی سنہ ۲۶۱ھ کی کتاب النفقات کی شرح ہے اور امام ابومحمد حسام الدین عمر بن عبدالعزیز بخاریؒ متوفی سنہ ۵۳۶ھ المشہور بالصدر الشہید کی تصنیف ہے، اس کتاب کے دو قلمی نسخے کتب خانہ شیخ الاسلام مدینہ منورہ میں تھے، وہاں سے ایک کی نقل دوسرے سے مقابلہ کے بعد منگائی گئی، مگر یہ نسخہ اغلاط سے پُر تھا اس لیے مولانا ابوالوفا افغانی، مولوی سید عبداللہ بن احمد مدحج علوی حضرمی اور مولوی رحیم الدین ارکان مجلس نے اس کی تصحیح کی، چونکہ شرح النفقات کی اکثر عبارتیں محیط برہانی سے منقول ہیں اس لیے تصحیح میں اس کتاب سے بڑی مدد ملی، یہ کتاب ذوالقعدہ سنہ ۱۳۴۹ھ میں مطبع دکن لارپورٹ حیدرآباد میں چھپی، کل صفحات ۵۶ ہیں، اس میں کتابت طباعت اور کاغذ معمولی ہے،

Marfat.com

اس پر حاشیہ مولانا افغانی نے لکھا ہے،

۳۔ کتاب الآثار، للامام القاضی ابی یوسف :۔ یہ کتاب درحقیقت مسند الامام الاعظم ہے، جسے امام ابو یوسف نے امام صاحب سے روایت اور بعض مقامات پر اپنی مرویات و آرار کا اضافہ کیا ہے۔ اس کو مسند ابی یوسف بھی کہتے ہیں، اس کی روایت امام ابو یوسفؒ کے صاحبزادے ابو محمد یوسف بن یعقوبؒ نے کی ہے، ہندوستان، ترکی، شام اور مصر کے کتب خانوں میں تلاشِ بسیار کے باوجود اس کتاب کا کوئی نسخہ نہ مل سکا، صرف دار الکتب المصریہ میں ایک سقیم و ناقص نسخہ ملا، اس میں سقوط اور تقدیم و تاخیر بھی تھی، درمیان کے بعض اوراق غائب تھے۔ کتاب النکاح، کتاب الایمان، کتاب الحدود اور کتاب الشہادت ناقص تھے۔ تقدیم و تاخیر کی وجہ سے کتاب الطہارت میں کتاب الصلوٰۃ کے آثار، کتاب النکاح میں کتاب الطلاق کے آثار اور مختلف ابواب و کتب میں اِدھر کے آثار اُدھر تھے، مولانا ابو الوفا صاحب نے بڑی دقتِ نظر اور محنت شاقہ سے حتی الامکان ان اسقام کی تصحیح کی اس کی روایات و آثار کے دوسری کتبِ حدیث سے حوالے لکھے۔ رواۃ کے ذکر حل لغات اور فقہی تفریعات میں کوشش کی، کہنا چاہیے کہ اس کتاب کی اشاعت ہی سے مجلس کا کام اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہوا، ۱۳۵۵ھ میں مصر کے مطبع الاستقامہ میں نہایت اہتمام سے چھپی۔ کاغذ نہایت عمدہ اور عربی ٹائپ بہترین ہے، قاہرہ میں مجلس کے وکیل رضوان محمد رضوان نے اپنی نگرانی میں چھپوایا۔

کتاب الآثار کے بارے میں ابتدا میں چھ صفحات کا مقدمہ ہے فٹ نوٹ میں باریک ٹائپ میں حواشی ہیں اور آثار پر ترتیب وار نمبر درج ہے اصل کتاب کے صفحات ۲۴۲ ہیں، اس کے بعد ۲۶ صفحات میں فہرس الابواب، فہرس موضوعات اور فہرس اسمار رواۃ ہیں، کل کتاب ۲۶۸ صفحات میں ہے۔

۴۔ الجامع الکبیر، للامام محمد بن حسن الشیبانی :۔ جامع کبیر امام محمدؒ کی وہی

Marfat.com

معرکۃ الآرا کتاب ہے جس کے بارے میں امام محمد بن شجاع ثلجی نے فرمایا ہے کہ اسلام میں فقہ کے موضوع پر امام محمد کی جامع کبیر جیسی دوسری کتاب نہیں لکھی گئی، امام محمد کی مثال جامع کبیر میں ایسی ہے کہ کسی آدمی نے ایک محل بنایا، جوں جوں وہ اونچا ہوتا گیا، سیڑھیاں بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ جب محل مکمل ہوگیا تو تمام سیڑھیاں گرادیں اور لوگوں سے کہا کہ اب تم اس کے بام و در پر چڑھو، اس عظیم کتاب کی اشاعت کے لیے مجلس نے استنبول اور مصر کے کتب خانوں کو کھنگالا، استنبول میں ایک کامل نسخہ اور دار الکتب المصریہ میں ایک ناقص نسخہ مل سکا، پھر ہندوستان میں اس کی تلاش کے لیے ٹونک، دہلی، پشاور اور جبال افاغنہ کے کتب خانوں کی خاک چھانی، ٹونک کے کتب خانہ صاحبزادہ عبد الرحیم میں ایک کامل ومکمل نسخہ ملا، مولانا افغانی نے کتب خانہ میں بیٹھکر اسے نقل کیا، ترکی کے مخطوطہ کی نقل منگوائی اور مصر سے ناقص نسخہ کا فوٹو حاصل کیا، شیخ محمد راغب الطباخ نے حلب سے شرح الجامع الکبیر للعتابی کی نقل روانہ کی، اس طرح جامعہ کبیر محنت شاقہ کے بعد قابل اشاعت ہوئی اور ۱۳۵۶ھ میں مطبعۃ الاستقامہ مصر سے نہایت عمدہ کاغذ پر بہترین ٹائپ میں چھپ کر شایع ہوئی، طباعت و تصحیح کے نگراں و ذمہ دار مجلس کے مصری وکیل شیخ رضوان محمد رضوان تھے، اس کے کل صفحات ۳۷۶ ہیں۔

۵۔ **کتاب الرد علی سیر الاوزاعی** :۔ یہ امام قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے، امام اوزاعی نے جب امام محمدؒ کی کتاب السیر الصغیر دیکھی تو فرمایا کہ اہل عراق کو سیر و مغازی کے فن سے کیا تعلق ہے، صحابہ تو حجاز و شام میں تھے، عراق نیا شہر ہے، امام اوزاعی نے بھی کتاب السیر لکھی تھی، ان کی اس تنقید کے بعد امام محمد نے اپنی کتاب السیر الکبیر لکھی، جس میں امام اوزاعی کی کتاب السیر کے بعض بعض مقامات کا ضمناً رد لکھا۔ اور امام ابو یوسف نے یہ مستقل رد لکھا، چونکہ امام محمد اور امام ابو یوسف نے سیر المغازی کا فن براہ راست امام ابو حنیفہ سے حاصل کیا تھا، اس لیے انھوں نے امام اوزاعی کی تنقید کو امام صاحب پر طعن قرار دیا اور دونوں حضرات نے اس کا جواب لکھا، اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ہندوستان میں مل سکا، اسی کو تصحیح و تعلیق کے بعد شایع کیا گیا، یہ خدمت مولانا افغانی نے انجام دی، ۱۳۵۶ھ

Marfat.com

میں مصر میں مجلس کے وکیل رضوان محمد رضوان کی زیرِ نگرانی شاندار کاغذ، روشن ٹائپ میں چھپی ہے، اور فٹ نوٹ میں مولانا افغانی کے علمی و تحقیقی حواشی ہیں، کل صفحات ۱۳۵ ہیں، اس کے بعد سات صفحات میں فہرست مضامین ہے۔

۶۔ اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، للقاضی الامام ابی یوسف:۔ ابتدا میں امام ابو یوسف امام ابن ابی لیلیٰ سے تعلیم حاصل کرتے تھے، پھر امام ابو حنیفہ کے یہاں پہونچے اور بعد میں اپنے دونوں اساتذہ کے درمیان مختلف فیہ فقہی مسائل کو اس کتاب میں جمع کیا چونکہ امام ابو یوسف نے اس کتاب میں احادیث وآثار مرفوعہ وموقوفہ اور مسندۃ، منقطعہ بلاغات کو بکثرت جمع کیا ہے، اس لیے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس کا صرف ایک قلمی نسخہ ہندوستان میں مل سکا اسی کو تعلیق و تصحیح کے بعد شائع کیا گیا، ۱۳۵۸ھ میں مطبعۃ الوفا مصر میں نہایت اچھے انداز میں زیر اشراف رضوان محمد رضوان وکیل مجلس چھپی، ابتدا میں ۸ صفحات کا مقدمہ ہے فہرست کے علاوہ کل صفحات ۲۲۶ ہیں

۷۔ مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف ومحمد بن الحسن:۔ یہ امام ذہبی کی تصنیف ہے جس میں انھوں نے امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے حالات ومناقب درج کیے ہیں، امام ابو حنیفہ کے مناقب والا حصہ مولانا مفتی محمد سعید شافعی حیدر آبادی کے کتب خانہ سے ملا اور صاحبین کے حالات ومناقب کا حصہ مصر میں علامہ زاہد کوثری کے پاس تھا، مناقب الامام ابی حنیفہ والا حصہ اغلاط سے پُر تھا اسی لیے اسے بھی علامہ زاہد کوثری کے پاس بھیج دیا گیا، انہوں نے ہر سہ حصہ کی تعلیق و تصحیح کر کے مجلس کو بھیجدیا، پھر مولانا افغانی نے اس پر حاشیہ لکھا، اسطرح دونوں محققوں کی تعلیق کے ساتھ یہ کتاب ۱۳۶۶ھ میں دار الکتب العربی مصر کے مطبع میں چھپی، امام ابو حنیفہ کا تذکرہ صفحہ ۳۳ تک، اس کے بعد امام یوسف کا حال ۳۷ سے ۴۹ تک اور امام محمد بن حسن کا تذکرہ ۵۰ سے ۶۰ تک ہے، کتاب کے کل صفحات ۶۲ ہیں، ذہبی رضوان محمد رضوان وکیل مجلس مشرف ہیں، اس کا کاغذ معمولی ہے۔

۸۔ مختصر الطحاوی:۔ یہ مشہور حنفی امام ابو جعفر طحاویؒ متوفی ۳۲۱ھ کا فقہ پر مختصر مگر نہایت جامع متن ہے، کشف الظنون میں ہے کہ مختصر الطحاوی فی فروع الحنفیہ کو امام طحاوی نے کبیر وصغیر دو کتابوں میں لکھا ہے

اور اس کو امام مزنی شافعی کی کتاب مختصر المزنی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، جامع ازہر مصر کے کتب خانہ میں اس کے دو قلمی نسخے تھے، تیسرا نسخہ آستانہ میں شیخ الاسلام علامہ فیض اللہ کے کتب خانہ میں تھا، مصری نسخہ کو نقل کر کے اسی کو اصل قرار دیا گیا، اور ترکی والے نسخہ کا فوٹو منگا کر مقابلہ کیا گیا، تصحیح و مقابلہ اور تعلیق مولانا افغانی نے کی، یہ کتاب ۱۳۷۰ھ میں مطبعہ دار الکتب العربی مصر میں عمدہ طباعت کے ساتھ چھپی ہے، کل صفحات ۲۷۰ ہیں، اگر مختصر القدوری کی جگہ ہمارے مدارس میں اسے رواج دیا جائے تو بہت فائدہ ہو، اس میں بہت سے مسائل و فروع نادر ہیں اور طرز بیان اور ترتیب بھی بہت اچھی ہے۔

۹۔ اصول السرخسیؒ دو حصے: یہ امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسیؒ متوفی ۴۹۰ھ کی اصولِ فقہ پر اہم ترین کتاب ہے، ابتدا میں پتہ چلا کہ حلب کے مدرسہ عثمانیہ اور کتب خانہ احمدیہ میں اس کے دو نسخے موجود ہیں، علامہ محمد راغب الطباخ نے نقل اور مقابلہ کر کے ایک نسخہ روانہ فرمایا، پھر تیسرا نسخہ حیدرآباد میں مولانا محمد سعید صاحب کے کتب خانہ میں ملا، کتاب کی طباعت کے آخری ایام میں دوسرے متعدد نسخوں کا بھی پتہ چلا، اصول السرخسی اصولِ فقہ پر نہایت جامع و ضخیم کتاب ہے۔ مولانا افغانی کی مختصر تعلیق و تصحیح کے بعد مطبعۂ دار الکتب العربی مصر میں ۱۳۷۲ھ میں رضوان محمد رضوان کی زیر نگرانی دو حصوں میں چھپی، حصۂ اول کے صفحات ۳۱۶ اور حصۂ دوم کے ۳۸۷ ہیں۔ حسامی اور نور الانوار کی جگہ اس کتاب کا رواج بہت مفید ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ النکت للسرخسی شرح لزیادات للامام محمدؒ۔

۱۱۔ و شرح الزیادات للعتابی:۔

امام محمدؒ نے جامع کبیر کی تصنیف کے بعد چند ایسے فروع کو جن کا ذکر اس میں نہیں تھا زیادات کے نام سے یکجا کیا، اس کے بعد اسی قسم کے کچھ مزید فروع کو زیادات الزیادات کے نام سے مدون کیا، النکت زیادات الزیادات کی شرح ہے جسے امام سرخسی نے لکھا ہے اور دوسری شرح زیادات کی ہے جو امام زین الدین ابو نصر احمد بن محمد بخاری عتابیؒ متوفی ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے، شرح سرخسی کے قلمی نسخے ترکی کے کتب خانہ شیخ الاسلام فیض اللہ، کتب خانہ سلطان محمد فاتح اور کتب خانہ شیخ الاسلام

Marfat.com

ولی الدین میں تھے، ان کے فوٹو منگائے گئے، اور تینوں سے مقابلہ کے بعد نسخہ مکمل کیا گیا، شرح عتابی کا نسخہ ترکی کے کتب خانہ چورلیلی اور کتب خانہ شہید علی پاشا میں تھا، اس کا عکس منگایا گیا، اور دونوں شرحوں کو ایک ساتھ اس طرح چھاپا گیا کہ ایک صفحہ پر پہلے شرح سرخسی اور اس کے حواشی کو رکھا گیا۔ پھر شرح عتابی اور اس کے حواشی درج کئے گئے، اس مجموعہ کی طباعت ۱۳۷۰ھ میں حیدرآباد میں نہایت عمدہ عربی ٹائپ میں ہوئی، کیونکہ مشکلات کی وجہ سے مصر میں مجلس کی کتابوں کی طباعت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا، کل صفحات ۴۰۸ ہیں، اس کے بعد ۲۵ صفحات میں مختلف فہرستیں اور چار صفحات میں صحت نامہ ہے

۱۲۔ کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ، یہ امام محمد کی بڑی معرکہ کی کتاب ہے، اس پر راقم کا تفصیلی تبصرہ گزر چکا ہے، امام محمد نے اس کتاب میں امام مالک اور دوسرے علمائے مدینہ منورہ کے اور امام ابو حنیفہ اور علمائے عراق کے فقہی اختلافات میں اہل مدینہ کے مقابلہ میں اہل عراق کا اقرب الی الاحادیث والآثار ہونا ثابت کیا ہے، اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی فقہ اہل الرائے نہیں بلکہ فقہ اہل الحدیث ہے، کتب خانہ مدینہ منورہ میں اس کا ایک نسخہ ملا جو ناقص وسقیم تھا، اس میں تقدیم وتاخیر بھی تھی، اور تحریفات وبیاضات بھی تھے، پھر ترکی کے کتب خانہ نورعثمانیہ میں ایک نسخہ کا پتہ چلا، مگر وہ مدینہ منورہ والے نسخہ کی نقل تھا، اور خود حیدرآباد میں مولانا انوار اللہ صاحب کے کتب خانہ میں ایک نسخہ تھا جو زیادہ صحیح تھا، اسی کو اصل قرار دے کر اصل نسخہ مرتب کیا گیا، اس کتاب کی تصحیح وتعلیق مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری نے کی ہے، حاشیہ کیا ہے، بہترین مکمل شرح ہے، ۱۳۸۵ھ میں اس کا پہلا حصہ حیدرآباد میں عربی ٹائپ میں چھپا ہے، کل صفحات ۵۹۰ ہیں، تین چار جلدوں میں یہ کتاب مکمل ہوگی، (اس کی دوسری اور تیسری جلد بھی چھپ گئی ہے اور چوتھی جلد باقی رہ گئی ہے)

مجلس احیاء المعارف کی مطبوعات میں یہ آخری کتاب ہے تقریباً ۴۰ سال کی قلیل مدت میں اس مجلس نے ائمہ احناف کی امہات کتب کے ۳۴ سو سے زائد صفحات دنیائے اسلام کے سامنے پیش کئے ہیں۔ مولانا افغانی اس مجلس کے جزو کل ہیں، سادات ومشائخ افاغنہ کے اس بزرگ کا عہد پیری مجلس

Marfat.com

کے لیے عہدِ شباب کی باتیں کرتا ہے، ضرورت ہے کہ اہل علم مجلس کے ان دینی، علمی اور فقہی نوادر کی قدر کریں اور اس کی مطبوعات و منشورات سے فائدہ اٹھائیں، سرمایہ کی کمی اور ہماری ناقدری کی وجہ سے اس کے بہت بڑے کام رُکے ہوئے ہیں۔

اپنوں کی ناقدری اور غیروں کی قدردانی

آخر میں اپنوں کی ناقدری اور غیروں کی قدردانی کے دو عبرت انگیز واقعات سنیے، مولانا افغانی نے ان کو خود راقم سے بیان کیا ہے، ۱۳۷۰ھ میں مختصر الطحاوی چھپی، جس کی قیمت دس روپئے تھی، مگر دو سال کے بعد پندرہ روپئے ہوگئی، ایک مرتبہ مولانا بمبئی تشریف لائے، تو راقم نے معمول کے خلاف اس کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ دریافت کی، مولانا نے فرمایا، بات یہ ہوئی کہ ہمارے مصری وکیل شیخ رضوان محمد رضوان نے مختصر الطحاوی کے کچھ نسخے نمونہ کے طور پر امریکہ کی یونیورسٹیوں اور کتب فروشوں کے یہاں بھیجے، چند دنوں کے بعد وہاں سے اس کی مانگ بہت زیادہ بڑھ گئی کیونکہ اب یورپ اور امریکہ کے تعلیم یافتہ اور مستشرقیات سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کا عام رجحان یہ ہوگیا ہے کہ اسلام کو اس کے اصلی خدوخال میں سمجھنے کے لیے قدیم ائمہ اسلام کی کتابوں کو دیکھنا چاہتے ہیں، جن کا ذہن و مزاج خالص اسلامی تھا اور جو اسلامی علوم و فنون کو سیدھے سادے انداز میں الفاظ و عبارات اور فرق و ملل کے خارجی اثر و رجحان کے بغیر کتابیں لکھتے تھے، اسلام کی سچی تصویر ان ہی کی کتابوں میں مل سکتی ہے، اسی لیے اب وہاں قدیم سے قدیم تر اسلامی ماخذوں کی تلاش ہو رہی ہے، چنانچہ اسلامی فقہ اور تشریعی قوانین کی تحقیق کے سلسلے میں مختصر الطحاوی بھی ان کی خصوصی توجہ کا مرکز بن رہی ہے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ لجنۃ احیاء المعارف کی ایک کتاب مولانا نے بڑی عقیدت سے قدردانی کی امید پر حیدرآباد کے ایک بہت بڑے عالم کو پیش کی اور اپنے قلم سے اس پر تہدیہ کی عقیدت مندانہ عبارت بھی لکھی، چند دنوں کے بعد بمبئی کے ایک تاجر کتب حیدرآباد پرانی کتابوں کی خریداری کے سلسلے میں گئے، اور ایک دکان سے پرانی کتابوں کا ایک ڈھیر خرید کر لائے، اتفاق سے وہ مولانا ہی کے یہاں ٹھہرے تھے، جب انہوں نے ان کتابوں کی چھان بین کی تو انھیں وہ کتاب بھی ملی جس کے اوراق بھی ابھی کاٹے نہیں گئے تھے، انہوں نے فوراً یہ کتاب لے جاکر مولانا کے سامنے پیش کر دی، اور مولانا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

تمام شد

Marfat.com

حقوق طبع محفوظ ہیں

ندوۃ المصنفین دہلی

نیشنل مطبوعہ فائن پرنٹرز دہلی